ڈاکٹر محمد یونس بٹ
بٹ صورتیاں
Millennium Edition
2000

# بٹ صورتیاں

# حضرت بابا خند بخش

سید ضمیر جعفری اردو کے سب سے بڑے مزاح نگار ہیں۔ اتنے بڑے کہ انہیں پورا دیکھنے میں اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی پورا اردو مزاح پڑھنے میں۔ اتنا بھولا سا چہرہ کہ ایک بار دیکھ لو تو بھولا نہ جاسکے۔ چہرہ چاند سا نہیں' پر چہرے کے اوپر چاند سا ہے۔ کہتے ہیں اس کے چہرے پر بچپن کھیلتا ہے۔ میں بھی مانتا ہوں اتنے بڑے چہرے پر بچپن کیا پورا بچہ کھیل سکتا ہے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ داڑھی کے سر سے مونچھوں کا سایہ اٹھ گیا۔ کچھ کہتے ہیں پہلے مونچھوں کے پاؤں تلے سے داڑھی نکلی تھی۔ بہر حال اتنے بڑے چہرے پر روزانہ شیو کرنے کے لیے بندے کا جذبہ جہاد سے سرشار ہونا ضروری ہے۔

ان کی پیدائش سے قبل ضلع جہلم میں ان کے خاندان کا ادب میں بڑا مقام تھا' یعنی سارا علاقہ ادب کرتا۔ سید ضمیر جعفری نے وہ کام کیا جو آج تک کوئی اور ادیب' شاعر نہ کرسکا اور وہ کام اس گھرانے میں پیدا ہونا تھا۔ گھر کا ماحول اتنا اچھا کہ بچے کا بڑے ہو کر شاعر ادیب بننے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا' بچپن ہی سے اس قدر تیز تھے کہ اپنے بھائی سے دو سال بعد پیدا ہوئے مگر اس سے پہلے کہ بڑا بھائی پانچ سال کا ہوتا یہ سات سال کے ہوگئے اور سکول سے اس کا سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا۔ نصابی کتب کی قیمتوں کی وجہ سے انہیں ادیب بننے میں بڑی مدد ملی کیونکہ جو نصابی کتابیں گھر والے خرید کر دیتے یہ انہیں بیچ کر ادبی رسالے خرید لیتے۔

کہتے ہیں مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے' وہ گاتے وقت جو منہ بناتا ہے اس سے واقعی لگتا ہے کہ اس کے گلے میں کوئی ہے مگر ضمیر جعفری کے گلے میں پورا پاکستان بولتا ہے۔ اتنی بھاری آواز کہ کوئی کمزور شاعر تو اٹھا ہی نہیں سکتا۔ ڈیل ڈول ایسا کہ لوگ ان سے

گفتگو کرتے ہوئے بھی ان کے بارے میں جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جا رہے ہوں تو لگتا ہے "میٹرنٹی لیو" پر جا رہے ہیں۔ خود ایک قدم اٹھاتے ہیں تو پیٹ دو قدم۔ اس لیے تھوڑا سا بھی چلیں تو پیٹ تھک کر چور ہو جاتا ہے۔ چلتے ہوئے لگتا ہے پیٹ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ سانس لینے کے لیے روزانہ پیٹ کو اتنا ہی آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے' جتنا ایک شادی شدہ کو سانس لینے کے لیے بیوی کے آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے۔ وہ جہاں قدم رکھیں سب احتراماً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان وہ تو تانگے پر قدم رکھیں تو آگے سے گھوڑا اٹھ جاتا ہے۔ شخصیت ایسی کہ لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ وہ تو سانس ہی کھینچ لیں تو دو تین شاعر کھنچے چلے آئیں گے۔ کرسی پر بیٹھ جائیں تو ساتھ کرسی بھی بیٹھ جاتی ہے۔ یہی نہیں وہ تو کرسی سے اٹھیں تو کرسی ساتھ اٹھتی ہے۔ وہ خود بھی آدھی سیڑھیوں میں ہوتے ہیں' سانس پورا چڑھ چکا ہوتا ہے۔

اس عمر میں ہیں جس میں بندہ اظہار محبت بھی کرے تو لگتا ہے عیادت کر رہا ہے۔ شاید اسی لیے انہوں نے ستر سال کا ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ کبھی ستر سال کے نہ ہوں گے۔

ہمارے بیشتر مزاح نگار ایسے ہیں کہ ان کی تحریروں سے مزا لینے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ پڑھا لکھا نہ ہو' مگر ضمیر جعفری کی تحریروں سے مزا لینے کے لیے صرف یہ ضروری ہے کہ بندہ ہو۔ ان کے فقروں سے تین سال کا لڑکا بھی اتنا ہی محظوظ ہو سکتا ہے' بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو۔ جس طرح ان کے قلم نے پنجابی اور اردو کو گلے ملایا ہے اس طرح تو کسی فلم نے ہیرو' ہیروئن کو نہیں ملایا۔

ان کی طبیعت میں بڑا انکسار ہے۔ ظاہر ہے جتنی بڑی طبیعت ہو گی اتنا بڑا انکسار ہو گا۔ کسی دشمن میں اتنا حوصلہ نہیں کہ ان کا بال بیکا کر سکے' ویسے بھی اس کے لیے کسی دشمن کے حوصلے سے کہیں زیادہ ضروری بالوں کا ہونا ہے' اسی لیے میرا دوست "ف" کہتا ہے "پیرو مرشد سید ضمیر جعفری کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بھری برسات سے گزر جائیں اور سر کے بال گیلے نہ ہوں۔"

جو کچھ ملے' کھا لیتے ہیں' جو کچھ نہ ملے تو اور کچھ کھا لیتے ہیں۔ غصہ نہیں کھاتے کہ بندہ اتنا غصہ نہیں کھاتا جتنا غصہ بندے کو کھاتا ہے۔ کوئی بات پیٹ میں نہیں رکھتے حالانکہ وہ



[illegible] تو بات سمیت بات کرنے والے کو پیٹ میں رکھ سکتے ہیں۔

فوجی آدمی ہیں اس لیے کوئی مشکل مقام آئے تو آنکھیں بند کر کے ڈٹ جائیں گے' [illegible] آسان مقام ہو تو بڑا سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے۔

وہ فوج میں اس لیے گئے کہ شروع ہی سے جنگ کے خلاف تھے۔

محفلوں میں اپنی گفتگو کی وجہ سے پسند کئے جاتے ہیں۔ مجھے بھی محفلوں میں گفتگو کی [illegible] پسند کیا جاتا ہے' جی ہاں! محفلوں میں' میں بڑے اچھے طریقے سے گفتگو سنتا ہوں۔ [illegible] آدمی بھی نصیحت کے لیے کہیں تو حضرت بابا خندہ بخش نصیحت نہیں کریں گے کہ انہیں [illegible] جب آدمی نصیحت کے لیے کہہ رہے ہوں تو ان میں سے نو تو آپ سے مذاق کر رہے [illegible] ہیں اور دسواں سن ہی نہیں رہا ہوتا۔ یوں بھی نصیحت کرنے سے بندہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور انہوں نے بوڑھا ہونے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی ہے۔

کسی لفظ کا غلط تلفظ نہیں کیا۔ اگر کسی لفظ کا یہ تلفظ ادا کیا تو وہ لفظ ہے غلط! انہیں زبان [illegible] قرات ہے اور زبان پر گرفت اس شاعر کی ہوتی ہے جسے کوئی ایک شعر سنانے کے لیے کہے تو وہ ایک شعر ہی سنائے۔

ساری زندگی شہر میں اس لیے گزار دی کہ گاؤں سے شدید محبت ہے۔ تنہائی اچھی لگتی ہے اس لیے ہر وقت ہنگامہ و ہجوم میں رہتے ہیں تاکہ تنہائی اچھی لگتی رہے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ سید ضمیر جعفری کو ملنے کے بعد آپ کی زندگی میں سالوں کا اضافہ ہو گا' لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان سالوں میں زندگی کا اضافہ ضرور ہو گا۔ یہاں [illegible] سے مراد وہ نہیں جو شادی شدہ سوچ رہے ہیں۔ ویسے بندہ انہیں ایک بار مل لے تو اس [illegible] ماہی کے لیے شوہر رہنے کا حوصلہ آ جاتا ہے۔ صدیق سالک نے کہا تھا "جہاں [illegible] جعفری آ جائیں وہاں اداسی نہیں آ سکتی" یہاں نہ آنے کی وجہ اداسی کا مونث ہونا نہیں' [illegible] یہ ہے کہ جب وہ آ جائیں' تو اداسی ہی کیا' کنیوں کے لیے جگہ نہیں بچتی۔ مجھے تو لگتا ہے [illegible] وقت آئے گا جب سائیکاٹرسٹ اداسی اور مایوسی کے مریضوں کے لیے یہ نسخہ لکھا کریں "[illegible] سید ضمیر جعفری...... صبح' دوپہر' شام!"

# ڈاکٹر قریب العزّت

نام تو اس کا خادم حسین تھا مگر جب بھی ملتا یہی کہتا ہے کہ آپ کا بھائی عنقریب عزت حاصل کرنے والا ہے۔ یوں پورے ہوسٹل میں وہ ڈاکٹر قریب العزت کے نام سے جانا جانے لگا۔ اس کے سر پر رومال ایسے ہی تھا جیسے آپ کے سر پر بال' اگر ہیں تو! رومال اس کے لباس کا نہیں' جسم کا حصہ تھا۔ اسی لیے جب پریشان ہوتا' رومال کا رنگ اڑا ہوتا۔ کوئی احتراماً ایک بار "سر" کہتا تو جواب دینے سے پہلے رومال درست کرتا۔ اگر کوئی دوسری بار کہتا تو کہنے والے کو درست کرتا۔ بقول "ف" اس کے شناختی کارڈ پر بھی شناختی نشان کے طور پر سر پر رومال درج تھا۔ کسی جنازے پر جاتا تو سیاہ رومال اوڑھتا' البتہ کسی لڑکی کو ملنے جاتا تو گلابی رومال سے سر پوشی کرتا۔ امتحان کے دنوں میں سیاہ رومال ہی سے کام چلاتا۔ ایک بار گلابی رومال تانے جا رہا تھا کہ کسی نے شرارتاً رومال اتار دیا۔ یوں لگا جیسے کسی نے بھرے بازار میں کسی لڑکی کے سر سے دوپٹہ اتار دیا ہو۔ اتنی مار کٹائی ہوئی کہ اتارنے والوں کے سروں پر گلابی رومال سے تن گئے۔ بات بڑھی تو پرنسپل نے سب کے والدین کو بلایا' جب یہ اندر گیا تو پرنسپل نے اسے اس کا والد سمجھ کر شکایتیں کیں۔ میں نے کہا "تم نے اپنی صفائی پیش کیوں نہ کی" کہنے لگا "اگر اس وقت میں اپنا والد نہ ہوتا تو پرنسپل کو کھری کھری سناتا" کہتا "میرا والد ہو بہو میرے جیسا لگتا' سو آخری دنوں میں والدہ کی نظر کمزور ہوئی تو میں نے عینک لگوا لی۔"

کہتا "ہمارے گھرانے میں اس قدر پردہ ہے کہ کوئی لڑکی اور بزرگ ننگے سر باہر نہیں نکل سکتا۔ میری والدہ تک میرے والد سے پردہ کرتیں۔ والد ہر اس گھر کو جس میں داخل ہوتے ہی خاتون خانہ پردہ کر لیتی اپنا ہی گھر سمجھتا۔ اس لیے دوسروں کے گھر اس وقت تک داخل نہ ہوتا جب تک کسی خاتون کو بے پردہ نہ دیکھ لیتا۔"



ڈاکٹر قریب العزت ہوسٹل سے گھر تب جاتا جب کسی قریبی کا انتقال ہوتا یا کسی کا انتقال قریبی ہوتا۔ اسی لیے وہ جب بھی بیگ لے کر کمرے سے نکلتا' پورا ہوسٹل تعزیت کے لیے اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار گھر گیا تو کسی نے اس کے انتقال پر ملال کا نوٹس لگا دیا۔ آج وہ قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے کہ یہ کسی کی شرارت تھی' اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

کمرے میں صرف سونے کے لیے جاتا' اس لیے امتحان کے دنوں میں سارا سارا دن کمرے ہی میں رہتا۔ کہتا "میں بڑی کوشش سے تھرڈ کلاس (جب سے وہ تھرڈ ایئر میں آیا لڑکے بھی اس کلاس کو یہی کہنے لگے) میں آیا۔ ٹھیک ہی کہتا ہے وہ استادوں کی بڑی کوشش سے تھرڈ ایئر میں آیا۔ اس کے خیال میں میڈیکل عجیب پروفیشن ہے کہ آپ دن رات اس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں' جس وجہ سے یہ پروفیشن ہے۔ اکثر کہتا "میں نے دونوں جدید طریقہ علاج کا مطالعہ کیا ہے' میرا یہ یقین اور بھی پختہ ہو گیا ہے کہ شفا خدا کے ہاتھ میں ہے۔" اس کے نزدیک ڈاکٹر کو مسیحا اس لیے کہتے ہیں کہ آج کل لوگ ڈاکٹر کے پاس مریض کو اس وقت لاتے ہیں' جس وقت اور حالت میں آج سے انیس سو سال پہلے حضرت مسیح کے پاس لے کر جاتے۔

بیمار کے مرض کی تشخیص تو ہر ڈاکٹر کر سکتا ہے' مگر وہ تندرست کے مرض کی تشخیص ایک نظر میں کر لیتا۔ میرے ساتھ کسی خوبصورت لڑکی کو ایک بار دیکھ لیتا تو فوراً اس کی آنکھوں کے لیے دوائی تجویز کرتا۔ دوسری بار دیکھتا تو دماغ کی اور اگر میرے ساتھ تیسری بار وہ خوبصورت نظر آتی تو اپنی آنکھوں کے لیے دوا تجویز کرتا! اس کے نزدیک فلو کی دوائی کھاؤ تو بندہ ایک ہفتے میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر نہ کھاؤ تو ٹھیک ہوتے ہوتے سات دن لگ جاتے ہیں! کہتا ہے "شراب دنیا کا واحد محلل ہے جس میں شرافت بھی حل ہو جاتی ہے۔" ایک دن میرا لکھا ہوا نسخہ دیکھ کر کہنے لگا "بھئی! بڑا بچگانہ نسخہ ہے یعنی اتنا صاف کہ بچہ بھی پڑھ سکتا ہے' حالانکہ اصل ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جس کی تحریر صرف میڈیکل سٹور والا پڑھ سکے۔" کہتا "بہترین دوائی ڈاکٹر ہوتا ہے" شاید اسی لیے اسے دیکھ کر بچوں کے چہرے پر وہی تاثرات ہوتے ہیں جو دوائی دیکھ کر ہوتے ہیں۔

جب سے اس نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے مرمریں گنبد دیکھے پھر اس نے

کبھی اسے کنگ ایڈورڈ نہ کہا' ہمیشہ کوئین ایڈورڈ کہتا۔ دیکھنے میں یہ کالج گورستان یعنی گوروں کا دیس لگتا ہے۔ اناٹومی ڈیپارٹمنٹ ایسا ہے کہ اندر مردے نہ ہوں پھر بھی لگتا ہے کہ ہیں۔ کالج میں مخلوط تعلیم ہی نہیں مخلوط طالب علم بھی ہیں۔ کہتا ہے سارے ملک سے یہاں ذہین طالب علم اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ صرف وہ اپنے آپ کو ذہین ثابت کرنے کے لیے کہتا ہے ورنہ اسے پتا تھا کہ ذہین آدمی مشکل ہی سے اکٹھے ہوتے ہیں اور جو اکٹھے ہوتے وہ مشکل سے ہی ذہین ہوتے ہیں۔

لڑکی گزرتی دیکھ کر تو گزر ہی جاتا' مگر کہتا میں نے وہ کام بچپن میں ہی کر لیے ہیں جو آپ آج کل کر رہے ہیں' یعنی بچپن میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتا۔ ڈاکٹر قریب العزت دنیا کے ہر موضوع پر بلا تھکان بول سکتا ہے' مگر سن کسی موضوع پر نہیں سکتا۔ کہتا ہے "ہالی وڈ کی اداکارائیں کچھ پہن لیں تو ننگی لگنے لگتی ہیں' لیکن ہماری ہیروئنیں اس قدر موٹی ہیں کہ کچھ بھی نہ پہنیں تو پھر بھی ننگی نہیں لگتیں۔"

پہلے لڑکی کو دیکھتے ہی انگریزی پر آجاتا اور اسی پر رہ جاتا۔ کہتا "میں نے جب بھی کسی کلاس فیلو لڑکی سے اظہار محبت کیا' اس نے حوصلہ افزائی کی" حالانکہ یہ بات تھی کہ جب یہ مدعا بیان کرتا تو اس کی محدود انگریزی اور لامحدود انگ ریزی کی وجہ سے لڑکی یہ سمجھتی کہ لیکچر میں کوئی پوائنٹ سمجھ میں نہیں آیا' وہ پوچھ رہا ہے۔ جب وہ پوائنٹ واضح کرتی تو ڈاکٹر قریب العزت سمجھتا کہ وہ سلجھے ہوئے انداز میں اظہار محبت کر رہی ہے۔ لیکن پھر اس نے انگریزی میں لکھنا اور بولنا بلند کر دیا۔ البتہ دستخط انگریزی ہی میں کرتا کہ کہیں دوسرے یہ نہیں سمجھیں کہ اسے انگریزی نہیں آتی۔ کہتا "میں کسی سے غیروں کی زبان میں بات کیوں کروں" اس لیے جہاں دوسرے انگریزی میں ہائے! کہتے یہ اردو میں ہائے! کہتا۔ اس قدر شرمیلا کہ کسی اور کے سامنے عورت کا ایکس رے نہ دیکھتا' تنہائی میں دیکھا کرتا۔ وہ ایکس رے دیکھ کر بتا دیتا کہ لڑکی کنواری ہے یا شادی شدہ۔ اس کے نزدیک شادی شدہ کے جبڑوں کی ہڈیاں زیادہ گھسی ہوتی ہیں۔

وہ روز کپڑے بدلتا اور میلے کچیلے کپڑے اتار کر ایک ڈرم میں ڈال دیتا۔ جب یہ ڈرم بھر جاتا تو اسے الٹا کر پھر سے وہی کپڑے دوبارہ پہننے لگتا۔ کپڑے ہی نہیں روز جوتے بھی بدلتا جس کے لیے اسے مسجد جانا پڑتا۔ نظر کی عینک اس وقت لگاتا جب صبح نہانے کے لیے صابن



دانی سے صابن تلاش کرنا ہوتا۔

ڈاکٹروں کی بے روزگاری کی وجہ سے کہتا کہ میرے حالات اجازت نہیں دیتے کہ میں بے روزگار رہوں۔ سو آج تک بے روزگار نہ بنا' یعنی ڈاکٹر نہ بنا۔ گھر صرف مہینے میں ایک بار تنخواہ لینے جاتا۔ اس کے والد نے بھی کبھی ملازمت نہ کی۔ وہ ملازم کو ملزم کی جمع سمجھتے۔ والدہ غیر شرعی عورت ہونے کی وجہ سے والد کی شعر انگیزیوں کو برداشت کر لیتی۔ ڈاکٹر قریب العزت والدہ سے اس قدر محبت کرتا کہ اگر کوئی مرد اسے بیٹا کہہ دیتا تو مرنے مارنے پر اتر آتا۔ ماں جب کوئی کام کہتی تو جوتا اتار کر دو زانو ہو کر اس کی بات سنتا اور اس وقت تک یونہی بیٹھا رہتا جب تک وہ خود وہ کچھ نہ اتار لیتی جو اتار کر یہ بیٹھا ہوتا۔

ایک دن کہنے لگا "مجھے کہا جائے کہ تمہیں پاکستان کی بادشاہی چاہیے یا برطانیہ کی' تو میں جھٹ سے کہوں گا بچپن کی" یہ بچہ ہوسٹل میں آکر بچا نہ رہا۔ ویسے بھی بندہ ہوسٹل میں ایک ماہ رہے تو اسے ہر عورت خوبصورت لگنے لگتی ہے اور ایک سال رہے تو ہر خوبصورت چیز عورت لگنے لگتی ہے۔ ایک روز ہوسٹل گیٹ کے پاس ایک کار سے جا ٹکرایا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اور کار والا ایک ہی جگہ دیکھ رہے تھے۔ یعنی فٹ پاتھ پر بلیو کپڑوں میں ملبوس ایک دوشیزہ جو یوں چل رہی تھی جیسے اس کے کپڑوں کے رنگ کی فلم چل رہی ہو۔ دھماکا ہوا' ڈاکٹر قریب العزت اپنی عزت یعنی رومال سے دور جا گرا۔ لڑکے بھاگے کہ ڈاکٹر موصوف کو اٹھائیں۔ لڑکوں کو دیکھ کر اس کا رنگ پیلا پڑنے لگا۔ نیم بے ہوشی میں جیسے تیسے کر کے اٹھا' رومال اٹھا کر سر پہ باندھا اور پھر اطمینان سے لیٹ کر بے ہوش ہو گیا۔ رومال اس کے سر پر یوں فکس تھا' جیسے اسے کسی درزی نے نہیں نائی نے بنایا ہے۔

وہ جب ہوسٹل میں آیا تھا تو بات بات پر گالی دیتا۔ ہوسٹل میں رہ کر البتہ یہ تبدیلی آ گئی کہ بے بات گالی دینے لگا۔ گلوکاری بھی سیکھ لی کہ ہوسٹل میں جسے گانا نہ آئے وہ نہا نہیں سکتا' کیونکہ غسل خانوں کی کنڈیاں تو ہوتی نہیں اس لیے گاتے رہنا پڑتا ہے تاکہ دوسروں کو پتا چلتا رہے کہ اندر کوئی ہے۔ یہی نہیں ہوسٹل کے تو پنکھے بھی بجلی سے نہیں چلتے' ہوا سے چلتے ہیں۔

کہتا "ہمارے بزرگ نبی تھے" واقعی اس کا شجرۂ نسب دو ڈیڑھ لاکھ سال قبل اللہ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ ہوسٹل میں ہمیشہ لڑکے اس کے چاروں طرف ہوتے۔ دور سے یوں لگتا جیسے کاندھا دے کر لا رہے ہوں۔ کسی لڑکی کو ڈبل کراس کرنا تو دور

کی بات کبھی کراس تک نہ کیا۔ جہاں لڑکی دیکھی اس کے پیچھے نیت باندھ لی۔

پچھلے دنوں اس کی ممانی کو میر تقی میر پسند کرنے پر طلاق ہو گئی۔ وجہ پوچھی تو بولا "ہمارے ہاں تو غیر مرد کو پسند کرنے پر قتل ہو جاتے ہیں' طلاق تو کچھ بھی نہیں۔" میں نے "تم تو کہتے تھے' تمہارے خاندان والوں کو علم و فضل سے بہت لگاؤ ہے۔" بولا "ہاں اتنا لگاؤ ہے جس دن علم و فضل میں سے کوئی چھٹی پر ہو' میرے دادا تو کسی اور نوکر سے حقے کی چلم نہیں بھرواتے۔"

سات ماہ قبل اس کے والد کے پھر مرنے کی اطلاع ملی تو میں نے پوچھا "وہ تو ابھی پچھلے مہینے مرے تھے؟" کہنے لگا "پچھلے مہینے مرے تو تھے مگر ہمسائی پر! وہ حریصہ اور ہریسہ پر جاں چھڑکتے تھے مگر اس بار عورت کے بجائے اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔"

اس کے نزدیک صبح اٹھنا فضول خرچی میں شمار ہوتا۔ سو اس وقت اٹھتا جب دوپہر کھانا کھانا ہوتا۔ کہتا "یوں ناشتے کے پیسے بچتے ہیں۔" کینٹین پر روزانہ ایک سیٹ چائے کا آرڈر دے کر آتا مگر کبھی اس کے کمرے میں چائے نہ پہنچی' جس پر وہ ہر ماہ کینٹین والوں کا شکریہ ادا کرتا کہ ان کے تعاون نہ کرنے سے اسے تین سو روپیہ ماہوار بچت ہوتی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بارے میں کہتا "اب تو گلی گلی میرج سنٹر کھل گئے ہیں' اس لیے اب مخلوط تعلیم کی ضرورت نہیں رہی" کہتا "ایف اے کرنے سے انسان اچھا آدمی بن جاتا ہے' بی اے کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ اچھا آدمی بننے کا کوئی فائدہ نہیں اور ایم اے کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ایم اے کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ڈگریاں دراصل تعلیمی اخراجات کی رسیدیں ہیں۔"

عمارت کو گنبدوں سے دیکھنا شروع کرتا' عورت کو بھی ایسے ہی دیکھتا۔ پاکستان میں منصوبہ بندی والوں کی ناکامی کو اپنی کامیابی سمجھتا' کیونکہ والدین کی گیارہویں اولاد تھا۔ کہتا "منصوبہ بندی کامیاب ہو سکتی تھی اگر اس وقت شروع کی جاتی جب یہ منصوبہ بندی والے ابھی خود پیدا نہیں ہوئے تھے۔" کہتا "اب تو سب کچھ بدل گیا ہے اور تو اور ہوسٹل سے کالج کا فاصلہ وہ نہیں رہا جو دس سال پہلے تھا...... بڑھ گیا ہے۔"

ہربرٹ بائرڈ کہتا ہے "میں تمہیں کامیاب ہونے کا کوئی فارمولا نہیں بتا سکتا' البتہ ناکامی کا بتا دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہر کسی کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔" ڈاکٹر قریب



العزت نے بھی یہی کام کیا۔ ٹیلی فون ہوسٹل کی مقبول اور مصروف ترین ان ڈور گیم ہے۔ اسی لیے وارڈن کا حکم تھا کہ کوئی طالب علم اپنی ذاتی کال پر پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہ لگائے۔ سو طالب جب تک رانگ نمبر نہ ہوتا' زیادہ دیر نہ لگاتے۔ لیکن ڈاکٹر قریب العزت کو کبھی کسی نے فون سنتے نہ دیکھا تھا۔ ایک دن میں اپنے کمرے میں پڑھ رہا تھا کہ پتا چلا' ڈاکٹر قریب العزت فون سن رہا ہے۔ خبر ملتے ہی لڑکوں کی ٹولی فوراً اسے مبارکباد دینے ٹیلی فون بوتھ پر پہنچی تو وہاں جو شخص ٹیلی فون سن رہا تھا اسے کوئی پہچان نہ سکا' کیونکہ آج تک کسی نے اسے ننگے سر نہ دیکھا تھا۔ اس کا سر ہمیشہ کے لیے ننگا ہو گیا تھا' اس کی والدہ ہاسپٹل میں انتقال کر گئی تھی۔ اسی روز وہ بھی ہوسٹل سے انتقال کر گیا۔ جاتے ہوئے اس کے سر پر رومال نہ تھا' مگر کوئی اس کا ننگا سر نہ دیکھ سکا' کیونکہ ہر دیکھنے والی آنکھ پر آنسوؤں کا رومال سا تنا ہوا تھا۔

# پروفیسر عجیب وامیر

شاعروں سے ہمیں ایک شکایت تو یہ ہے کہ وہ بڑے عجیب ہوتے ہیں اور یہی نہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ساتھ غریب بھی ہوتے ہیں' یاد رہے یہاں غریب کا تصور وہ نہیں جو "تیلی" عرب ممالک میں ہے' وہاں غریب وہ کہلاتا ہے جس کے پاس ایک ہی گھر ایک ہی گاڑی اور ایک ہی بیوی ہو۔ بہر حال پروفیسر ڈاکٹر زاہد امیر صاحب ہمارے پہلے عجیب امیر شاعر ہیں۔ جیسے اجمل نیازی صاحب کے چہرے پر ایسا صوفی پن (PUN) ہے کہ وہ ملے بوائے بھی پڑھ رہے ہوں تو لگتا ہے کہ گرو گرنتھ پڑھ رہے ہیں۔ طاہر اسلم گور صاحب ہمارے بڑے خوبصورت افسانہ نگار ہیں جسے اعتبار نہ آئے وہ دوسرے افسانہ نگاروں کی تصویریں دیکھ لے۔ ایسے ہی ڈاکٹر زاہد امیر صاحب کے چہرے پر اتنی ڈاکٹری ہے کہ وہ شاعری بھی سنا رہے ہوں تو یہی لگتا ہے اردو میں کسی بیماری پر لیکچر دے رہے ہیں۔ شاعری ان کی پسندیدہ ان ڈور گیم ہے۔ ہمارے ایک شاعر دوست اشرف جاوید بڑے توانا شاعر ہیں یقین نہ آئے تو ان کی کشتی دیکھ لیں ویسے کشتی اور شاعری میں یہی فرق ہے کہ کشتی میں لڑنے والا اپنے کپڑے خود اتارتا ہے مگر شادی کے ایک سال بعد بیوی بیمار ہوئی تو کشتی کی بجائے بیڈ مینٹن کھیلنے لگے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ واحد کھیل ہے جس کے شروع میں بیڈ آتا ہے۔ شرع اور شاعری میں کیا شرم۔ ڈاکٹر زاہد امیر جس تیزی سے شاعری کر رہے ہیں اس تیزی سے شاعری ہی کی جاسکتی ہے۔ کوئی اور کام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہم شاعر نہیں مگر ان کی شاعری پر رائے دے سکتے ہیں کیونکہ ایک نقاد کے بقول ٹھیک ہے میں نے کبھی انڈا نہیں دیا مگر میرے سامنے آملیٹ ہو تو مرغی سے بہتر رائے دے سکتا ہوں۔ بچپن میں گھر کی دیواروں پر شعر لکھ دیا کرتے جسے سال بعد سفیدی



لڑنے والا مٹا دیا کرتا۔ اس سے قبل ہم اردو ادب میں سفیدی کرنے والے کے مقام و مرتبے سے آگاہ نہ تھے۔ رقص اعضاء کی شاعری ہے شاید رقص کو شاعری کے خانے میں اس لیے شامل کیا گیا ہو کہ رقص میں بھی سر سے زیادہ پاؤں کا استعمال ہوتا ہے۔ ان کا دماغ ہر وقت شاعری کیلئے چلتا رہتا ہے صرف اس وقت نہیں چلتا جب وہ شاعری کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے ٹی وی پروڈیوسرز حضرات جب صبح اٹھتے ہیں تو ان کا دماغ چلنا شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک وہ ٹی وی اسٹیشن کے اندر داخل نہیں ہو جاتے۔

ڈاکٹر بڑے پرفیکشنسٹ ہوتے ہیں ہمارے ایک استاد پروفیسر ڈاکٹر جو ابھی "حیات" ہیں خدا انہیں "منور" رکھے۔ انہوں نے اپنی لیڈی سیکرٹری کو نکال دیا تھا کہ اسے کچھ آتا نہیں سوائے ٹائپنگ' ڈرافٹنگ اور شارٹ ہینڈ کے۔ اسی لیے شعبہ طب کے لوگ دوسرے شعبوں میں شعبدہ بازی دکھا رہے ہیں۔ اس سے لگتا ہے کہ ایک دن محکمہ ڈاک بھی ڈاک کی فوری اور محفوظ ڈلیوری کے لیے گائناکالوجسٹ رکھ لے گا۔ ہم خود ڈاکٹر ہیں مگر ایسے کہ اگر کوئی جاننے والا کسی بڑی بوڑھی کے لیے ہمارے پاس دوائی لینے آئے تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی ساس ہے۔ لیکن ڈاکٹر زاہد امیر صاحب اپنی فیلڈ کے اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں کہ ای این ٹی کے ڈاکٹرز بھی ان کا نام سنتے ہی اپنے کانوں کو ان کا ہاتھ لگواتے ہیں۔ وہ ماہر امراض کان' ناک اور گلہ ہیں۔ سرجن نے ایک مصور کا علاج کیا۔ مصور نے ایک تقریب میں خوش ہو کر آئی سرجن کو ایک تصویر دی۔ تصویر میں ایک بڑی سی آنکھ میں آئی سرجن کی تصویر بنائی ہوئی تھی۔ تقریب میں مہمان خصوصی پروفیسر خواجہ صادق حسین تھے' انہوں نے تصویر دیکھ کر آئی سرجن سے کہا "اس پر خوش ہونے کی بجائے تمہیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ تم گائناکالوجسٹ نہیں تھے۔" جہاں تک گلے کی بات ہے ڈاکٹر صاحب کئی گلوکاروں کے گلوں میں راگ رنگ بھر رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی گلوکار آئے کہ میرے گلے کے لیے کچھ دیں تو وہ فوراً غزل لکھ دیتے ہیں کہ صبح نہار منہ غزل سے غرارے کرنا افاقہ ہوگا۔ گلوکاری کا ہمیں تو اتنا ہی پتہ ہے کہ جو بات دوسرے کو کہتے ہوئے شرم آئے اسے ... اردو ادب میں گلے کے زور پر کئی شاعرات ہوئیں گوہر بائی بھی گلے کے زور پر شاعرہ ... تو بعد میں عورتوں میں بند گلے کا ڈیزائن رواج پایا۔ پھر بھی آج کل خوبصورت

شاعری وہ شاعری ہے جسے کوئی خوبصورت کرے۔ ایک شاعرہ نے کہا لگتا ہے کہ اب میں بڑی موٹی اور بھدی ہوگئی ہوں پوچھا: "آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" کہا "اب نقاد میرے شعروں میں وزن کی غلطیاں نکالنے لگے ہیں۔" پروفیسر صاحب شاعری کام سمجھ کر کرتے ہیں، اس پر ہمیں اعتراض نہیں مسئلہ یہ ہے کہ وہ جب کام کرتے ہیں تو پھر کام تمام کر کے چھوڑتے ہیں۔

رنگ ایسا کہ موٹے ہوتے تو اپنی ذات میں "انجمن" ہوتے۔ گفتگو میں اکثر اٹک جاتے ہیں ہم تو ٹرین پر اٹک جاتے ہیں۔ کار اس قدر احتیاط سے چلاتے ہیں کہ ٹریفک کانسٹیبل کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس ڈرائیونگ لائسنس نہیں ہوگا۔ طبیعت میں اس قدر حلیمی کہ رستہ بھی مانگ رہے ہوں تو لگتا ہے رشتہ مانگ رہے ہیں۔ کسی پر احسان کریں تو بتاتے ہوئے شرماتے ہیں جیسے انہوں نے احسان نہیں کیا احسان نے کچھ کیا ہے؟ غصہ اور تھوک تھوکتے نہیں۔ کوئی دوست پریشانی میں فون کرے تو کہیں گے مجھے آیا سمجھیں۔ سنا ہے ان کے بچے انہیں آیا سمجھتے بھی ہیں۔

ہر کام محنت سے کرتے ہیں آرام بھی کر رہے ہوں تو لگتا ہے محنت کر رہے ہیں۔ پوچھا "طالب علمی میں کبھی کلاس میں لیٹ گئے؟" کہا "ہمارے زمانے میں کلاس میں طلبہ آپ کی طرح لیٹ نہ جاتے تھے، بیٹھے رہتے تھے۔" موصوف امتحان کے دنوں میں نہانا اور کمرے سے نکلنا بند کر دیتے یوں طلبہ انہیں سونگھ کر اندازہ لگا لیتے کہ امتحان میں کتنے دن رہ گئے ہیں۔ ان دنوں پروفیسر صاحب صفائی کا اس قدر خیال رکھتے کہ تولیے سے منہ تک نہ پونچھتے کہ کہیں تولیہ میلا نہ ہو جائے۔ چارپائی پر بیٹھے رہتے جب تک چارپائی نہ بیٹھ جاتی۔ فائنل کے امتحان کے بعد جب کمرے سے نکلے تو ان کا بیس پونڈ وزن کم ہو چکا تھا، بعد میں جب نہائے تو وزن مزید پانچ پونڈ کم ہو گیا۔

بحیثیت ڈاکٹر انہوں نے سگریٹ ختم کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اب تو اتنے ماہر ہو گئے ہیں کہ بیس پچیس سگریٹ منٹوں میں ختم کر سکتے ہیں۔ شکر ہے ملک سے شراب ختم کرنے کا ارادہ نہیں کر لیا۔ ویسے شراب پینا چھوڑنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ شراب کو فریز کر لیا جائے۔ اور پھر اسے پینے کی بجائے کھایا جائے۔ ایک پنجابی فلم "رقعہ" لکھی۔ پنجابی فلموں میں اچھل کود اتنی ہوتی ہے کہ ہماری فلمی ہیروئینوں کا دیوار دیکھتے ہی کودنے کو دل



لگتا ہے۔ مگر فلم میں وہ کوانٹٹی کی بجائے کوالٹی کے قائل ہیں۔ اگر کوانٹٹی کے قائل ہوتے تو ان کی فلم کی ہیروئین "انجمن" ہوتی۔

کہتے ہیں کہ میری دو کتابیں آ گئی ہیں ایک اور آ رہی ہے۔ مگر اس انداز سے کہتے ہیں جیسے اطلاع نہیں دے رہے دھمکی دے رہے ہیں۔ ڈاکٹری میں انہوں نے نام ہی کمایا دام دام میں نہ آئے سو اب دوسرے پروفیسر ڈاکٹروں کے پاس شوگر فیکٹری، سوپ فیکٹری، دولن فیکٹری بلکہ پتہ نہیں کون کون سی فیکٹری ہے ان کے پاس کوئی فیکٹری ہے تو وہ ہے Satis-factory

# جناب بے نیازی

بدصورت کی جو حرکت بدتمیزی کہلاتی ہے وہی خوبصورت کرے تو ادا بن جاتی ہے اور بے نیازی اس کی ادا ہے۔ وہ ہر تیسرے آدمی کا پسندیدہ شاعر ہے۔ تیسرے آدمی کا اس لیے کہ ہمارے ہاں ہر پہلا اور دوسرا شخص خود شاعر ہے۔ اس کے ہاں اس قدر بے نیازی ہے کہ کسی نے پوچھا فیض صاحب کی موت سے ادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پُر کرنے کے لیے آپ کس کا نام پیش کریں گے تو موصوف نے فرمایا "یہ بات میرے سوچنے کی نہیں آپ کے سوچنے کی ہے۔"

پٹھان ہے اپنی بات نہیں بدلتا یعنی جو کچھ وہ آپ کی حاضری میں کسی غائب کے بارے میں کہہ رہا ہوگا وہی کچھ آپ کے جانے کے بعد آپ کے بارے میں کہے گا۔

مذہب سے اتنا لگاؤ ہے کہ سچے دل سے اپنے آپ پر ایمان لے آیا ہے وہ تو داتا صاحب کے مزار پر جا کر بھی دعا مانگتا ہے یا اللہ میرے اور داتا صاحب کے گناہ معاف کر دے۔ وہ ڈکٹیٹر ہے اپنا حکم منواتا ہے مگر کسی حاکم کی طرح نہیں، بچے کی طرح۔

اسے پرفیومز جمع کرنے کا شوق ہے۔ اکثر پرفیوم لگا کر مشاعروں میں جاتا ہے تاکہ شاعروں کے پاس آرام سے بیٹھ سکے۔ مجید امجد سے گہری رفاقت رہی جو اس رفاقت کی گہرائی جاننا چاہے اسے گھورتا ہے۔ غالب اور اس کا پیشہ آباء ہی نہیں ذریعہ عزت بھی ایک ہی ہے بس دونوں میں یہ فرق ہے کہ وہ جس چیز کے لیے قرض مانگتا یہ وہی مانگ لیتا ہے۔ یوں اس کی ہر بیوی کو اس کا اتنا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے جتنا اس بچے کا جس نے نیا نیا چلنا شروع کیا ہو۔

دیکھنے میں اپنی ہی غزل کا مصرع لگتا ہے شاید اسی لیے ہمیشہ خود کو شعر بنا کر رکھتا ہے۔



...ں میں بیٹھا پریشان پریشان اور عورتوں میں بیٹھا ہو تو وہ پریشان پریشان لگتی ...۔ حافظے کا انتظار حسین ہے یعنی اسے آج کی بات یاد نہیں ہوتی مگر برسوں پہلے کا سب ...ہے۔ اپنی پہلی بات کو آخری بات سمجھتا ہے جبکہ دوسروں کی آخری بات کو بھی پہلی ...ہی سمجھتا ہے۔

ہمارے ہاں اکثر شاعر گفتگو کر رہے ہوں تو لگتا ہے ان کی شاعری اچھی ہے شاعری ...تو لگتا ہے گفتگو اچھی کرتے ہیں لیکن اس کی شاعری پڑھو تو لگتا ہے شاعری اچھی ہے اور ...سنو تو وہ اچھی لگتی ہیں۔

کہتا ہے مجھے صرف خوبصورت لوگوں سے لگاؤ ہے حالانکہ اسے جن سے لگاؤ ہوتا ہے انہیں خوبصورت کہتا ہے۔

اس کی اپنی الگ سلطنت ہے جس کا وہ خود ہی فرمانروا ہے اور خود ہی رعایا۔ اس کا بس چلے تو وہ سرحدوں پر متعین فوجوں سے ٹینک اور توپیں لے کر انہیں غزلوں اور نظموں سے کام چلانے کو کہے۔

عام آدمی کو یوں دیکھتا ہے جیسے چھت سے گلی میں جھانک رہا ہو۔ کہتا ہے ہندوستان میں ...ی پوجا ہوتی ہے لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے کہ ہندوستان میں گائے کی بھی پوجا ہوتی ہے۔ ڈرا ہوا آدمی ہے اور ماہر نفسیات کہتے ہیں ڈرے ہوئے آدمی سے ڈرنا چاہیے۔

اس کا کوئی ہم عصر اس کا ہم اثر نہیں وہ دنیا کو یوں دیکھتا ہے جیسے کوئی بچہ پہلی بار حیرانی سے یہ سب دیکھ رہا ہو اسی لیے اس کی شاعری حیران کرنے والی ہے۔

دوسروں کے بارے میں جاننے کا اسے اس قدر شوق ہے کہ جس شاعر ادیب کا اس ...سامنے نام لو فوراً پوچھے گا یہ کون ہے؟ مشاعروں میں دوسرے شعراء کو یوں دیکھتا ہے ...غلام علی اپنے سازندوں کو۔ گھر کا حساب کتاب مشاعروں میں کرتا ہے یعنی آٹا، گھی، ...مشاعرہ۔ فرنیچر، تین مشاعرے وغیرہ وغیرہ۔ مشاعرے میں شعر سنانے سے پہلے ...نیند کی گولیاں کھانی پڑتی ہیں جبکہ دوسرے شاعروں کی باری پر یہ سب سامعین کو ...پڑتا ہے۔

دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ان سے تحفے تحائف لے لیتا ہے اور بعض اوقات تو ...وں کا دل اتنا خوش کر دیتا ہے کم از کم ایک سال تک انہیں ایسی خوشی کی حاجت نہیں

رہتی۔ آٹوگراف یوں دیتا ہے جیسے تعویذ دے رہا ہو۔

صحافت میں ناکام رہا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ وہ کسی بھی منظر کو مکمل طور پر نہیں دیکھتا بس اس کا بہتر حصہ دیکھتا ہے' اسی لیے اپنے ملنے والوں میں بھی اس کی نظر نصف بہتر پر ہی رہتی ہے۔

جس سے ملتا ہے اسے اپنی خوبیوں کے بارے میں بتاتا ہے کیونکہ خامیوں کا تو لوگوں کو خود پتا چل جاتا ہے کبھی کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ اگر بہت دل چاہے تو منیر نیازی کی تعریف کرنے لگتا ہے۔ جو دل میں آئے کہہ دیتا ہے' اسی لیے بعض اوقات اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ ان کا تعلق صرف دل سے ہے دماغ سے نہیں۔

بُری بات نہیں سنتا یعنی جو بات بُری لگے نہیں سنتا۔ اس کے جذبے خالص ہیں' خوشی بھی خالص یعنی بغیر کسی وجہ کے اور ناراضگی بھی خالص یعنی بلاوجہ۔ بحیثیت شاعر اسے قتیل شفائی اور احمد ندیم قاسمی بہت پسند ہیں۔ اس وقت جب وہ اس کی تعریف کر رہے ہوں۔

کہتے ہیں کلاسیکل موسیقی سننے کا ماحول تنہائی میں ہی بنتا ہے اور یہ واحد موسیقی ہے جو اپنا ماحول بنانے کا خود ہی انتظام کرتی ہے۔ اس کے پاس کلاسیکل موسیقی کی کئی کیسٹیں ہیں جو اسے زیادہ ملنے آنے لگے اسے پاس بٹھا کر سنواتا ہے۔ بہت دیر کے بعد بولتا ہے وہ بھی ایسا کہ دیر تک بولنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

وہ خود کو بڑا آدمی سمجھتا ہے۔ یہ واقعی اس کی بڑائی ہے کیونکہ وہ اپنی خوبیوں اور خامیوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر وہ خود کو بڑا آدمی کہتا ہے تو پھر اس کے بڑا ہونے پر شک نہیں رشک کرنا چاہئے۔



# زبان کا دھوبی

[illegible]رتیں اس قدر بولتی ہیں کہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتیں جبکہ انتظار حسین اس [illegible] رہتا ہے کہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس سے مکالمہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے [illegible] سے گپ کرنا لیکن جب بولتا ہے تو اتنا اچھا لگتا ہے جتنا عورت سنتی اچھی لگتی ہے۔

[illegible] چہرہ' پیشانی اتنی کشادہ کہ پتا نہیں چلتا پیشانی کہاں ختم ہوئی اور پریشانی کہاں سے [illegible]۔ نظر ایسی کہ پاس بیٹھی عورت دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ کچھ فاصلے سے نظر آجاتی [illegible] عینک لگاتا ہے یعنی اس نے عینک لگائی ہو تو نظر نہیں لگتی۔ موصوفہ کو اکثر ہاتھ [illegible] سے پکڑے رکھتا ہے۔ چہرے پر اس لیے نہیں لگاتا ہے کہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ [illegible] نہ ہو تو تلاش کرنے لگتا ہے اور جب جاتا ہے تو اس کے دوست اپنی عینکیں تلاش [illegible] ہیں۔

[illegible] کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے تو وہ یہ کہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ ہر کسی [illegible] نہیں بیٹھ سکتا۔ ہر کوئی اس کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا ایسا شخص کہ کئی ملاقاتوں کے [illegible] نہیں مل پاتے کسی کو برا نہیں کہتا تو کسی کو اچھا بھی نہیں کہتا۔ لگتا ہے [illegible] میں جب بھی یہ سوال آتا ہوگا کہ فلاں فلاں کی تعریف کریں تو سوال ہی [illegible]۔

[illegible] کہ اس کی آواز تک نامحرموں سے پردہ کرتی ہے۔ صرف محرموں کو ہی پتا [illegible] باتیں کر رہا ہے باقی سمجھتے ہیں چیونگم چبا رہا ہے۔ بیٹھا ہوا لگتا ہے کسی کا "انتظار" [illegible] نہیں بیٹھتا ساتھ اس کا گلا بھی بیٹھا جاتا ہے۔

[illegible] لیتے وقت ہاتھ یوں آپ کو پکڑائے گا جیسے چونی دے رہا ہو۔ اتنی کمزور گرفت

کہ اس کا ہاتھ قانون کا ہاتھ لگتا ہے۔ پان یوں کھاتا ہے جیسے غصہ کھا رہا ہو۔ سگریٹ خرید کر بھی پیئے تو لگتا ہے مانگ کر پی رہا ہے۔ اپنے قریبی دوستوں کی طرح وہ بھی چائے کا آرڈر دے دے تو بیرا سمجھتا ہے مذاق کر رہا ہے۔ چلتے وقت ایک ہاتھ میں بیگ پکڑے ہوتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اسے ٹٹولتا رہتا ہے کہ کہیں گر تو نہیں پڑا۔ اس قدر کم سوتا ہے کہ آپ اس سے بات کر رہے ہوں تو آپ بات بعد میں پوری کرتے ہیں وہ اپنی نیند پہلے پوری کر چکا ہوتا ہے۔

برسوں تک "مشرق" اخبار کے دفتر رکشے پر آتا رہا جب سے اسے گھر کا رستہ یاد ہوا ہے اس نے گاڑی لے لی ہے۔ لیکن جس طرح وہ گاڑی چلاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک سڑک بھی لے لے۔

راستہ بھول جائے تو پھر پاک ٹی ہاؤس میں آ بیٹھے گا وہاں بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر بھی یہی لگتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی یہاں آئے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں مہمان تو خوشی کا باعث ہوتے ہیں یعنی ان کے جانے سے خوشی ہوتی ہے لیکن انتظار حسین کے آنے سے خوشی ہوتی ہے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھا سامان کا حصہ لگتا ہے۔ جتنے پیسوں میں اسے خوش کیا جا سکتا ہے اتنے تو آپ نظر ملا کر کسی بیرے کو ٹپ میں نہیں دے سکتے۔

گزرے دن اسے زیادہ خوبصورت لگتے ہیں جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ دن اس کی جوانی کے تھے لیکن فی الحال تو اس کی جوانی کا بھی پکا پتا نہیں۔ ایسا آدمی ہے کہ اس کا بس چلے تو ہر مہینے تنخواہ لینے کی بجائے کئی برس پہلی کی لی ہوئی تنخواہ یاد کر کے گھر کا خرچ چلائے۔ ایسے ہی جیسے وہ اپنی کہانیوں میں نئی عورت لانے کی بجائے "حسینہ" کا ہی نام بدل بدل کر گزارہ کر رہا ہے۔

پہلے بلند شہر میں رہتا تھا۔ اب بلند شہر اس میں رہتا ہے۔ بحیثیت ادیب اس کی یادداشت ہاتھی کی، چال خرگوش کی اور چال چلن کچھوے کا ہے۔ زبان بڑی دھلی دھلائی بولتا ہے، اسی لیے لوگ اسے زبان کا دھوبی کہتے ہیں۔

ترقی پسند اس کی ترقی پسند نہیں کرتے اور رجعت پسند اسے پسند نہیں کرتے۔ دیکھنے میں انتظار حسین ہے لیکن مسئلہ اصولوں کا ہو تو حُسین۔ اسے کیسا ہی زخم لگ جائے وہ چلائے گا



نہ چیخے گا اس کے تو کردار بلند آواز میں نہیں روتے۔ وہ زخم کا علاج بھی نہیں ڈھونڈے گا، اسی لیے اسے ایک بار زخم لگ جائے تو وہ ہمیشہ ہرا رہتا ہے۔

کہتا ہے میں 1857ء کی جنگ آزادی کا گمشدہ سپاہی ہوں جو بعد میں افسانہ نگار بن گیا۔ اس کی یہ بات سمجھ میں آئے نہ آئے جنگ آزادی کی ناکامی کی وجہ سمجھ آ جاتی ہے۔

بڑی عمارتیں کسی شہر کی شناخت ہوتی ہیں اور بڑے آدمی وہاں کے شہریوں کی۔ بڑی عمارتوں اور بڑے لوگوں میں یہ فرق ہے کہ بڑی عمارتیں دور سے چھوٹی اور قریب سے بڑی نظر آتی ہیں جبکہ آج کے بڑے آدمی دور سے بڑے اور قریب آؤ تو چھوٹے ہونے لگتے ہیں، اسی لیے میں کہتا ہوں انتظار حسین بڑا آدمی نہیں کیونکہ جب تک اس کے قریب نہ آ جاؤ اس کے قد کا احساس نہیں ہوتا۔ ادب برائے زندگی کی بجائے اس نے زندگی برائے ادب کی مگر وہ بڑا ادیب بھی نہیں کہ اس کا کوئی ادبی گروہ نہیں بلکہ وہ تو بڑا صحافی بھی نہ بن سکا کہ اس کا لہجہ ہملی آمیز نہیں ہوتا۔

# مصلّی افواج کے سر براہ

پیر پگاڑہ تو فرماتے ہیں جماعت اسلامی دراصل مسلم لیگ ہی کا اُردو ترجمہ ہے۔ بہر حال یہ فرق ہے کہ جماعت میں ایک امیر ہوتا ہے اور مسلم لیگ میں سبھی ہوتے ہیں۔ جماعت کے امیروں میں نمبر ایک مولانا مودودی ہیں۔ میاں طفیل محمد دو نمبر امیر تھے اور قاضی حسین احمد تیسرے درجے کے ہیں۔ قاضی حسین احمد اور میاں طفیل محمد صاحب کے مزاج میں وہی فرق ہے جو اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی میں ہے۔ مولانا مودودی تو چھڑی ہاتھ میں یوں پکڑتے تھے جیسے قلم پکڑا ہو۔ میاں صاحب کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ قلم پکڑا ہے یا چھڑی جب کہ قاضی حسین احمد تو قلم بھی یوں پکڑتے ہیں جیسے چھڑی پکڑی ہو۔ ہر امیر کے دور میں جماعت کی رفتار وہی رہی جو امیر کے اپنے چلنے کی تھی...... میاں صاحب تو ایسے ہیں کہ جب تک بندہ رک نہ جائے' پتہ نہیں چلتا وہ چل رہے ہیں۔ قاضی صاحب رکے بھی ہوں تو ہم سے تیز ہوتے ہیں۔ لگتا ہے وہ زمین کے اوپر نہیں چلتے زمین ان کے نیچے چلتی ہے۔

میاں طفیل محمد صاحب اس عمر میں ہیں جس میں کسی بندے کو یہ خوشخبری دی جاسکتی ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی جنگ نہ ہوگی۔ وہ امارت میں ہی دوسرے نمبر پر نہیں آئے۔ بچپن میں کسی لڑکے سے لڑائی ہو جاتی تو اس میں بھی دوسرے نمبر پر ہی آتے۔ پہلے پٹھان کوٹ اور پینٹ کوٹ بھاتا تھا۔ ٹائی لگاتے پھر ایسی داڑھی رکھی کہ ٹائی لگاتے تو ناٹ 'ناٹ ویزایبل ہوتی۔ پتلون بھی پہنتے تھے' مگر بعد میں پہننا چھوڑ دی کہ پتلون سینے کے گرد ٹائٹ لگتی تھی۔ دوران گفتگو پنجابی کے لفظ یوں استعمال کرتے ہیں جیسے سیاست دان عوام کو استعمال کرتے ہیں۔ تقریر کر رہے ہوں تو وہ اردو بول رہے ہوتے ہیں اور لوگ پنجابی سن



ب ہوتے ہیں۔ ہر کام اصلاح کے لیے کرتے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب "کشف المحجوب" کا ترجمہ کیا۔ کہتے ہیں' نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اصلاح بھی کر دی۔

لاطینی کہاوت ہے' پینٹر اور وکیل بہت جلد سیاہ کو سفید کر دیتے ہیں' مگر یہ ایسے وکیل تھے کہ ان کے موکل کے مخالفوں کو وکیل کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ یاد رہے ان دنوں ..یل کیے جاتے تھے' آج کل تو بعض اوقات جج ہی کر لیے جاتے ہیں۔ چارلس ڈکنز سے کسی ..نے پوچھا: "اچھا وکیل بننے کے لیے کیا چاہیے؟" اس نے کہا: "بُرے لوگ۔" سو میاں صاحب اچھا وکیل نہ بن سکے۔ یوسفی لکھتے ہیں: "وکیل وکالت چھوڑ دے اور سچ بولنے لگے پھر ..ی لوگ اسے وکیل ہی کہتے ہیں۔" لیکن میاں صاحب جب وکالت کرتے تھے تب بھی ..گ انہیں میاں ہی کہتے تھے۔ پھر "بار" کو یوں چھوڑا جیسے ڈاکٹر کے کہنے پر Cirrohotic "ہار" جانا چھوڑتے ہیں۔ کہتے ہیں وہ بے اختیار سچ بول دیتے ہیں حالانکہ وہ با اختیار سچ بولتے ..یں۔ آپ کی بات اس قدر توجہ سے سنیں گے کہ آپ کا بات ختم کرنے کو دل نہ چاہے گا۔ ..یعت میں اس قدر عاجزی کہ بندہ عاجز آ جاتا ہے۔ وہ جتنے بھولے ہیں' اتنا بھولا ہونے کے ..یے بڑا کچھ بھولنا پڑتا ہے۔ جماعت کی بہتری کے لیے انہوں نے جو کام کیے' ان میں سے ..ی جماعت کی امارت سے معذرت کرنا ہے۔ گھر کا ماحول ایسا کہ ان کے بچوں سے پوچھو: "..س جماعت میں پڑھ رہے ہو؟" تو کہیں گے: "جماعت اسلامی میں۔" بڑی سے بڑی تکلیف ..ھی آپ ان سے ہمدردی کرنے جائیں تو آپ کو یوں تسلیاں دے رہے ہوں گے جیسے ..نہیں آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔

تھامس فلر کا کہنا ہے: "آج کل سچ سب سے بڑی خبر ہے۔" اور میاں صاحب بڑی ..نال شخصیت ہیں۔ جمہوریت پر ہمیں یہ اعتراض ہے کہ جمہوریت آتی ہے۔ مارشل لاء ..ں یہ خوبی ہے کہ وہ آتا ہے' آتی نہیں اور میاں صاحب عورت کی حکمرانی کے قائل نہیں۔ ..ی سے بڑی کامیابی پر بھی خدا سے دعا مانگتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں: "اللہ میاں اس بار ..معاف کر دو۔ آئندہ ایسا نہ ہوگا۔" لہجہ ایسا نرم کہ اگر کسی رند سے غصے میں پوچھیں کہ تم ..راب پیتے ہو؟ تو اسے سمجھ نہ آئے گی کہ سوال پوچھ رہے ہیں یا دعوت دے رہے ہیں۔ ..ں لی بے عزتی کریں' اسے ہی پتہ ہوتا ہے کہ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔ دوسرے سمجھتے ..ی عزت کر رہے ہیں۔ انہیں کسی بات پر کم ہی غصہ آتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو کم ہے تو

کم ہی پتہ چلتا ہے کہ کس بات پر آیا۔ ایسے ٹھنڈے کہ گرمیوں میں بھی ان کے پاس چادر لے کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ وہ کام بھی اچھے طریقے سے کرتے ہیں جو کام صرف طریقے سے کیے جاتے ہیں۔ پہلے رس گلے چینی میں ڈبو کر کھاتے‘ اب چینی بھی دھو کر کھاتے ہیں۔ وہ غلط وقت پر صحیح بات کرتے ہیں‘ لیکن صحیح وقت پر غلط بات نہیں کرتے۔ البتہ وہ کسی کو اسلامی ذہن کا بندہ کہیں تو اس سے مراد جماعت اسلامی ذہن کا بندہ ہو گا۔

مولانا مودودی جماعت کو سیاست میں لائے‘ قاضی حسین احمد سیاست کو جماعت میں لائے۔ سیاست میں ان کی سوچ الگ ہے۔ سوچ الگ نہ ہو تو خود الگ ہو جاتے ہیں۔ قاضی صاحب وہ وکیل ہیں جو عدالت میں کیس یوں لڑتے ہیں جیسے عدالت پر مقدمہ چلا رہے ہوں۔ شروع ہی سے اس قدر تیز تھے کہ سکول میں ان کی جو تاریخ پیدائش درج ہے‘ اس سے دو سال قبل پیدا بھی ہو چکے تھے۔ ان کے بزرگ کام کے قاضی تھے۔ ”زیارت کاکا“ گاؤں میں ان کا خاندان گاؤں کا استاد تھا۔ ان کے سامنے سب ”کاکے“ تھے۔ ان کے گھر کے اردگرد دوسروں کے گھریوں ہی تھے جیسے دیہاتی سکول کے بچے استاد کے اردگرد بیٹھے ہوتے ہیں۔ تعلق اس خاندان سے جہاں نوجوانوں کے چہرے پر داڑھی نہ ہونا بے پردگی میں شمار ہوتا ہے۔ 1970ء میں جماعت کے نظم میں ضبط ہوئے۔ وہ اسلامی جمعیت طلبہ سے جماعت میں نہ آئے بلکہ اسلامی جمعیت طلبہ ان سے جماعت میں آئی۔

بچپن ہی سے جغرافیے سے اس قدر لگاؤ تھا کہ کوئی پوچھتا بتاؤ فلاں ملک کہاں ہے؟ تو جھٹ بتا دیتے: ”جغرافیے کی کتاب کے فلاں صفحے پر۔“ بچپن میں دنیا کا نقشہ یوں دیکھتے جیسے اپنا ناک نقشہ دیکھ رہے ہوں۔ پھر جغرافیے کے استاد ہوئے اور جغرافیے کے استاد کے لیے جغرافیے سے اہم کوئی مضمون نہیں ہوتا کیونکہ جغرافیے کے نہ ہونے سے ہمیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا‘ مگر وہ استاد نہیں رہ سکتا۔ نوجوانی میں مشتاق احمد یوسفی صاحب کو بھی جغرافیے کا اتنا شوق تھا کہ ایک صاحب انہیں اداکارہ مسرت نذیر کی ہسٹری بتا رہے تھے تو یوسفی صاحب نے کہا: ”قبلہ ہسٹری کو چھوڑیں‘ مجھے ان کا جغرافیہ بتائیں۔“ خواتین کے معاملے میں قاضی صاحب کا رویہ اتنا سخت نہیں جتنا مولانا عبدالستار نیازی صاحب کا ہے کہ انہوں نے عورت سے شادی تک نہیں کی۔ بہرحال قاضی صاحب سے مس گائیڈڈ میزائل کا پوچھیں تو کہیں گے: ”وہ میزائل جسے کسی مس نے گائیڈ کیا ہو۔“ قاضی صاحب کا نشانہ اچھا ہے۔ ایک



[illegible] بازی کر رہے تھے۔ ٹارگٹ پر جو تصویر تھی‘ کوئی نشانہ اسے نہ لگا تو احباب نے فوراً [illegible] وہ تصویر ہٹا کر ولی خان اور الطاف حسین کی تصویر رکھی تو نشانہ خود تیر پر آ لگا۔ [illegible] الٰہی صاحب کا جماعت کا عہدہ چھوڑنا ان کے لیے رحمت الٰہی بنا۔ قاضی وہ تھے ہی‘ یوں [illegible] طفیل محمد صاحب کے طفیل جماعت کے میاں بھی بن گئے۔

قاضی صاحب اپنے اور جاوید اقبال کے والد سے متاثر ہیں۔ نرگس پسند ہے اور کرگس [illegible]۔ گرمی اور سردا بہت کھاتے ہیں۔ دوسروں کو سننے کا اس قدر شوق ہے کہ منظر بھی وہ [illegible] جس میں کچھ سننے کو ہو‘ جیسے پرندوں کی چہچہاہٹ اور پانی کا شور۔ دیکھنے میں اپنے قد [illegible] لگتے ہیں۔ سنتے ہوئے سر بلند اور کہتے ہوئے سُر بلند رکھتے ہیں۔ پٹھان ہیں اور آپ [illegible] پٹھان کب پٹھان کی طرح ہوتا ہے؟ جی ہاں جب غصے میں ہوتا ہے۔ وہ تو تقریر [illegible] ہوں تو لگتا ہے غصہ کر رہے ہیں۔ آپ پوچھیں گے غصے میں کیا کرتے ہیں تو جناب [illegible] صرف غصہ کرتے ہیں۔ غصے میں ہوں تو سرخ رنگ ان کے چہرے کی طرح ہو جاتا [illegible]۔ کرنٹ افیئرز پر بات کر رہے ہوں تو بات میں اور کچھ ہو نہ ہو‘ کرنٹ ضرور ہوتا ہے۔ [illegible] طالب علمی میں اونچی آواز میں بول بول کر سبق یاد کیا کرتے تھے‘ وہ اس طرح سوچتے [illegible]۔ تقریروں میں اقبال کے شعر اس قدر استعمال کرتے ہیں کہ لگتا ہے یوم اقبال پر تقریر [illegible] ہیں۔ لوگ کہتے ہیں وہ پردے کے بڑے حق میں ہیں‘ حالانکہ انہیں ہزاروں لوگوں [illegible] گی میں مخالفین کو ننگا کرتے ہم نے خود دیکھا ہے۔ خود کو بے قرار برقرار رکھتے ہیں۔ [illegible] کوئی کام لگایا جائے تو اسے یوں کرتے ہیں جیسے کام ان کے ذمے نہیں لگایا گیا‘ وہ [illegible] لگائے گئے ہیں۔ اس قدر متحرک کہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے بھی ساکن نہیں [illegible] وہ آرام کر رہے ہوں تو یقین کر لیں‘ یہ سب اپنی مرضی سے نہیں ڈاکٹر کی مرضی [illegible] رہے ہوں گے۔ رات گئے دن کا آغاز کرتے ہیں اور اس وقت تک پہلا دن ختم نہیں [illegible] تک اگلا شروع نہ کر لیں۔

پٹھان اپنی زبان نہیں بدلتے لیکن وہ ایرانیوں سے فارسی‘ عربوں سے عربی‘ اہل [illegible] سے انگریزی‘ اہل خانہ سے پشتو‘ ہم وطنوں سے اردو اور ”ہم جماعتیوں“ سے اسی زبان [illegible] کرتے ہیں جو وہ سمجھتے ہیں۔ انہیں بولنا تو کئی زبانوں میں آتا ہے مگر چپ رہنا کسی [illegible] نہیں آتا۔ سر ڈھانپنا ان کے نزدیک ستر ڈھانپنا بلکہ بہتر ڈھانپنا ہے۔ لوگوں کے سر

پر بال اگتے ہیں' ان کے سر پر ٹوپیاں۔ ان کے نزدیک تو ٹنڈ کرانا سر سے ٹوپی اتارنا ہوتا ہے
باریش چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ اگرچہ کھیلنے کے لیے مسکراہٹ کے پاس کم ہی جگہ
بچا ہے۔ لہجہ ایسا کہ جنرل دوستم کو بھی جنرل دو۔ستم کہتے ہیں۔ قاضی حسین احمد مخالفوں کے
لیے قاضی بھی ہیں اور حسین بھی۔ انہوں نے ذاتی عدالتیں لگوائیں۔ "پاسبان" کی ا
عدالتوں میں ان کی موجودگی ایسے ہی ضروری ہوتی ہے جیسے پنجابی فلم ہٹ کرانے کے لیے
سلطان راہی۔ اسی لیے وہ پاسبان کے جلسے میں جا رہے ہوتے ہیں تو لگتا ہے "شوٹنگ"
جا رہے ہیں۔ مجاہد آدمی ہیں۔ کار سے بھی یوں نکلتے ہیں جیسے مورچے سے نکل رہے ہوں
ہاتھ ملا رہے ہوں تو لگتا ہے ہتھ جوڑی کر رہے ہوں۔ چلتے یوں ہیں جیسے پیش قدمی کر رہے
ہوں۔ بلاشبہ وہ پاکستان کی مصلّیٰ افواج کے سربراہ ہیں۔



# پان کا بادشاہ

اگرچہ وہ پان کی چلتی پھرتی پبلسٹی کمپین ہیں' لیکن اتنی شہرت انہوں نے پان کو نہیں
[illegible]ی پان نے انہیں دی ہے۔ ویسے تو پان کے ذکر کے بغیر ہمارا ابھی حدود اربعہ بیان کرنا
[illegible]وار ہے کہ ہم بڑے دھان پان ہیں' لیکن مولانا دھن پان شخصیت ہیں۔ وہ جے۔یو۔پی کے
[illegible]ت صدر ہیں یعنی جب تک جے۔یو۔پی حیات ہے۔ بول رہے ہیں تو جے۔یو۔پی کے کم
[illegible] پی کے زیادہ لگتے ہیں۔ وہ نام کے ہی شاہ نہیں' کام اور پان کے بھی شاہ ہیں۔
میرٹھ میں پیدا ہوئے مگر پوچھو کہاں پیدا ہوئے تو کہیں گے: "گھر میں۔" بچپن میں
[illegible]ال کے کھلاڑی تھے۔ فٹ بال اور سیاست میں یہ قدر مشترک ہے کہ اگر فٹ بال گول
[illegible]گرانا ممکن نہ ہو تو مخالف کھلاڑی کو گرانے کی کوشش کریں۔ مولانا صاحب میں شروع
[illegible] سیاست دان بننے والی خوبیاں موجود تھیں۔ کوچ نے ایک بار کہا کہ اگر فٹ بال نہ
[illegible]کو تو مخالف کھلاڑی کو ٹانگ مار کر گرانے کی کوشش کرو۔ اس کے بعد کہا ابھی فٹ
[illegible]تا ہے تو کھیل شروع کرتے ہیں۔ اس پر مولانا نے کہا فٹ بال کو چھوڑیں آپ کھیل
[illegible]انیں۔ سیاست میں بھی فٹ بال ایم کیو ایم والے لے گئے کیونکہ الطاف حسین
[illegible] پانی پت میں پیدا ہوئے تھے مگر ایم کیو ایم کے الطاف حسین بے حالی پانی پت کے
[illegible] میں پیدا ہوئے۔

[illegible] وقت ان کے منہ میں پان اور جماعت اسلامی ہوتی۔ دوران گفتگو بات کرتے کرتے
[illegible]ت اسلامی پر فقرہ یوں پھینکتے ہیں جیسے پان کھاتے کھاتے پیک پھینکتے ہیں۔ اب تو جماعت
[illegible] ان کے بغیر کہیں جاتے بھی نہیں۔ گلوری گلے میں یوں دباتے ہیں جیسے کلرک فائل
[illegible] منہ ایسا کہ اس میں پان نہ ہو' تب بھی لگتا ہے کہ ہے۔ ہمیں تو پان کھانے کا سلیقہ

ہی نہیں آتا۔ یوں شرم سے پان پان ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا کو اقوام متحدہ پر محبت آئے تو اسے اقوام متحدہ کہیں گے۔ پان اس قدر نفاست سے کھاتے ہیں کہ کیا مجال منہ سے پتہ چلے کہ پان کھا رہے ہیں، قمیض سے پتہ چلتا ہے۔ پانوں کے بعد ان کی دوسری مصروفیات جماعت اسلامی ہے۔ سال میں چند دنوں کے لیے وہ پاکستان کے تبلیغی دورے پر آتے ہیں۔ مذہبی رہنما انہیں سیاست دان سمجھتے ہیں اور سیاست دان انہیں مذہبی رہنما مانتے ہیں۔ ان کے والد محترم کو قائداعظمؒ نے بیرونی ملک کے دورے پر بھیجا تاکہ باہر پاکستان کی فضا بہتر بنائیں۔ اب مولانا خود دوروں پر چلے جاتے ہیں تاکہ پاکستان کی فضا بہتر رہے۔ جب تک وہ باہر رہتے ہیں، بہتر رہتی بھی ہے۔

انہیں دنیا کی ہر اہم زبان آتی ہے جو نہیں آتی اسے اہم نہیں سمجھتے۔ فرانسیسی، فارسی، اردو، انگریزی اور سواحلی اس قدر روانی سے بولتے ہیں کہ سننے والے کو بہالے جاتے ہیں۔ ویسے فرانسیسی تو ہم بھی سمجھ لیتے ہیں بشرطیکہ اردو میں بولی جائے۔ عربی پسند ہے۔ گلا تک عربی سے صاف کرتے ہیں۔ اردو تک یوں بولتے ہیں کہ ایک صاحب خربوزے بیچ رہے تھے۔ ان سے پوچھا: "آپ عدداً بیچتے ہیں یا وزناً؟" تو دکاندار نے کہا: "مولانا! میں خربوزے بیچتا ہوں۔" بڑے بدلہ سنج اور بذلہ سنج ہیں۔ بھٹو مرحوم نے ایک بار کہا: "آپ ایک شریف آدمی کی بات پر اعتبار کریں اور میری بات مان لیں۔" تو مولانا بولے: "آپ ایک شریف آدمی لے آئیں، میں اعتبار کر لوں گا۔" فرماتے ہیں: "جس سے ناراض ہوتا ہوں اسے ایک منٹ میں نکال دیتا ہوں۔ دل سے بھی اور پارٹی سے بھی۔" ان کی پارٹی اتنی ہی بڑی ہے جتنا بڑا ان کا دل ہے۔ وہ دین کو سیاست سے الگ رکھتے ہیں جیسے ذوالفقار علی بھٹو سے حزب اختلاف کی لڑائی میں وقت نماز وہ اپنی جماعت کی الگ جماعت کراتے ہیں اور سیاست میں مفتی محمود کی امامت میں لڑتے۔ ان کی جماعت ملک کی چھوٹی پارٹیوں میں سب سے بڑی پارٹی ہے، لیکن وہ پارٹیاں جو اس سے بہت بڑی ہیں، یہ ان سے تھوڑی ہی چھوٹی ہے۔ البتہ الیکشن کے دنوں میں جب دوسری پارٹیوں کے سربراہ اپنے ووٹ تلاش کر رہے ہوتے ہیں، یہ اپنے امیدوار تلاش کرتے ہیں۔ دوسری پارٹیوں کا منشور ہی ان کا مسلک ہوتا ہے۔ ان کا مسلک ہی ان کا منشور ہوتا ہے۔

ایک تاجر سے ہم نے پوچھا کہ مولانا کے سیاست میں آنے سے کیا فرق پڑا ہے؟ تو اس



نے کہا: "سرمہ نورانی اور پان نورانی زیادہ بکنے لگا ہے۔" مولانا کے مداح ان کے نام کے ساتھ اتنے القاب و آداب لگاتے ہیں جیسے ان جیسے ایک بزرگ نے رات کو ہوٹل کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کمرے کے لیے پوچھا۔ اندر سے آواز آئی: "کون؟" کہا ہم ہیں علامہ سرکار شریعت، حافظ قادری صوفی چشتی صابری ثم لاہوری تو چوکیدار نے گھبرا کر اندر ہی سے جواب دیا: "معاف کیجئے صاحبان۔ ہوٹل میں اتنے آدمیوں کے لیے جگہ نہیں۔"

سیاست میں ہم خیال جماعت سے اتحاد کرتے ہیں۔ ہم خیال سے مراد وہ جو ان کی "ہم" کا خیال رکھے۔ اسمبلی میں ان کے ارکان کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ ساتھ تقریباً لگانا پڑتا ہے۔ گول میز کانفرنس کا اتنا ذکر کرتے ہیں کہ مریدوں نے گھر کی میزیں گول کرنا شروع کر دیں۔ اگرچہ کانفرنس وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ وہ کہتے ہیں جو کرنا چاہیے اور جلوس وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ وہ کرتے ہیں جو کہنا چاہیے۔ بہرحال وہ کہتے ہیں ملک کے دو ٹکڑے اس لیے ہوئے کہ یحییٰ خان کے پاس گول میز نہ تھی، لیکن بقول پگاڑہ مولانا کے گھر میں تو میز ہی نہیں، گول میز تو دور کی بات ہے۔ موصوف کا گھر محلے میں ہے جب کہ سیاست دانوں کے ہاں تو کئی محلے ہوتے ہیں۔ پوچھو گھر سجانا ہو تو کیا کرتے ہیں؟ کہیں گے خود گھر آ جاتا ہوں۔ "خواتین" کا بے نظیر احترام کرتے ہیں۔

مولانا دو ہزار کافر مسلمان کر چکے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے ہم تو ایک کافر کو ہی قائل مسلمان بنا سکے۔ دوسری کو بنانے لگے تو پہلی نے کیس کر دیا۔ دوران گفتگو عروسی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یوں پہلو بدلتے ہیں جیسے رامے صاحب پارٹیاں بدلتے ہیں۔ گفتگو میں الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے لگتے ہیں جمعیت علمائے پاکستان کے عہدہ داران کا انتخاب کر رہے ہیں۔ مولانا الیکشن میں صرف اسے کھڑا کرتے ہیں جو کھڑا ہو تا رہا ہو۔ یعنی انہیں دیکھ کر کھڑا ہوتا رہا ہو۔ ان کے پی اے سے وقت لیے بغیر کوئی انہیں نہیں مل سکتا، بلکہ وہ اپنے پی اے سے وقت لیے بغیر خود سے بھی نہیں ملتے۔ مزاج اور مزاح برار ہو تو اچھا لگتا ہے۔ بہت اچھا ہو تو صرف اچھا لگتا ہے۔ مخصوص انداز سے بولتے ہی نہیں، چپ بھی مخصوص انداز سے ہوتے ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں، لیکن جسے معاف کرنا ہو اسے اینٹ کا جواب اینٹ ہی سے دیتے ہیں۔ ان کا مشورہ بھی کارکنوں کے لیے حکم ہوتا ہے۔ مرید تو ان کی تجویز کو بھی تعویز سمجھتے ہیں۔ اس قدر انا کہ کوئی کہہ دے کہ

آپ تو بوڑھوں کی طرح چلتے ہیں تو کہیں گے 'نہیں بوڑھے میری طرح چلتے ہیں۔

وہ جگہ جہاں ناپسندیدہ افراد کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے 'سسرال کہلاتی ہے اور موا
صاحب کی بیوی سعودی عرب کی ہیں۔ صحافیوں میں ان کی افطاری کی بریانی بہت مشہور ہے
وہ اتنی لذیذ ہوتی ہے کہ اگر مولانا سیاست نہ بھی کرتے 'تب بھی انہیں روزگار کی فکر
ہوتی۔ لوگ ان سے اپنا نکاح اور دوسرے کا جنازہ پڑھوانا بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور ا
مذہبی لوگ ہر سال یہ سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہر کام مسلمانوں کے لیے کر
ہیں۔ وہ تو پان بھی یوں کھاتے ہیں جیسے مسلمانوں کے لیے کھا رہے ہوں۔ یہی نہیں وہ تو ک
ہیں: "میں پان نہیں کھا رہا ہوتا' دراصل مسلمانوں کی امداد کر رہا ہوتا ہوں کیونکہ پا
انڈونیشیا' بنگلہ دیش اور سری لنکا سے آتا ہے اور زیادہ تر اس کا مسلمان ہی کاروبار کرتے ہیں
یوں اگر میں نے پان چھوڑ دیئے تو مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔"

مزاروں پر ہم نے کسی پیر کو جاتے نہیں دیکھا' مریدوں کو ہی دیکھا جس کی ایک وجہ
یہ ہے کہ پیر مزار کے اندر ہوتے ہیں۔ لیکن مولانا پہلے سیاست دان ہیں جن کی الیکشن کمپ
میں مردے بھی زندوں کی طرح حصہ لیتے ہیں۔ ان کے سیاست میں آنے سے پہلی
"مزار" کا لفظ سیاست میں آیا کیونکہ وہ "مزاری" سیاست دان ہیں۔



# بُلبلِ پاکستان

ارکان اسمبلی اس کا 'ادیب' سمجھ کر احترام کرتے ہیں اور ادیب شاعر اسمبلی کی ممبر سمجھ
کر سلام کرتے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں کے حوالے سے نہیں تحریریں اس کے حوالے سے
پہچانی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں عورت 'مرد کا سب سے پہلا احمقانہ مطالبہ ہے اور آج تک مرد صرف اپنے
اس مطالبے کو حق بجانب قرار دینے کی کوشش میں ہے۔ محترمہ کی تحریریں اسی مطالبے کی
حمایت میں ہیں۔ اس کے قلم کا ہر لفظ اتنا نازک ہوتا ہے کہ صنف نازک لگتا ہے' اسی لیے اس
کی تحریر پر اس کا نام نہ بھی ہو پھر بھی اسی کے نام لگتی ہے۔ "چادر' چار دیواری اور چاندنی"
کے نام سے کالم لکھتی ہے جو صرف خواتین کا نمائندہ نہیں کیونکہ بقول میرے دوست "ف
گ" ایسا ہوتا تو اس کا نام "چادر' چار دیواری' چارپائی اور چاندنی" ہوتا۔

تصویر کے علاوہ اس کے ہاں کوئی چیز پرانی نہیں ہوتی۔ ویسے بھی اس کی آج کی یا بیس
سال پہلے کی تصویر میں کوئی فرق نہیں اگر کوئی فرق ہے تو تصویر کھینچنے والوں کی عمر میں ہوگا۔
... ادھیڑ عمر اور پاس سے ہم عمر لگتی ہے۔

سب کام خاوند کی مرضی سے کرتی ہے۔ اس نے شادی بھی خاوند کی مرضی سے
... ان کا ذکر اس قدر عقیدت سے کرتی ہے کہ بندہ اللہ میاں سمجھتا ہے۔ اس کی قابل
... تخلیقات میں چارہ گر' پیاسی' لازوال' خوبصورت' اللہ میاں جی' مبشر' بشر' حسن اور عمر
... ہیں۔

... بچپن میں بھی کھیلنے کو لفظ ملے/ گھر کی فضا اس قدر ادبی تھی کہ شعروں میں ایک
... کو ڈانٹتے/ جس عمر میں اس نے کہانیاں شروع کیں یہ عمر تو ہمارے ہاں کہانیاں سننے

کی ہوتی ہے۔ اس کے افسانے اردو ادب کے سب سے مہنگے افسانے ہیں یعنی جتنے مہنگے کاغذ اور قلم سے وہ افسانہ لکھتی ہے آج تک اردو میں نہیں لکھا گیا۔ صفائی اور بناؤ سنگھار کی اس قدر شوقین کہ جب تک اپنی ہیروئن کو نئے فیشن کا لباس' عاشق اور خوشبو نہ لگا لے اسے کہانی میں نہیں لاتی۔ کہانی میں عورت کی ایسی تصویر کشی کرتی ہے کہ لگتا ہے شیشے کے سامنے بیٹھ کر لکھتی ہے۔ اس کی کہانیاں پڑھ کر بندہ متاثر ہو نہ ہو بالغ ضرور ہو جاتا ہے۔ اس کے ناولوں کے کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں' اسی لیے جب مرضی ہو آ جاتے ہیں جب دل چاہے چلے جاتے ہیں۔ تحریروں کا ماحول ایسا تر و تازہ کہ لگتا ہے ایئر کنڈیشن میں بیٹھ کر تخلیق کی گئی ہیں اس کی کہانی میں اور کچھ ہو نہ ہو وہ خود ضرور ہوتی ہے۔

گفتگو کرتی بیس سال کی لگتی ہے البتہ سنتی ہوئی اپنی ہی عمر کی لگتی ہے۔ اس کی پوری شخصیت اس کی آنکھوں میں ہے۔ وہ چپ ہو تو آنکھیں بولتی ہیں۔ وہ بول رہی ہو آنکھیں بلانے لگتی ہیں۔ چپ رہے تو حسین لگتی ہے بول اٹھے تو ذہین۔ اکیلے آدمی سے یوں گفتگو کرتی ہے جیسے اجتماع سے خطاب کر رہی ہو اور اجتماع سے یوں خطاب کرتی کہ ہر آدمی سمجھتا ہے صرف مجھ سے گفتگو کر رہی ہے۔ دنیا کے ہر موضوع پر بلکہ موضوع کے بغیر بھی بول سکتی ہے۔ لکھنے کا اس قدر شوق ہے کہ جب کچھ لکھنے کو دل نہ چاہے چیک لکھنے لگتی ہے۔

اس کا پسندیدہ مقام وہی ہے جو بقول مارکوس عورت کا اصل مقام ہے۔ اس کی تین خواہشیں ہیں جی بھر کے لکھنا' جی بھر کے بولنا اور اتنا ہی سونا اور وہ بیک وقت تینوں پوری کرنا چاہتی ہے۔

اس کا گھر اتنا بڑا ہے کہ بندہ اس میں راستہ بھول سکتا ہے۔ آج کل خواجہ بادشاہوں کی کہانیوں میں دربانی کرتے ملتے ہیں یا اس کے گھر۔ ایسی مہمان نواز کہ ملنے جاؤ خود کھانے والی چیزوں کے ساتھ آئے گی۔ اس قدر حساس ہے کہ کسی کی مصیبت سنتے وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ لگتا ہے سن نہیں رہی سنا رہی ہے/ اگر کوئی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنا دکھ سنا دے تو اس قدر غمگین ہوتی ہے کہ سنانے والے کو الٹا اسے تسلیاں دینا پڑتی ہیں/ اس نے کبھی کسی نوکر کو ملازمت سے نہیں نکالا بلکہ اکثر لگتا ہے کہ اس نے نوکر نہیں رکھا بلکہ نوکر نے اسے مالک رکھا ہوا ہے۔



مرد ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کرتا ہے یعنی بولتا ہے تو پھر سنتا نہیں مگر ... ابیں بول بھی رہی ہوتی ہیں اور سن بھی رہی ہوتی ہیں۔ محترمہ تو اپنی باتیں بڑی توجہ ... نتی ہے۔ تقریبات میں ایک منٹ بولے تو کئی گھنٹے سنائی دیتی ہے۔ وہ عورت سے ... مرد کے کردار اور نفسیات پر عبور رکھتی ہے۔ عورت کے بارے میں اس لیے زیادہ ... جانتی کہ یہ مردانہ کام ہے۔ اسے اکثر مالی پریشانیوں کا سامنا رہتا ہے۔ یعنی پریشانی ... ہے کہ اتنا مال کیسے خرچ کرے۔ صوفی شعراء سے اس قدر متاثر ہے کہ اب تو وہ بھی اس سے متاثر ہونے لگے ہیں۔

کہتی ہے عورت کو پہلا مرد اور مرد کو آخری عورت ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ مردوں کو ... توں کا مخالف سمجھتی ہے۔ ہم بھی سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس سے مراد صنف مخالف ہو۔

اسے اس قدر شعر آتے ہیں کہ دیوان لگتی ہے جو بھی شعر سناتی ہے بہت اچھا لگتا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس کا اپنا نہیں ہوتا اور دوسری وجہ یہ کہ جس کا شعر ہوتا ہے وہ ... سنانے والا نہیں ہوتا۔ وہ شاعرہ ہے جس پر وہ مبارکباد کی مستحق ہے لیکن شاعری کرتی ... جس پر وہ مزید مبارکباد کی حق دار ہے۔

# بابا جمہورا

بابا جمہورا کو میں بزرگ سیاست دان اس لیے نہیں کہتا کہ وہ خود بزرگ ہوں تو ہوں اس کی سیاست میں ابھی لڑکپن ہے۔ اس وقت سے سیاست میں ہیں جب انہوں نے ابھی ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سیاست میں نووارد ہیں۔ اتنے بڑے سیاست دان ہیں کہ اکیلے اپنی پارٹی میں پورے نہیں آسکتے۔ سو دوسری پارٹیوں سے اشتراک کرکے اپنے رہنے کی جگہ بناتے ہیں۔ کچھ لوگ انہیں اقلیتوں کا رہنما مانتے ہیں۔ ویسے ان کی پارٹی کے ممبروں کی تعداد دیکھ لیں تو آپ بھی مان جائیں گے۔

ہمارے ہاں آج کل اگر آپ اپنا شجرہ نسب اور سارا خاندانی کچا چٹھا معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی لائبریری میں جانے کی ضرورت نہیں‘ سیاست میں آجائیں۔ مخالفین خود ہی بتادیں گے کہ آپ کے دادا پڑدادا کیا کیا کرتے رہے۔ نواب زادہ صاحب نے سیاست کو عبادت بنادیا ہے‘ جس سے یہ پتہ چلے نہ چلے کہ وہ سیاست کو کیا سمجھتے ہیں‘ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت کو کیا سمجھتے ہیں۔ ان کی پوری زندگی میں ان کی پیدائش کے علاوہ کوئی غیر سیاسی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ وہ تو صبح اٹھ کر ایک سیب بھی یوں کھاتے ہیں جیسے اپنی صحت کے لیے نہیں‘ جمہوریت کی صحت کے لیے کھا رہے ہوں۔ ان کی تو چھینک تک غیر سیاسی نہیں ہوتی۔ تشدد کے اس قدر خلاف کہ سکول میں ضرب سے کنی کتراتے۔ تقسیم تو کبھی کی ہی نہیں‘ البتہ جمع ایسی کرتے کہ حساب کا ماسٹر بے حساب داد دیتا۔ ذہین اتنے کہ جس روز ماسٹر شیو بڑھائے بغیر استری کے کپڑے پہن کر کلاس روم میں آتا‘ انہیں فوراً پتہ چل جاتا کہ آج ماسٹر صاحب اردو شاعری پڑھائیں گے۔ مزاج ایسا جمہوری کہ ایچی سن کالج میں کرکٹ کھیلتے وقت فیلڈنگ کے دوران اسی گیند کو پکڑنے بھاگتے‘ جس کی طرف سب سے زیادہ کھلاڑی بھاگتے۔



[illegible] نواب زادہ کو نابالغ سیاست دان کہتے ہیں۔ ان کے بقول نواب زادہ کا مطلب [illegible] لڑکا ہوتا ہے۔ اصغر خان فرماتے ہیں نواب زادہ صاحب 80 فیصد شاعری اور [illegible] سیاست کرتے ہیں۔ انہوں نے سیاست اور اپنی شاعری کی کتاب کا نام ”جمہوریت“ [illegible] صاحب سے کہا ”دیکھیں یہ نام ٹھیک ہے یا بدل دوں؟ اس نے ان کی شاعری پڑھ [illegible] تو ٹھیک ہے‘ شاعری بدل دیں۔“

[illegible] اور نواب زادہ صاحب اس قدر لازم و ملزوم ہیں کہ دونوں کی شخصیت ٹوپی کے [illegible] نہیں ہوتی۔ مادر ملت فاطمہ جناح نے ایک بار کہا تھا: ”نواب زادہ نصر اللہ خان حقے [illegible] بھی نہیں۔“ حالانکہ ان کے پاس حقہ نہ بھی ہو‘ تب بھی لگتا ہے کہ ہے۔ حقے کی [illegible] یوں دبائے ہوتے ہیں جیسے مخالف کی گردن۔ وہ حکم عدولی برداشت کرلیتے ہیں [illegible] نہیں۔ حقہ وہ ساتھی ہے جو اس وقت بولتا ہے جب آپ چاہتے ہیں۔ مارشل لاء [illegible] میں جب کوئی نہیں بولتا‘ حقہ پھر بھی بولتا ہے۔ حقہ اجتماعیت کی علامت ہے اور [illegible] الگ الگ کرنے کی۔ وہ سیاست کا حقہ ہیں جس کے گرد کئی پارٹیاں کش لگا رہی ہیں۔ [illegible] موسیقی تازہ حقے کی آواز ہے۔ وہ حقہ نہ بھی پی رہے ہوں‘ پھر بھی دھواں [illegible] سگار بھی پیتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سگار صرف بیٹے ہی جا سکتے ہیں‘ [illegible] جانے سے تو رہے۔

[illegible] کھانے میں مچھلی پسند ہے۔ مچھلی اور سیاست دانوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ دونوں [illegible] لینے کے لیے منہ کھولتے ہیں۔ البتہ ایک مچھلی پورے جل کو گندا کر دیتی ہے مگر دو [illegible] ان مل کر بھی یہ نہیں کرسکتے‘ البتہ نہ مل کر کر سکتے ہیں۔ جمہوریت کے لیے [illegible] والوں کو جو پھل ملتا ہے‘ وہ نواب صاحب کے باغ کے آم ہوتے ہیں جو عام [illegible]۔ ہمیں تو آم میں یہی خوبی لگتی ہے کہ یہ کھایا بھی جاسکتا ہے اور پیا بھی۔ انہیں سنترہ [illegible] ہے مگر ہمیں تو یہ سنتری کا مذکر لگتا ہے۔

[illegible] نواب زادہ صاحب کئی دہائیوں سے وہی کر رہے ہیں جس کی دہائی آج دے رہے ہیں‘ [illegible] اتحاد بنانا۔ ہر حکومت کے خلاف اتحاد بناتے ہیں۔ جس حکومت کے خلاف اتحاد نہ [illegible] میں اتحاد نہیں رہتا۔ ان کا بنایا اتحاد اتنا پائیدار ہوتا ہے کہ اب تو لوگ انہیں اپنے [illegible] شادیوں پر بھی بلانے لگے ہیں تاکہ نومولود اتحاد اٹوٹ ہو۔ ان کی طبیعت خراب ہو

توڈاکٹر کہتا ہے: "تین دن تک نہار منہ اتحاد بنائیں' انشاء اللہ افاقہ ہوگا۔" ہاتھوں اور دلوا
جوڑتے رہتے ہیں۔ قوالی پسند ہے۔ شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ اس میں بہت سے لوگ ا
کرے یوں گاتے ہیں کہ کسی ایک کی آواز بھی صاف سنائی نہیں دیتی۔ قوالی بندہ فاصلے۔
سنے تو بہت مزہ آتا ہے۔ یعنی اتنے فاصلے سے جہاں تک آواز نہ آتی ہو۔

سیاست کو انہوں نے کبھی دکان نہیں سمجھا۔ ویسے بھی سیاست میں دکان تو کیا'
کان کی بھی ضرورت نہیں۔ البتہ زبان چاہیے اور ان کی زبان ایسی ہے کہ اتنی ان کے
میں نہیں رہتی' جتنی صحافیوں کے کانوں میں رہتی ہے۔ ان کی تقریر بہرے بھی
جاتے ہیں کیونکہ اتنا منہ سے نہیں' جتنا ہاتھوں سے بولتے ہیں۔ ہر سوال کا جواب'
کردیتے ہیں۔ نام تک پوچھیں تو سوچ میں پڑ جائیں گے۔ گفتگو کا ایسا انداز کہ بندہ بات
سے پہلے ہی کنونس ہو جائے۔ شاید کنونس ہونے کی وجہ بھی یہی ہو۔ ویسے ہم ایک
سیاست دان کو جانتے ہیں جو روز کنویسنگ کے لیے نکلتے ہیں۔ کئی دنوں کے بعد آخ
سے ایک خاتون کنونس ہو ہی گئیں۔ اب وہ ماشاء اللہ ان کے بچوں کی ماں ہے۔
صاحب کی تقریر کا آغاز اور انجام تقریر کو دلکش بنا دیتا ہے۔ تقریر اور بھی دلکش بن
ہے' بشرطیکہ اختتام آغاز سے پہلے کا ہو۔

وہ ان سیاست دانوں میں سے ہیں جو عوام کے نمائندہ نہیں' سیاست دانوں
نمائندہ ہوتے ہیں۔ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے سیاست دان جو کام سب.
زیادہ کرتے ہیں' وہ غور ہے۔ نواب صاحب پوزیشن بنا کر نہیں' اپوزیشن بنا کر خوش ہو.
ہیں۔ وہ پیدائشی حزب اختلاف ہیں۔ اب تو ان کی اس عادت کی وجہ سے یہ صورتحال ہے
اگر وہ کسی بات پر فوراً متفق ہو جائیں تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں کہ اللہ کرے ان کی طبیع
ٹھیک ہو۔ گھڑ سواری کرتے ہیں۔ اب بھی کرسی پر بیٹھے باتیں کرتے ہوئے دائیں ٹانگ۔
کرسی کو ایڑ لگا رہے ہوتے ہیں۔ ٹانگ اس قدر پسند ہے کہ کھانے میں مچھلی کا بھی لیگ پیس
مانگتے ہیں۔ مارک ٹوئن نے کہا ہے 'صحت مند رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ کھاؤ جو آپ
پسند نہیں' وہ پیو جو آپ نہیں چاہتے اور وہ کرو جو آپ ویسے کبھی نہ کرتے۔ اس حساب۔
انہوں نے کبھی صحت مند رہنے کی کوشش نہیں کی۔ پرانی چیزیں دیکھنا پسند ہیں' اس۔
کمرے میں شیشہ ضرور رکھتے ہیں۔ اپنی چیزیں نہیں بدلتے۔ ان کا وہ برش جس سے



وقت صابن لگاتے ہیں' اتنا پرانا ہو گیا ہے کہ اس کے آدھے بال سفید ہو چکے ہیں۔
میں مارشل لاء کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ مارشل لاء میں جمہوریت کی راہ بناتے ہیں
راہ میں ہی رہتے ہیں۔ حکومت میں کبھی نہیں رہے کیونکہ کبھی عہدہ ان سے بڑا ہوتا
بھی وہ عہدے سے بڑے نکلتے ہیں۔ مظفر گڑھ جو کبھی ان کا گڑھ تھا' اب ان کے لیے
گیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے جنازے پر نہ گئے مگر غفار خان کے جنازے پر گئے' جس
بتائی جاتی ہے کہ وہ سرحدی گاندھی غفار خان کے جنازے پر یہ یقین کرنے گئے تھے
سرحدی گاندھی غفار خان مر گئے ہیں۔

مزاج ایسا کہ سردیوں میں گرمیاں اور گرمیوں میں سردی چاہتے ہیں۔ صحافی ان کے
لینے یوں جاتے ہیں جیسے ان کی خبر لینے جا رہے ہوں۔ بھینسیں پالنے کا شوق ہے۔ سنا
بھینس پالتے ہیں' وہ اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں۔ اس قدر وضع دار کہ جس جگہ ایک
جب بھی وہاں سے گزرے' پھسل کر ہی گزرے۔ ان کی پوری زندگی سے یہی
ہے کہ سیاست بچوں کا کھیل نہیں' بوڑھوں کا ہے۔

# گنجِ گرانمایہ

وہ ادب کے گنجِ گرانمایہ میں سے ہے۔ اس کا سر اوپر سے خالی ہے حالانکہ ہمارے شعراء کا اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے پاس سنوارنے کو بال نہیں تو کیا ہوا دھونے کو تو بہت ہے۔

بات بات پر لطیفہ سناتا ہے جس دن محفل میں سنجیدہ ہو دوستوں کو اس کی صحت کی ہونے لگتی ہے۔ لطیفہ سنانے سے پہلے ہی سننے والوں کو ہنسا لے گا کہ بعد میں کیا پتہ کوئی ہنسے نہ ہنسے۔ چپ رہنا اس کے لیے مشکل ہے حالانکہ یہ تو اتنا آسان ہے کہ اس کے لیے زبان تک نہیں ہلانا پڑتی۔ امجد اسلام امجد بات کر رہا ہو تو کسی کا لحاظ نہیں کرتا جب لحاظ کر رہا ہو بات نہیں کرتا۔ برے کی بات سن لیتا ہے مگر بری بات نہیں سنتا۔ اگر بری بات سننا چاہے بولنے لگتا ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں بھی اس کے موسلا دھار بولنے کی وجہ سے استاد اسے اٹھا کر سٹیج پر بٹھا دیتا۔ اب اتنا بڑا ہو گیا ہے مگر تقریبات میں آج بھی اسے اٹھا کر سٹیج پر بٹھا دیتے ہیں اس کے بارے میں وہ لوگ بھی اچھی رائے رکھتے ہیں جو اسے ایک بار بھی نہیں ملے۔ شاید اچھی رائے کی وجہ بھی یہی ہو۔

باتوں باتوں میں خوبصورت عورتوں کو شیشے میں اتار لیتا ہے مگر خود ان کی موجودگی میں زیادہ سے زیادہ جرابیں ہی اتار سکتا ہے۔ عورتوں کو ملنے سے پہلے جہاں دوسرے بال، ناخن اور چشمے ٹھیک کر رہے ہوتے ہیں، یہ نیت ٹھیک کر رہا ہوتا ہے۔ اس نے جو چاہا وہ حاصل کیا بلکہ جو حاصل کیا وہی چاہا۔

امجد ہر کام میں اپنے بہن بھائیوں میں اول رہا وہ تو پیدا ہونے کے معاملے میں بھی اول آیا۔ اس کا گھرانہ ایسا مذہبی تھا کہ خواتین اردو شعروں سے بھی پردہ کرتیں، مگر اس



...اس کو ذریعہ عزت بنایا جسے غالب نے بھی ذریعہ اظہار ہی بنایا تھا۔ سارے کام اپنی ...ں سے کرتا ہے۔ اس نے تو شادی بھی اپنی مرضی سے کی حالانکہ ہمارے ہاں بندے ...اپنی مرضی سے شادی کرنے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب وہ اپنی اولاد کی شادی کرتا ...ہے۔ ہمارے ہاں شادی کے بعد مرد خود کو اور عورت اپنے کپڑوں کو تنگ محسوس ...ہے مگر امجد شادی شدہ ہو کر بھی گھر میں زیادہ رہتا ہے۔ جس سے یہی لگتا ہے کہ ...شادی شدہ عورتیں بہت پسند ہیں۔

پہلے لمبریٹا سکوٹر پر سوار پھرا کرتا تھا، جس پر سفر کرنا دراصل پیدل چلنے والوں کی ...ازائی کرنا ہی ہوتا تھا وہ اور اس کا جڑواں دوست عطاء الحق قاسمی جہاں کوئی بارات ...وہ اس میں شامل ہو جاتے جس سے کسی اور کو کوئی فرق پڑتا نہ پڑتا بارات کے ساتھ ...والے بھانڈوں کی آمدنی آدھی رہ جاتی۔ یہ دونوں دولہے کے پاس جا کر اسے کہتے اچھا ...اب بھی انکار کر دو، مگر امجد کی شادی ہوئی تو عطا نے کہا تھا اچھا موقع ہے چپ ...رہو۔ اگرچہ اب دونوں عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں بری بات بری لگنے لگتی ...اب بھی جہاں یہ اکٹھے ہوں وہاں لوگ اکٹھے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہ وہ باتیں ...کہ سننے والا ٹین ایجر ہو تو اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنا پڑتی ہیں۔

...بار پڑھتا نہیں دیکھتا ہے اور لوگوں کو دیکھتا نہیں پڑھتا ہے۔ ایک ہی ملاقات میں ...بے تکلف ہو جاتا ہے کہ دوسرا گھبرانے لگتا ہے کہ کہیں قرض ہی نہ مانگ لے۔ ...کی باتیں اس توجہ اور پیار سے سنتا ہے جیسے بچوں کی سن رہا ہو۔ سمجھتا بھی یہی ...پسند ہے بہت اچھی باؤلنگ کرتا ہے جو مخالف ٹیم کے لیے بہت اچھی ہوتی ...نہیں گھبراتا، بندہ اسے کنگھی کرتا دیکھ لے تو اسے اس بات کا یقین ...ہے۔

...آٹوگراف بک پر لکھتا ہے "جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے" اگر آٹوگراف لینے ...امید سے نہ ہو پھر بھی یہی لکھتا ہے۔ اس کا پسندیدہ رنگ بلیو ہے۔ یہ رنگ ہمیں ...بشرطیکہ فلم کا ہو۔

...اس وقت ختم کرتا ہے جب کھانا ختم ہو جائے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ لاہور میں ...کہاں سے ملتا ہے اور لوگ اس کے علم سے استفادہ کرتے ہیں۔ اسی لیے جب کوئی نیا

ریستوران کھلتا ہے تو وہ اسے بتا کر سمجھتے ہیں آدھے شہر کو بتا دیا۔ اسے کھلا کر بھی یہی ہیں۔ پیٹ بھر کر کھائے نہ کھائے پلیٹ بھر کر ضرور کھائے گا۔

امجد اسلام پہلے "مختصر" تخلص کرتا تھا اور جب کسی مشاعرے میں پڑھتا مختصر مختصر' آوازیں آتیں۔ اب تو وہ امجد ہو گیا ہے۔ شاعری اور ڈرامے نے اسے عزت نہیں دی' اس نے انہیں عزت دی ہے۔

اس کے اس قدر دوست ہیں کہ اسے پتا نہیں کون کون اس کا دوست ہے۔ دوستوں اس کے بارے میں بھی یہی رائے ہے۔ امجد ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہے یعنی اس میں تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو انسان کو فرشتہ بننے سے روکے ہوئے ہیں۔



# عروس العلماء

دیکھنے میں ناصح' کہنے میں ناسخ۔ غصے میں نیازی اور اگر آپ غصے میں ہوں تو جنرل [illegible] ں۔ حیات محمد خان کوثر نیازی کا پہلا ہاف میانوالی میں پیدا ہوا اور دوسرے نے لاہور میں [illegible]۔ وہ میاں والی کے میاں بن سکے نہ والی' اور لاہور تو ہے ہی لا۔ہور مگر میاں والی کے [illegible] محمد لاہور کی کوثر بن گئے۔ اداکاراؤں کے لیے حوض کوثر اور علماء کے استفادے کے [illegible] لوض کوثر۔ حیاتی' حیات محمد کی مونث و مونس رہی۔ جماعت نے کوثر کو مولانا کے پیچھے [illegible] اور مولانا کوثر نیازی بنا۔

بچپن میں حیات ایسی حرکتیں کرتا کہ دیکھنے والا کہہ اٹھتا: "واحیات۔" کلاس میں ٹیچر [illegible] پوچھتا تو یہ سب سے پہلے ہاتھ کھڑا کرتے اور جب تک فارغ ہو کر آتے' سوال کا جواب [illegible] ہو تا۔ بچپن ہی سے مذہب اور میٹھے سے لگاؤ تھا۔ ویسے اگر کوئی مولوی کہے' مجھے میٹھا [illegible] تو سمجھ لیں یہ جھوٹ ہے۔ اگر وہ سچ بول رہا ہے تو پھر یہ جھوٹ ہے کہ وہ مولوی [illegible] بننے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پڑھانے لگو۔ سو یہ سکول ٹیچر ہو گئے۔ بچپن ہی سے [illegible] شی بھاتی۔ حیات محمد کو "کوثر" رسالے نے نام دیا۔ Weekly کوثر نہ چلا مگر [illegible] کوثر چل نکلے۔ پھر "شہاب" کے بانی ایڈیٹر ہوئے مگر شہاب آؤٹ ہونے سے [illegible] پہلے ہی آؤٹ ہو جاتے۔ شہاب ایسا پرچہ تھا جس پر پرچہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس رسالے [illegible] کے لیے بڑا سمجھ دار ہونا ضروری تھا۔ جو اس معیار پورا نہ اترتا' وہ اسے پڑھ تو نہ سکتا' [illegible] لکھ سکتا تھا۔

وہ جیسے سیاست دان ہیں' ایسے ہی ادیب ہیں اور جیسے ادیب ہیں' ویسے ہی سیاست [illegible] ان لوگوں سے زیادہ عالم ہیں جو ان سے کم عالم ہیں۔ جتنا انہوں نے لکھا' ہمارے ہاں اتنا

کاتب لکھتے ہیں۔ وہ صرف کاتب ہی سے ڈرتے ہیں کیونکہ کاتب تقدیر کے بعد کاتب تحر جنس بدل سکتا ہے۔ ایک بار کاتب نے انہیں نامزد امیدوار لکھا مگر "ز" کا نقطہ نہ ہو۔ وجہ سے ان کی بڑی "نکاتی" ہوئی۔ انہوں نے تین درجن کتابیں لکھیں۔ ویسے بھی ا کتابیں اتنی بڑی بڑی ہوتی ہیں کہ آٹھ کتابوں میں ہی درجن پوری ہو جاتی ہے۔ ان کی کـ پڑھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے' خاص کر کے اس وقت جب وہ ختم ہوتی ہے۔ ذوالفقار علی لکھی ان کی کتاب "دیدہ ور" پر کسی نقاد نے کہا کہ آج ایسی کتابیں ایک سو دس روپے میر رہی ہیں' اچھے وقتوں میں اتنی قیمت میں ساتھ مصنف بھی خریدا جا سکتا تھا۔ صدیق سالک کتاب "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ اس کا نام "میر ڈھاکہ ڈبوتے دیکھا" ہونا چاہیے تھا۔ ایسے ہی مولانا کی کتاب "اور لائن کٹ گئی" کا نا چاہیے تھا: "اور لائن کاٹ دی۔" "زر گل" اور "لمحے" دو شعری مجموعے ہیں جن کے لکھا ہوتا ہے کہ یہ شعری مجموعے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو پتہ چل سکے کہ وہ کیا پڑھ رہا ادبی تقریبات کے صدور والی ان میں تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں' یعنی سوتے ہوئے خر نہیں لیتا۔ کوثر وہ شاعر ہیں جن کی وجہ سے ایک گھر میں طلاق ہو گئی۔ ایک میاں رو بیوی سے کہتے: "مجھے کوثر کا یہ شعر پسند ہے۔ وہ شعر پسند ہے۔" بیوی نے تنگ آکر کہا تمہیں کوثر اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو اسے لے آؤ۔ میں چلی۔" مولانا نے ساری عمر نثر سوانح عمری لکھنا چاہ رہے ہیں۔ مغرب میں جو رائٹر فکشن لکھنا چاہے' وہ ناول یا افسانہ ہیں۔ ہمارے ہاں اس کام کے لیے سوانح عمری لکھتے ہیں۔ ان کی صلاحیتیں دیکھ کر یہ نہیں کہ دریا کو کوزے میں سمیٹا گیا ہے۔ لگتا ہے کوزے کو دریا میں سمیٹا گیا ہے۔ کسی شاعر کـ سنائیں تو لگتا ہے' اپنا کلام سنا رہے ہیں' اور اپنا کلام سنائیں تو لگتا ہے کسی اور کا سنا رہے ہیں

بول رہے ہوں تو ایک صحافی نہیں لگتے' وہ لگتے ہیں۔ ایسے مقرر کہ لگتا ہے اکـ کے لیے مقرر ہیں۔ وہ تو شعر بھی سنائیں تو لوگ مکرر نہیں کہتے' مقرر کہتے ہیں۔ کارٹونسٹ فیکا کارٹون بناتے بناتے اس مقام پر آگیا ہے کہ یونہی لکیریں کھینچے تو کارٹون جاتا ہے بلکہ بندہ تو اس کی تصویر کھینچے تو کارٹون بن جاتا ہے۔ ایسے ہی مولانا دیکھنے میر آواز لگتے ہیں۔ چپ ہوں تب بھی سنائی دیتے ہیں۔ انہوں نے گلے کے زور پر سیاست ان سے قبل غلے کے زور پر سیاست ہوتی۔ ویسے ہم نے آج تک جس کو متاثر کیا' خامو



ر لیا اور دوسرا اس وقت تک متاثر رہا جب تک ہم خاموش رہے۔ یہ غلط ہے کہ مولانا جب بولتے ہیں تو سنتے نہیں۔ حالانکہ وہ تو بولتے ہی تب ہیں' جب سننا ہو۔ تقریر محبت کی طرح ہوتی ہے۔ اسے ہر بے وقوف شروع تو کر سکتا ہے مگر اختتام تک نہیں لے جا سکتا۔ کچھ ہی بے وقوف اختتام تک پہنچاتے ہیں۔ وہ برنارڈ شا کی طرح فی البدیہہ مقرر ہیں اور برنارڈ شا کہتا ہے' میں دنیا کے چند فی البدیہہ بولنے والے مقرروں میں سے ایک ہوں' کیونکہ میں نے فی البدیہہ بولنے کی ریہرسل کی ہوتی ہے۔ مولانا تو یہ بتانے میں آدھ گھنٹہ لگا دیں گے ا بس ایک منٹ بولوں گا۔

دوسروں کے دکھ سکھ میں ایسے شریک ہوتے ہیں کہ آپ کی شادی پر یوں شاد ہوں گے کہ نئے آنے والے کو پوچھنا پڑے گا کہ شادی کس کی ہے۔ ایسے خطیب کہ جو کہتے ہیں اس کی تصویر کھینچ کے رکھ دیتے ہیں۔ جہنم کا ذکر کر رہے ہوں تو لگتا ہے' آنکھوں دیکھا حال نشر کر رہے ہیں۔ ٹی وی پر مبلغ تین سو روپے میں مبلغ بنتے رہے۔

ہر پارٹی میں چلے جاتے ہیں' بشرطیکہ پارٹی کے منشور میں کھانا ہو۔ وہ اکیلے بھی کھا رہے ہوں تو لگتا ہے' پارٹی کھا رہی ہے۔ مغز بہت کھاتے ہیں۔ یوں ان کے پیٹ میں بھی ہے۔ ایک بار ان کو کھاتا دیکھ کر کسی نے لکھ دیا کہ یوں کھاتے ہیں' جیسے آخری بار کھا رہے ہوں تو ناراض ہو گئے۔ سو اسے یہ لکھنا پڑا کہ یوں کھاتے ہیں جیسے پہلی بار کھا رہے ہوں۔ ویسے وہ اس کی دوا بھی لیتے رہے ہیں کہ کھانا کھانے سے بھوک نہیں لگتی۔ پوچھو "کھانوں میں زیادہ کیا پسند ہے؟" تو کہیں گے: "زیادہ کھانا پسند ہے۔" کھانے والی چیزوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑتے ہیں۔ کھانے کا اس قدر شوق کہ کسی کی بات پسند آئے تو کہیں گے: "بڑی لذیذ بات ہے۔"

ـے دور کرنا چاہیں' اس کے قریب ہو جاتے ہیں۔ لوگ انہیں مولانا کوثر نیازی ہی کہتے ہیں۔ پیر پگاڑہ صاحب نے کہا ہے: "مولانا کوثر نیازی اتنے ہی مولانا ہیں' جتنے ہم پیر ہیں اور ہم اتنے ہی پیر ہیں جتنے وہ مولانا ہیں۔" وہ سیاست میں بعد میں آئے' پہلے ان میں سیاست آئی۔ ان میں اتنی انٹیلی جنس ہے' جتنی انٹیلی جنس والوں میں ہوتی ہے۔ ... کاشمیری کے بقول "بھٹو کی مردم شناسی دیکھئے' اطلاعات بہم پہنچانے والے کو ... مشیر اطلاعات بنا دیا۔"

تاریخ کا علم رکھتے ہیں۔ ہم تو تاریخ کا علم اس لیے نہیں رکھتے کہ وہ بڑی جلدی بد
ہے۔ آج دس تاریخ ہے تو کل گیارہ ہوگی۔ مولانا تاریخ ساز شخصیت ہیں۔ چاہیں تو
جھانسی کو رانی جھانسہ بنادیں۔ ذہین و "فتین" مولانا کے کلام میں بڑی "فسادت و بلوغت
ہے۔ فطرت پسند ہے۔ جی ہاں! اپنی فطرت پسند ہے۔ انہوں نے ڈبل لائف گزاری۔ ویسے
تو ہمارے ہاں اکثر لوگ ڈبل لائف ہی گزارتے ہیں۔ ایک اپنی اور ایک اپنی بیوی کی۔

فلمی سنسر بورڈ میں تھے تو کوئی سین سنسر کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے یقین کر لیے
کہ یہ سین فحش ہے اور اس وقت تک سین بار بار دیکھتے جب تک یقین نہ ہو جاتا کہ سین
ہے' لیکن اس قدر باحیا کہ اس سین کو ساتویں بار دیکھ کر بھی ان کے کان اتنے ہی سرخ
ہوتے' جتنے پہلی بار دیکھ کر ہوتے۔ ان دنوں اداکاراؤں کے ساتھ جتنی ان کی تصویریں
چھپتی' اتنی تو ان اداکاراؤں کی اپنے خاوندوں کے ساتھ نہ چھپی ہوں گی۔ تصویروں میں
اکثر اداکارائیں ان کا سانس روکے کھڑی ہوتیں۔

اسلام سے اس قدر محبت ہے کہ ہر کام اسلام کو آباد دیکھنے بلکہ اسلام آباد کو دیکھنے کے
لیے کیا۔ یہ علم کا وہ چشمہ ہیں جس میں حکمران غرارے کرتے رہے۔ غرارے انہیں بھی
پسند ہیں' بشرطیکہ پہننے والے پسند کے ہوں۔ مہمان اچھے ہیں اور اچھا مہمان وہ ہوتا ہے جو
میزبان سے کہے کہ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ بھٹو دور میں ڈاکٹر نے میٹھے سے منع کیا تو خوشی
کے موقع پر یہ کہنے کی بجائے کہ منہ میٹھا کرواؤ' کہا کرتے: "منہ کڑوا کرواؤ۔"

بغیر سوچے سمجھے بات نہیں کرتے۔ کیونکہ بغیر سوچے سمجھے بات کرنے سے بعد میں
پریشانی ہوتی ہے' حالانکہ سوچ سمجھ کر بات کرنے سے پہلے پریشانی ہوتی ہے۔ زندگی میں
پہلی بار جو کتاب لائبریری سے پڑھی' وہ سکھوں کے گرونانک کے بارے میں تھی۔ اس سے
بہت متاثر ہیں مگر جب تک غصے میں نہ ہوں' اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے۔ ان کی ذاتی لائبریری
اتنی بڑی ہے کہ وہاں کتاب ڈھونڈنے میں اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی پورے لاہور سے
ڈھونڈنے میں لگتی ہے۔ کہتے ہیں' میں صرف معیاری کتابیں پڑھتا ہوں۔ ٹھیک کہتے ہیں ہم
نے کبھی انہیں اپنی لکھی ہوئی کتابیں پڑھتے نہیں دیکھا۔ 1970ء میں جیل ہی میں قومی اسمبلی
کے ممبر چنے گئے تو کسی سے کہا: "دیکھا! حالانکہ میں بند تھا اور لوگوں سے مل نہ سکتا تھا۔
سننے والے نے کہا: "اسی لیے تو جیت گئے۔"



...ہاں طفیل محمد کے طفیل پتہ چلا کہ جب کوثر نیازی جماعت اسلامی میں تھے تو ایوب
... کے ساتھ تھے۔ جب ایوب خان کے پاس تھے تو بھٹو کے ساتھ تھے اور جب بھٹو کے
... تھے تو پتہ نہیں' اندر سے کس کے ساتھ تھے۔ بہر حال مولانا وہ شخص ہیں جو ان پر پہلی
... یقین کر رہا ہوتا ہے' وہ بھی دراصل آخری بار کر رہا ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم
... ہیں' مولانا کوثر نیازی نے کسی سے بے وفائی نہیں کی ہے۔ انہوں نے صرف ایک شخص
... وفائی کی ہے اور اس کا نام ہے: "مولانا کوثر نیازی۔"

# وزیر جنگ

اطہر مسعود صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جن سے پہلی ملاقات میں ہی آپ کو محبت ہو جاتی ہے جسے کم کرنے کے لیے ان سے کئی بار ملنا پڑتا ہے۔ ایسی شکل و صورت والے بندے کا سکینڈل نہ ہونا اس کے لیے بڑی رسوائی کی بات ہے۔ وہ صحافی ہیں اور صحافی سے تو بندہ شرط بھی یہ لگاتا ہے کہ اگر میں ہار گیا تو تمہیں سات دن تک کھانا کھلاؤں گا اور اگر تم ہار گئے تو تم سات دن تک اپنے گھر سے کھانا کھاؤ گے لیکن روزنامہ جنگ کے ایگزیکٹو ایڈیٹر اطہر مسعود صاحب جس گھرانے سے ہیں، وہاں کا ماحول اتنا ادبی و علمی تھا کہ بچے کا بڑے ہو کر صحافی بننے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بچپن میں ہر کسی میں بڑی بڑی خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ بڑا نہ ہو جائے۔ ویسے آج کل اگر کوئی بچہ بات بات پر لڑے، دوسرے کو گالی اور الزام دے، مائیک دیکھتے ہی اسے چھیننے کو دوڑے تو محلے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر ضرور ایم پی اے یا ایم این اے بنے گا۔ اطہر صاحب بچپن میں اتنے تیز تھے کہ ایک دفعہ سیڑھی کے اوپر والے ڈنڈے پر کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھ سے چونی گر پڑی۔ جب یہ نیچے اترے تو چونی ان کے سر پر آ گری۔ ان کے والد چاہتے تھے ملک کی تعمیر میں حصہ لیں، شاید اسی لیے وہ انہیں انجینئر بنانا چاہتے تھے کیونکہ آج کل انجینئر ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تعمیر میں حصہ لے رہے ہیں۔ ٹیچر انہیں اکثر کلاس سے نکال دیتا کہ تم جاؤ، تمہیں تو پہلے ہی سب آتا ہے۔ انہوں نے روزنامہ جنگ میں دس سالوں میں پندرہ سال کام کیا۔

ان کے اتنا بڑا جرنلسٹ بننے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ایم اے جرنلزم نہیں ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں جرنلزم میں ان کی عزت بڑے بھائی اظہر سہیل کی وجہ سے ہے۔ ان کا تو پتہ



محلے میں ہماری عزت اپنے چھوٹے بھائی کی وجہ سے ہے۔ محلے والے اس کی حرکتوں سے اتنا تنگ ہیں کہ اب ہمیں اچھا سمجھنے لگے ہیں۔ اخبار کے لیے اطہر صاحب نے جو سب سے پہلی تحریر لکھی، وہ استعفیٰ تھا جو انہوں نے "چٹان" کے لیے لکھا۔ ان دنوں کسی سے "چٹان" کا مطلب پوچھا جاتا تو جواب ملتا "شورش کاشمیری۔" اطہر مسعود صاحب نے شورش مرحوم سے یہ سیکھا کہ کیا نہیں لکھنا چاہیے۔ کیا لکھنا چاہیے، یہ قمر اجنالوی صاحب سے۔ اجنالوی صاحب اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ اگر کوئی غلطی کرتا تو اسے اپنا پورا ناول سنواتے۔ اطہر صاحب نے رپورٹنگ مصر اور اسرائیل کی جنگ کی خبریں سن کر شروع کی اور آج وہ جس مقام پر ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگوں کے کتنے دوررس نتائج نکلتے ہیں۔ وہ امن پسند نہیں "جنگ پسند" ہیں۔ انہیں جنگ اچھی نہیں لگتی، جنگ اچھا لگتا ہے۔ اپنی ترقی پر وہ جامے بلکہ پاجامے میں پھولے نہیں سماتے۔ ہم نے ایک دوست سے ان کے لباس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "پہن لیتے ہیں۔" ویسے موسم کے حساب سے لباس پہنتے ہیں یعنی گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد۔ گرمیوں میں تھری پیس سوٹ انہیں ٹھنڈا کرتا ہے۔ مصطفیٰ کھر صاحب کو تو اس موسم میں ہم نے فور پیس میں دیکھا ہے۔ جی ہاں گرمیوں میں وہ ملبوس ہوتے اور ایک پیس ساتھ ہوتا۔ اطہر صاحب کا لباس صحافیانہ نہیں ہمارے ایک جاننے والے درزی نے بتایا کہ صحافی سوٹ وہ ہوتا ہے جس میں جیب نہیں ہوتی، وہ اس لیے کہ انہوں نے کونسا اپنی جیب میں کبھی ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔

اطہر مسعود صاحب کا مشغلہ گلے کے لیے ٹائیاں جمع کرنا ہے۔ پرانی ٹائیوں کو یہ کہہ کر کو دے دیتے ہیں کہ یہ مجھے تنگ ہو گئی ہے۔ انہیں آٹھ دس ہزار شعر یاد ہیں مگر دیکھیے کہ کسی اکیلے بندے کو دیکھ کر "شعر کوبی" کے لیے نہیں بڑھتے۔ ایسی میٹھی بات کہ روز ملنے پر ذیابیطس ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ طبیعت ایسی ہے جیسی ہماری ہے اور طبیعت ایسی ہے کہ نیلی چھتری والے سے اس لیے "نیلی" نہیں مانگتے کہ پھر اس کے پاس "چھتری" ہی رہ جائے گی۔ شروع میں جس کے ساتھ زیادتی کرتے، بعد میں اس سے معافی مانگ لیتے۔ سو جس کی بے عزتی کرتے، رج کے کرتے اس لیے کہ بعد میں معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سارا دن پچھلے دن کی معافیاں مانگتے رہتے۔ نئی بے عزتی کا وقت ہی نہ ملتا۔ تب سے غصے میں آ کر انہوں نے دوسروں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا

ہے۔اب جسے بے عزت کرنا ہو' اس کی زیادہ عزت کرنے لگتے ہیں۔ ریسلنگ دیکھنے کا
ہے' اس کے لیے اکثر ٹی وی پر کشتیاں دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی اسمبلی میں بھی چلے جاتے ہیں
ان لوگوں سے زیادہ اچھے ہیں جو ان سے کم اچھے ہیں۔ لکھنے والے صحافی نہیں' پڑھنے وا
صحافی ہیں۔ڈائجسٹ تو منٹوں میں ڈائجسٹ کر جاتے ہیں۔

سرخی لگانے کے فن میں ماہر ہیں۔ اس کے انہیں کئی طریقے آتے ہیں۔ ہمیں تو
ایک ہی طریقہ آتا ہے' وہ ہے سرخی ہونٹوں پر مل لی جائے۔ دفتر آ کر سٹاف سے یوں
سے ملتے ہیں کہ ان کو شک ہونے لگتا ہے کہ کہیں اطہر صاحب کو نوکری سے نکال تو نہیں
گیا۔ زمانہ بدلا' پہلے بلی راستہ کاٹ جاتی تو لوگ پلٹ آتے۔ اب ٹی اینڈ ٹی والے راستہ کا
جائیں تو لوگ واپس پلٹ آتے ہیں۔ بڑے لوگوں کو مرنے کے بعد عزت ملتی ہے' اس
جسے مرنے سے پہلے عزت مل جائے' اس کا بڑا ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ ہمارے ادیب شا
تو عزت حاصل کرنے کے لیے یہ تک کرنے کے لیے تیار ہیں کہ کچھ دنوں کے لیے مر
ہی دیکھ لیں۔ بہر حال حکومت نے اطہر مسعود صاحب کو زندگی میں ہی عزت دی اور تم
برائے حسن کارکردگی دیا۔ اللہ نے انہیں پہلے ہی تمغہ حسن برائے کارکردگی دے رکھا ہے
اطہر مسعود ان صحافیوں میں سے ہیں جن کے لیے عزت کا باعث یہ ہے کہ حکومت
لوگوں نے انہیں پہچانا جبکہ ہمارے بیشتر صحافیوں کی عزت اسی وجہ سے ہے کہ لوگوں
ابھی تک انہیں پہچانا نہیں۔



# اصغر اعظم

یہ وہ زمانہ تھا جب جموں اور سری نگر میں تعلیمی سہولتیں اتنی تھیں کہ ایک طالب علم
کہا: "میں اس وقت چوتھی جماعت میں تھا جب میں نے پہلی مرتبہ سکول ٹیچر دیکھا۔" ان
دنوں وہاں ایک ہیڈ ماسٹر اپنی کلاس کے بچوں کو تقریر کرنا سکھا رہا تھا۔ ہر بچے کو بتاتا کس
سے بولنا ہے۔ ایک بچہ آیا تو ہیڈ ماسٹر نے کہا: "تم صرف یہ سیکھو کہ چپ کیسے ہونا ہے؟" یہ
بڑا ہو کر پاک فضائیہ کا پہلا اور دنیا کا سب سے کم عمر کمانڈر انچیف بنا۔ پوری قوم نے اسے
ماہین" کہا مگر حنیف رامے نہ کہتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو بولے: "میں جب انہیں
ماہین" کہہ کر بلاؤں' لوگ سمجھتے ہیں میں اپنی پہلی بیوی کو بلا رہا ہوں۔"

دیکھنے میں اپنے بیٹے اصغر عمر خان پر گئے ہیں۔ بچپن ہی سے ان میں سیاست دانوں والی
صلاحیتیں موجود تھیں۔ اگر کلاس میں کامیاب نہ ہوتے تو گھر والوں کو یہ نہ کہتے کہ میں ناکام ہوا
کہتے دھاندلی ہوئی ہے۔ والد اس قدر سخت تھے کہ انہیں لگتا' میں گھر میں نہیں' سکول میں
رہا ہوں۔ آدمی انہیں الٹا ہو کر دیکھے تو سیدھے سادے آدمی ہیں۔ وطن کا دفاع کر کر کے
حال ہو گیا ہے کہ دوران گفتگو بھی دفاعی پوزیشن میں رہتے ہیں۔ کسی سے پانچ روپے بھی
وصول کرنے ہوں تو ضرور کریں گے' چاہے وصول کرنے میں سو روپے لگ جائیں۔ اس قدر
ہیں کہ اگر انہوں نے آپ کو نیند کی گولی کھلانا ہو تو وقت پر کھلائیں گے' چاہے اس کے لیے
انہیں آپ کو سوتے میں اٹھانا پڑے۔ جو غلطی ایک بار کی' پھر اسے کبھی نہیں دہرایا۔ ہمیشہ نئی
کی۔ عمر اور ارادہ پختہ' البتہ عمر کا پوچھو تو عمر اصغر خان کا بتانے لگتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارے
سیاست کا یہ حال ہے کہ لیڈر عوام کے حال کے بجائے ان کے ماضی کو ہی بہتر بناتے ہیں۔ وہ
یہ کہ عوام کا وہ حال کرتے ہیں کہ اسے ماضی بہتر لگنے لگتا ہے۔

اصغر خان کہتے ہیں: "سیاست میں میرا آنا ایک حادثہ ہے۔" سیاست کو یہ حا 1968ء میں پیش آیا۔ بھٹو صاحب نے کہا تھا: "ایوبی دور میں میری نظر بندی نے شخصیتوں کو لیڈر بنایا' ایک بیگم نصرت بھٹو تھی اور دوسرے بے غم اصغر۔" خان صاحب۔ سکول میں اتنی بار اے بی سی ختم نہ کی ہو گی جتنی سیاسی اتحاد بنا بنا کر کی۔ مثلاً جے پی' ٹی آئی' این اے' ایم آر ڈی اور پی ڈی اے وغیرہ وغیرہ۔ وہ فاتح سیاست ہیں۔ اندرون ملک ان کا دو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کے دورے کا سنتے ہی حکومت ایمبولینس روانہ کر دیتی ہے۔

جب فوج میں تھے تو ہمیشہ خطرناک کام سب سے پہلے خود کرتے' پھر جونیئرز کو اس کی اجازت دیتے۔ یہاں تک کہ شادی بھی پہلے خود کی۔ ہوائی اور ہوائی جہاز اڑانے کے ماہر ہیں۔ کہتے ہیں جب میں ایئر مارشل تھا تو کبھی کسی نے یہ شکایت نہ کی کہ چھلانگ لگاتے ہوئے اس کا پیرا شوٹ نہیں کھلا۔ پی آئی اے میں آئے تو اسے اتنا آرگنائز کیا کہ ہر کام کے لیے الگ سٹاف رکھا۔ یہاں تک کہ مسافروں کی خدمات کرنے کے لیے الگ عملہ ہوتا اور نہ کرنے کے لیے الگ۔ خان صاحب آج کل بھی Plan کو Plane سمجھتے ہیں۔ ڈرائیور ایسے کہ ان کی گاڑی کے آگے آنے والے کو اتنا خطرہ نہیں ہوتا جتنا پیچھے آنے والے کو۔

عمر اصغر خان دراصل کم عمر اصغر خان ہیں۔ اس لیے معمر اصغر خان صرف نو عمر اصغر خان کے مشورے پر ہی عمل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں میری پارٹی اکیلی ہی پی پی کو ہرا سکتی ہے اور 1990ء میں انہوں نے اکیلے پی پی سے اتحاد کر کے اسے ہرا کے دکھا دیا۔ واحد سیاست دان ہیں جو مقابلہ میں بھی کھڑے ہوں تو ہار جائیں۔ جتنی محنت سے وہ ہارتے ہیں' اس سے کم محنت پر بندہ جیت سکتا ہے۔ ان کا حلقہ انتخاب ہمیشہ ہلکا انتخاب رہا۔ ہر الیکشن پر وعدہ کرتے ہیں کہ الیکشن کے بعد اس حلقے کو بدل کر رکھ دیں گے۔ واقعی الیکشن کے بعد اس حلقے کو بدل کر کسی اور جگہ سے الیکشن لڑتے ہیں۔ صرف چار بار الیکشن ہارے۔ جس کی ایک وجہ تو یہ رہی کہ وہ صرف چار بار ہی الیکشن کے لیے کھڑے ہوئے۔ ہار تو انہیں اس قدر پسند ہے کہ کوئی کسی اور کے لیے لایا ہو تو بھی وہ اپنی گردن آگے کر دیتے ہیں۔ بقول پیر پگاڑہ "انہیں ہمیشہ کرسی ملی مگر اپنے گھر کے لاؤنج میں۔" یہ وہ ہوا باز ہیں جنہوں نے تمام حادثے ہائی وے پر کیے۔ وہ بھی یوں کہ لوگ ہائی وے کی بجائے "ہائے وے" کہہ اٹھے۔ وہ اسی سیاسی پارٹی کے سربراہ ہیں جسے ووٹ لینے کے لیے ہی کمپین نہیں چلانا پڑتی۔ امیدوار لینے کے لیے بھی یہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔



ونسٹن چرچل نے کہا تھا: "سیاست اور جنگ دونوں ایک جیسی خطرناک ہوتی ہیں' البتہ جنگ میں آپ صرف ایک بار مارے جاتے ہیں لیکن سیاست میں بار بار۔" اور اگر سیاست دان خان صاحب جیسا ہو تو ہر بار۔ اگرچہ ان کا دبدبہ اب دب دبا گیا ہے مگر پھر بھی ہر بات پر کہتے ہیں: "میری نہ مانی گئی تو اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔" اور بقول شفیق الرحمان یہ کون سا مشکل کام ہے۔ اس کے لیے صرف دو اینٹیں ہی تو چاہیے ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں: "ہم ملک میں امن و امان قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس نے ہمیں روکنے کی کوشش کی' ہم اسے کچل دیں گے۔" لوگ کہتے ہیں: "اصغر خان صاحب تاریخ کو دہراتے ہیں مگر اس سے سبق نہیں سیکھتے۔" حالانکہ وہ تو اس مقام پر ہیں کہ تاریخ کو خود ان سے سبق سیکھنا چاہیے۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب محبت سے خان صاحب کو ایسے نام سے پکارتے جس سے بھٹو صاحب کی خان صاحب سے اتنی محبت ظاہر نہیں ہوتی' جتنی سبزیوں سے۔ ویسے تو محبت اور روزنامہ "جنگ" میں سب جائز ہوتا ہے۔

اصغر خان صاحب دوسروں کی خامیوں کی اس قدر دلجمعی سے اصلاح کرتے ہیں کہ بعد میں پتہ چلتا ہے' موصوف ساتھ خوبیوں کی بھی اصلاح کر گئے ہیں۔ کہتے ہیں: "ہر مصیبت کا سامنا مسکرا کر کرتا ہوں۔" یہ بات انہوں نے بیگم مہناز رفیع کے سامنے کہی۔ انہیں اپنی پارٹی کے ہر کارکن کا نام آتا ہے' لیکن اس کی وجہ ان کا حافظہ نہیں' کارکنوں کی تعداد ہے۔ خان صاحب میں اس قدر استقلال ہے کہ آج بھی وہیں ہیں' جہاں بیس سال پہلے تھے۔ انہوں نے تحریک استقلال کو یوں چلایا جیسے کوئی ہیڈ ماسٹر کمیٹی کا سکول چلاتا ہے۔

ایک بار انہوں نے تقریر میں اپنی زندگی کی کہانی ان لفظوں میں سمیٹی: "میں وطن کا سپاہی تھا' وطن کا سپاہی ہوں اور وطن کا سپاہی رہوں گا۔" تو پیچھے سے آواز آئی: "ترقی نہ ہوئی۔" اس کے باوجود وہ جس امیدوار کو چاہیں' الیکشن میں جتوا سکتے ہیں۔ انہیں بس اتنا ہی کرنا ہوتا ہے کہ اس امیدوار کے خلاف خود کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ویسے ایک تجزیہ نگار کے خیال میں وہ خود بھی الیکشن جیت سکتے ہیں۔ بس انہیں یہ کرنا ہو گا کہ وہ اس حلقے سے الیکشن لڑیں جہاں سے اصغر خان الیکشن لڑ رہا ہو۔

# مولانا دستار نیازی

1936ء میں پنجاب یونیورسٹی ہال میں ایک جلسہ ہو رہا تھا: "جناح کو معزول کیا جائے۔" ہال سے پاٹ دار آواز ابھری اور سب آوازوں پر چھا گئی: "بد بختو! ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔" یہ آواز آج بھی ہماری سیاست میں اتنی ہی بلند ہے۔ کم از کم "بد بختو" تو آج بھی اتنے ہی زور سے کہتی ہے۔ اسے آج ہم مولانا دستار نیازی کے نام سے پہچانتے ہیں۔ ان کو دور سے دیکھو تو جو چیز سب سے پہلے نظر آتی ہے' وہ ان کی دستار ہی ہے۔ جس کا طرہ جیسے ان کے سر پر پچاس برسوں سے کھڑا ہے۔ ایسے تو ہماری سیاست میں کوئی لیڈر پچاس ماہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ مولانا جب نوجوان تھے تو 9جون تھے۔ اب ان کا بڑھاپا جوانی پہ ہے مگر آج بھی ایسا دبدبہ کہ کوئی کہے کہ میں نے انہیں دبایا ہے تو یقین کر لیں' اس نے ان کی ٹانگوں کو دبایا ہوگا۔ سیاست میں کبھی ڈنڈی نہیں ماری' ہمیشہ ڈنڈا مارا۔ وہ داڑھی' آنکھیں' ڈنڈا اور سینہ نکال کر چلتے ہیں اور کسی کی نہیں چلنے دیتے۔ ان کے سامنے اگر کسی کی چل رہی ہوتی ہے تو وہ سانس ہی ہوتی ہے۔ غصے میں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے تصویر میں دکھتے ہیں۔ بغیر داڑھی اور غصے کے ہم نے انہیں نہیں دیکھا۔

میاں والی کے میاں ہیں۔ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جہاں بندہ ایک رات بسر کر لے تو یہی سمجھتا ہے رات مسجد میں ٹھہرا تھا۔ وہ تو تب بھی مولانا تھے' جب ابھی ان کی داڑھی نہ تھی۔ مولویوں کی طرح سوچتے مگر کہتے نیازیوں کی طرح ہیں۔ یعنی زبان سے سوچتے اور ہاتھ سے کہتے ہیں۔ بچپن میں سکول میں مانیٹر تھے اور ساری کلاس کے لڑکوں کو نماز پڑھانے لے کر جاتے اور خود ڈنڈا پکڑ کر انہیں دیکھتے رہتے کہ کوئی آدھی نماز پڑھ کر تو نہیں کھسک رہا۔ کلاس نہ رہی مگر وہ ہمیشہ مانیٹر رہے۔ آج بھی گفتگو میں ان کے پاس جو سب سے وزنی دلیل



ہوتی ہے' وہ ان کے دائیں ہاتھ نے تھامی ہوتی ہے۔ دوسرے سے جس لہجے میں بات کرتے ہیں' اس سے پتہ چلے نہ چلے کہ وہ دوسرے کو کیا سمجھتے ہیں' یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ دوسروں کو بہرہ سمجھتے ہیں۔ ایک بندے سے بھی بات کر رہے ہوں تو لگتا ہے عالم اسلام سے مخاطب ہیں۔

وہ واحد سیاست دان ہیں جو ابھی تک واحد ہیں۔ ان سے پوچھو: "حضرت ذرا عمر بتائیں۔" تو حضرت عمر کا بتانے لگیں گے۔ ویسے بھی ابھی ان کی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو ان کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ آج تک جتنی دعائیں مولانا کی شادی کے لیے مانگی گئی ہیں' شاید ہی کسی اور کے لیے کی گئی ہوں۔ مسجدوں' عید گاہوں اور گھروں میں ہر زبان پر یہی خواہش ہوتی ہے۔ یہی نہیں ہر پاکستانی حکومت یہی وعدہ کر کے برسر اقتدار آتی ہے کیونکہ مولانا نے اعلان کیا ہے کہ اس وقت تک شادی نہ کروں گا' جب تک ملک میں مکمل اسلامی نظام کا نفاذ نہ ہو جائے۔ اس سے قبل اداکارہ شمیم آراء نے اعلان کیا تھا کہ میں اس سے شادی کروں گی جو کشمیر فتح کرے گا۔ جس سے ہمیں ابھی تک کشمیر فتح نہ کرنے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ ہو سکتا ہے پاکستان کی ہر برسر اقتدار حکومت دراصل مولانا کی شادی میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اسلام نافذ نہ کرتی ہو۔ مولانا عورت کی حکمرانی کے حق میں نہیں' اگر ہوتے تو شادی شدہ ہوتے۔ فرماتے ہیں "میری بیوی نہیں' اس لیے سارا وقت سیاست کو دیتا ہوں۔" فخر امام صاحب کہتے ہیں: "میری بیوی ہے' اس لیے سارا وقت سیاست کو دیتا ہوں۔" مولانا نے سیاست کو بیوی کا وقت ہی نہیں' مقام بھی دیا ہے۔

فرانس کے مثالی سیاست دان رابرٹ شوماں عمر بھر کنوارے رہے۔ ایک صحافی نے وجہ پوچھی تو بولے: "میں ساری عمر مثالی بیوی کی تلاش میں رہا۔" صحافی نے پوچھا: "وہ ملی؟" کہا: "ہاں ملی' مگر وہ خود مثالی خاوند کی تلاش میں تھی۔" کنوارہ بندہ وہ ہوتا ہے جسے پتہ ہوتا ہے کہ اس کے مہینے کی تنخواہ کہاں جاتی ہے۔ مولانا کا یہ مسئلہ بھی نہیں۔ انہوں نے تن کو جن آلائشوں سے پاک رکھا' ان میں تن۔خواہ بھی ہے۔ اگرچہ امارت ایسی چیز ہے جسے ہم خود بڑی مشکل سے برداشت کرتے ہیں۔ جی ہاں۔ دوسرے کی امارت۔ ویسے بھی غریب ایسی چیز ہے جس پر تمام سیاست دان فخر کرتے ہیں اور اس وقت تک فخر کرتے ہیں جب تک وہ خود غریب نہیں ہوتے۔ مگر مولانا دولت کو ہاتھ کا میل سمجھتے ہیں

اور انہیں میلے ہاتھ پسند نہیں۔

سنا ہے دنیا میں سب احمق نہیں ہوتے' کچھ کنوارے بھی ہوتے ہیں! مولانا تو ملت ہیں۔ سنا ہے مولانا دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ ویسے ہمارا خیال ہے بیوی سے ڈر ہیں۔ اگر نہ ڈرتے ہوتے تو شادی شدہ ہوتے۔ ایک صحافی نے کہا: "آپ ہمارے دادا کی ہیں۔ اب شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" کہا: "اسی لیے نہیں کرتا کہ دادی سے شادی کرتا کو اچھا لگتا ہے۔"

مولانا نوجوانی میں منہ پر اختلاف کرتے اور کبھی کبھی اختلاف اتنا گہرا ہوتا کہ ڈاکٹر اس کی گہرائی کم کرنے کے لیے پٹی کرنا پڑتی۔ ویسے تو اب بھی وہ اس عمر میں ہیں جس میں ہمارے ہاں بات سننے کے لیے آلہ سماعت اور سنانے کے لیے ڈنڈا استعمال ہوتا ہے۔ انہیں لٹھ اور لٹھا پسند ہے۔ 1955ء میں گورنر جنرل غلام محمد کو چڑیوں کا مغز کھلانے کے لیے لکھنؤ سے جو پچانوے سالہ حکیم آئے' ان کے ساتھ جوان بیوی تھی جس کی گود میں بچی تھی جسے حکیم صاحب اپنے نسخوں کے تیر بہدف ہونے کے ثبوت کے طور پر ساتھ ساتھ رکھتے۔ مولانا اسی مقصد کے لیے ڈنڈا ساتھ ساتھ رکھتے ہیں۔ وہ تو پریس کانفرنس میں بھی یوں آتے ہیں جیسے سکول ماسٹر ڈنڈا لے کر کلاس میں آتا ہے۔

مولانا نیازی جوانی میں بیک وقت تین آدمیوں سے کشتی لڑ سکتے تھے۔ ویسے تو نیازی ایسے ہوتے ہیں کہ جنرل نیازی اس بڑھاپے میں بھی بیک وقت تین آدمیوں سے کشتی ہار سکتے ہیں۔ مولانا ایسی بڑی شخصیت ہیں کہ کھانے کی میز پر موجود ہوں تو ان کے لیے واحد حاضر کی بجائے جمع حاضر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ لوگوں کا سر بھاری ہو تو اسپرین کھاتے ہیں۔ ان کا سر بھاری ہو تو غصہ کھاتے ہیں۔ ہر کام اسلام کے لیے کرتے ہیں۔ وہ تو ناشتہ بھی اپنے لیے نہیں' اسلام کے لیے کرتے ہیں۔ جو بات صحیح سمجھتے ہیں' کہہ دیتے ہیں اور جو بات کہہ دیتے ہیں' اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ درست بات یوں کرتے ہیں کہ درشت بات لگتی ہے۔ جانتے ہیں سچ کڑوا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی جو بات دوسروں کو جتنی کڑوی لگے' سمجھتے ہیں اتنی سچی ہے۔ کوئی کام آرام سے نہیں کرتے۔ وہ تو آرام سے آرام بھی نہیں کرتے۔ ہم نے آج تک انہیں تھکا ہوا نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو کبھی وہ تھکے تھکے لگیں تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ آپ خود تھکے ہوئے ہیں۔



طبیعت ایسی جلالی کہ دعا بھی یوں مانگتے ہیں جیسے سود خور پٹھان قرض۔ ہر مسئلے پر سب سے پہلے ڈٹ جاتے ہیں۔ اکثر تو مسئلے سے پہلے ہی ڈٹ جاتے ہیں۔ نماز کے اس قدر پابند کہ وہ تو ہم عصر بھی اسے مانتے ہیں' جس کے ساتھ عصر پڑھی ہو۔ عورتوں کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ خواتین کو دیکھ کر ہم بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں' بس راستہ دیکھنے کے لیے ایک آنکھ کھلی رکھتے ہیں۔

سیاست میں جوشیلے نوجوان کے طور پر داخل ہوئے۔ آج تک اپنی کسی بات سے نہیں ہٹے۔ یہاں تک کہ آج بھی اتنے ہی جوشیلے اور نوجوان ہیں۔ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں تھے تو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن تھے۔ جے یو پی کے جنرل سیکرٹری تھے تو سیکرٹری کم اور جنرل زیادہ تھے۔ تحریک ختم نبوت میں تو انہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ جب موت کی سزا ملی تو لگا جیسے موت کو سزا ملی۔

مولانا اسلام پورہ میں رہتے ہیں مگر انہیں اسلام پورا پسند ہے۔ اپنی پہلی بات کو آخری بات سمجھتے ہیں۔ اگر آپ نہ مانیں تو ہو سکتا ہے یہ آپ کی بھی آخری بات ہی ہو۔ گدھے گھوڑے کو ایک ہی ڈانگ سے ہانکتے ہیں جس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ میرے پاس صرف ایک ہی ڈانگ ہے۔ ان کی آواز آج بھی اتنی ہی بلند ہے جتنی 1936ء میں تھی' مگر ہمارے سیاستدان سرگوشیاں سننے کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ اب انہیں بلند آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ مولانا کی شخصیت کو اگر ایک لفظ میں لکھا جائے تو وہی ہے جس عنوان سے ان کی آپ بیتی چھپی ہے۔ وہ ہے "میں"...... ان کی شخصیت "میں" کے گرد گھومتی ہے۔ وہ بات "میں" سے شروع کرتے ہیں۔ بات ختم ہو جاتی ہے' مگر "میں" ختم نہیں ہوتی۔

# ادب کی پھولن دیوی

بیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں لاہور شہر میں ایک انٹر کالجیٹ مشاعرہ ہو رہا تھا ہال میں سر ہی سر تھے اور جب سر بڑھ جائیں تو دماغ کم ہو جاتے ہیں۔ یوں شعر سے زیادہ شور سنائی دے رہا تھا۔ اس مشاعرے میں جب ایک لڑکی نے یہ اعلان کیا کہ میں عورت ہونے کے ناطے حوصلہ افزائی کا انعام نہیں لوں گی اور لڑکے لڑکیوں سے برابر کی سطح پر مقابلہ کروں گی تو ہال میں شور بڑھ گیا۔

آج کچھ لوگ اسے ادب کی پھولن دیوی کہتے ہیں، اسی لیے وہ جس تقریب میں جاتی ہے اسے لوٹ لیتی ہے۔ مشاعرے لوٹتے تو اسے میں نے خود دیکھا ہے لہجہ ایسا کہ خداحافظ بھی یوں کہتی ہے جیسے جانے کا حکم دے رہی ہو۔ صاف گو اتنی جتنی ایک عورت زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

انتظار حسین کہتا ہے اس کے آنے سے غزل میں سوکن کا ذکر ہونے لگا ہے حالانکہ ان کے لہجے سے لگتا ہے وہ سوکن کا نہیں رقیب کا ذکر کر رہی ہے۔ مرد عورت سمجھ کر اس کے مقابلے سے ڈرتے ہیں اور عورتیں مرد سمجھ کر اس کے سامنے نہیں آتیں بلکہ بعض شاعر اپنی بیویوں کو اس سے پردہ کراتے ہیں کچھ تو خود بھی پردہ کرنے لگے ہیں۔ کہتی ہے عورت حیا اس وقت ختم ہوتی ہے جب مرد بے حیا ہو جائے۔ اسی لیے مردوں کو حیا کی تلقین کرتی ہے۔ حسن ظن اور حسن زن سے کام نہیں لیتی۔ مردوں کے اس قدر خلاف ہے کہ اس سے بھیڑ کا ذکر کر پوچھو تو بھیڑیا کہے گی۔ وہ مردوں سے بھرے کمرے میں یوں آکر بیٹھتی ہے جیسے خالی کمرے میں آکر بیٹھی ہو۔ بات وہی کرتی ہے جو لکھنے والی نہیں ہوتی۔ مردوں سے بات وہاں سے شروع کرتی ہے جہاں دوسری عورتیں ختم کرتی ہیں۔ گفتگو دوسرے کے ذوق کے



برائی کرتی ہے۔ اگر کسی سے بُری گفتگو کرے تو اسے خود کو برا سمجھنا چاہیے۔

مرد دوستوں سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ وہ اس کے دفتر میں بھی یوں گھبرائے بیٹھے ہوتے ہیں جیسے اپنے گھر میں ہوں۔ دوستوں کے دکھوں میں اس کی باتیں دوا کا اثر رکھتی ہیں بعض اوقات ذائقہ بھی دوا کا ہی ہوتا ہے۔

اگر وہ آپ کی ماتحت ہے تو آپ اس سے ناراض نہیں ہو سکتے اور اگر آپ اس کے ماتحت ہیں تو آپ سے خوش نہیں ہو سکتی۔ جس دفتر میں ہوتی ہے وہاں کا عملہ کبھی دیر سے نہیں آتا دیکھا ہمیشہ دیر سے جاتا دیکھا ہے۔

کہتے ہیں جسے کسی نے گالی نہیں دی وہ سچا نہیں ہو سکتا اس لحاظ سے تو پھر اس نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں اس قدر حوصلہ مند ہے کہ ہر مسئلے پر ڈٹ جاتی ہے بلکہ بغیر مسئلے کے بھی ڈٹ جاتی ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کے اجلاسوں میں نہیں جاتی کیونکہ وہ کسی کو کسی اور کے ہاتھوں بے عزت ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔

اسے عورتوں کی زیادہ فکر ہے، مردوں کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں۔ عورتوں کے حقوق کے لیے اس کا کام دیکھ کر اس کے قریبی دوست یہ سوچنے لگے ہیں کہ مردوں کو بھی عورتوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں۔

کہتے ہیں ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے اور ناکام مرد کے پیچھے ایک سے زیادہ مگر یہ وہ عورت ہے جو ایک سے زیادہ کامیاب مردوں کے پیچھے ہے وہ غلط کام بھی نیک نیتی سے کرتی ہے۔

لباس کا خیال نہیں رکھتی اور لباس بھی اس کا خیال نہیں رکھتا۔ اپنی ذات میں ہر لحاظ سے مکمل ہے یعنی خود ہی شوہر، خود ہی بیوی، خود ہی بہو اور ساس بھی آپ ہی، دفتر میں افسر سے حتیٰ کہ چوکیدار تک خود ہے اسی لیے اس کے دفتر میں آنے والا ملاقاتی چوکیدار کو بعد میں نظر آتا ہے یہ اسے پہلے دیکھ لیتی ہے۔

نئی نسل کے لیے اس کے دل میں پدرانہ شفقت پائی جاتی ہے۔ اسے دور سے جاننے والے اس پر شک کرتے ہیں اور قریب سے جاننے والے رشک۔ اردو ادب میں اس کا سفر ... سے بوائے کٹ تک کا ہے۔

کہتی ہے میری شاعری میں واحد متکلم کا صیغہ نہیں جمع متکلم کا ہے۔ ٹھیک کہتی ہے

کیونکہ جب وہ میں کہتی ہے تو اس میں کئی بڑے ادیب اور اٹھارویں گریڈ سے بڑے اللہ
شامل ہوتے ہیں۔

وہ نہ صرف دوستوں کے کام آتی ہے بلکہ دشمنوں کے کام بھی آتی ہے۔ کچھ
مشہور ہونے کے لیے اس سے دوستی کرتے ہیں اور کچھ اس مقصد کے لیے دشمنی۔ جو
اسے گالیاں دیتے ہیں یہ ان کا کام بھی کرا دیتی ہے تاکہ یکسوئی سے گالیاں دے سکیں۔ اس
پوری زندگی ضبط و جہد کی کہانی ہے یوں جو بات عورت کی حوصلہ افزائی سے شروع ہوئی ا
عورت کی حوصلہ مندی تک آ پہنچی ہے مگر ہال میں آج بھی اتنا ہی شور ہے لیکن اس شور
اس کی آواز مزید نمایاں کر دی ہے۔



# لاؤڈ سپیکر

اخالد احمد چپ رہے تو اچھا لگتا ہے باتیں کرنے لگے تو سننے والا اچھا لگنے لگتا ہے۔
لگ اس کی باتوں سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جب وہ سانس لینے
کے لیے رکتا ہے۔

اس میں اگر کوئی خاص بات ہے تو وہ یہ کہ بڑا عام سا بلکہ سر عام سا آدمی ہے اور رنگ
سا جیسے دن رات اختلاط کر رہے ہوں۔ چلتے وقت کاغذوں کا پلندہ یوں اٹھائے ہوتا ہے
راستے سے اکٹھے کرتا آ رہا ہے۔ جس دن پتلون پہنی ہو گھر دیر سے پہنچتا ہے کیونکہ
لون ایسی ہے کہ چند قدموں کے بعد اسے دوبارہ پہننا پڑتا ہے۔ اگر شیو بنی ہوئی ہے تو
لیں ٹی وی پر مشاعرہ پڑھ کر آ رہا ہے۔ سگریٹ نہیں تو جیب خالی ہے۔ منہ بند ہے تو
لیں وہ اکیلا ہے۔

علم و فنون میں اسے "فنون" سب سے زیادہ پسند ہے۔ اپنے دفتر جائے نہ جائے
کے دفتر ضرور جائے گا۔ کہتے ہیں وہ اپنے دفتر اس لیے نہیں جاتا کہ اسے کام سے
ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے دفتر کے آدمی آرام سے کام کریں اور "فنون" کے
اس لیے باقاعدگی سے آتا ہے کہ کہیں دوسروں کو پتا نہ چل جائے کہ اس کے نہ
سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وہ اپنے لباس کی طرح رائے بدلتا ہے یعنی نہیں بدلتا۔ نہانے سے اس پر وہی اثر پڑتا
ن کے لیے عورتیں ڈائیٹنگ کرتی ہیں۔ جس دن نہا کر صاف کپڑے پہن کر گلی میں
نہ محلے کے بچے اپنے گھر جا کر والدین سے عیدی مانگنے لگتے ہیں۔
وہ ان گفتگو ہنستا رہتا ہے تاکہ کم سے کم لوگوں کو اس کی بات کی سمجھ آئے اور وہ

سمجھیں اس نے بڑی اچھی بات کی ہے۔ کچھ پوچھ لو تو بتاتا بتاتا آپ کو کہاں سے کہاں
جائے گا یہاں تک کہ آپ بھول جائیں گے کہ آپ نے پوچھا کیا تھا؟ جو بات آپ چپ ر
بھی کر سکتے ہیں وہ آدھ گھنٹے کی مسلسل تقریر کے بعد بھی نہیں کہتا۔

اس قدر ناقابل اعتبار کہ کسی وقت بھی سچ بول سکتا ہے۔ اگر وہ صحافی نہ ہوتا تو
یہاں تک کہہ دیتا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ باتیں جنہیں کرنے سے پہلے نوجوان اِدھر اُ
دیکھ لیتے ہیں کہ کوئی انہیں یہ باتیں کرتا تو نہیں دیکھ رہا۔ وہ یوں کہہ دیتا ہے کہ سننے والا گھ
کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے کہ کہیں کوئی اسے سنتا ہوا تو نہیں دیکھ رہا۔ وہ اچھی بات بُ
طریقے سے کرنا جانتا ہے' اسی لیے مذہبی بحث کرتے وقت مولوی لگتا ہے۔ موسیقی سے
ہے اور جب اپنی پسند کا گانا سننا چاہے خود گانے لگتا ہے۔ اسے منافقت اور ٹوتھ پیسٹ
نفرت ہے۔ پہلے دوائیوں کی ایک کمپنی میں ملازم تھا۔ اگر وہیں ہوتا تو بہت ترقی کرتا
نہیں تو کمپنی ترقی کر گئی۔ چھوٹی چھوٹی بیماری کی دوا اب بھی خود تجویز کر دیتا ہے۔
یقین کر لیتا ہے کہ دوسرے کے چھوٹے چھوٹے بچے نہ ہوں۔

دوستوں سے یوں محبت کرتا ہے جیسے زیادتی کر رہا ہو اسی لیے اتنے لوگ اس
نفرت سے نہیں ڈرتے جتنے اس کی محبت سے خوف کھاتے ہیں۔ سوائے اجنبیوں کے
کے ساتھ مہذب طریقے سے نہیں ملتا۔ اگر کسی مسئلے پر قہقہے لگا رہا ہو تو سمجھ لیں یہ اُ
ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر کسی مسئلے پر پریشان ہو رہا ہے تو یہ اس کے کسی دوست کا ہوگا۔ اس
حلقہ احباب میں ہر قسم' کسب اور قصبے کے لوگ ہیں۔ بوڑھے اسے پسند ہیں اور نوجوانو
یہ پسند ہے۔ اس کے دوست اچھے شاعر ثابت ہوں نہ ہوں اچھے شوہر ضرور ہوتے
کیونکہ جو خالد احمد کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے وہ ہر قسم کی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے
ہے صرف اچھی کتابیں پڑھتا ہوں شاید اسی لیے اس نے ابھی تک "نشیب" اور "ہتھ
پر چراغ" نہیں پڑھی۔

اس کے پاس بیٹھ کر لگتا ہے آدمی اپنے پاس آ بیٹھا ہے۔ وہ وہی بات کرے گا جو آپ
چاہتے ہیں۔ ان ادیبوں میں سے نہیں جو جوانوں میں اس لیے نہیں بیٹھتے کہ ان میں بیٹھ
انہیں اپنے بوڑھے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

جب اس کا دل لکھنے کو نہ چاہے' اخبار کے لیے کالم لکھنے لگتا ہے۔



پہلی ہی ملاقات میں دل جیت لیتا ہے۔ اسی لیے دوسری ملاقات میں لوگ اسے بے دلی
سے ملتے ہیں کہ وہ اپنے باہر کی صفائی کی بجائے اندر کی صفائی کا قائل ہے۔ اسی لیے اندر کی
غلاظت اپنی باتوں میں تھوک دیتا ہے۔ دوستوں کو سر ماتھے پر بٹھاتا ہے۔ اسی لیے وہ
خود سے نیچا سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں مرد غلط بات کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور عورت ایسی بات کرنے کے بعد
خالد احمد پہلے سوچتا ہے نہ بعد میں۔

کھانے کا دشمن ہے اور کھانا اس کا دشمن ہے۔ مل جل کر کھانے پینے کی ایسی عادت ہے
دھا سگریٹ خود پیتا ہے' آدھا ایش ٹرے کو پلاتا ہے۔

اکثر سوتے وقت پاؤں پر جوتے اور باقی جسم پر لحاف اوڑھے ہوتا ہے۔ مگر جوتے لحاف
اندر نہیں کرتا تاکہ جوتے خراب نہ ہو جائیں۔

احمد ندیم قاسمی پیار کا شہر ہے تو خالد احمد اس کا دروازہ ہے یعنی آنے جانے والوں
آتا ہے۔

# چار کا ٹولہ

چار کے ٹولے میں یہی بات مشترک ہے کہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان چاروں میں اس قدر اتفاق ہے کہ بس اتفاق ہی سے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں علی اکبر عباس' نذیر ناجی سے چھوٹا علی اصغر عباس سے بڑا اور رضا سہیل سے بہت بڑا ہے۔ چاروں بھائیوں نے والد سے سوائے ذہانت کے کچھ نہیں لیا اور دیا بھی کچھ نہیں۔ سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام دکھایا۔ علی اکبر ایک بار حلقہ ارباب ذوق کا الیکشن ہارا تو علی اصغر دو بار اور رضا سہیل مزید اور بار۔ ان میں نذیر ناجی کا تعلق بائیں بازو سے' علی اکبر عباس کا دائیں بازو سے جبکہ علی اصغر عباس دائیں بائیں ہو جاتا ہے تاہم رضا سہیل کا تعلق بازوؤں سے نہیں بانہوں سے ہے۔

رضا سہیل نر بچہ ہے۔ علی اصغر نرا بچہ اور نذیر ناجی بوڑھا بچہ ہے جبکہ علی اکبر عباس ابھی پتا نہیں چلا وہ بچہ ہے' جوان ہے یا بوڑھا۔ وہ ہر عمر کے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جس عمر کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ انہی کی عمر کا لگتا ہے۔ علی اکبر پیٹ عمر اور سائز میں علی اصغر سے بڑا ہے جبکہ نذیر ناجی اور رضا سہیل پیٹ کے ہلکے ہیں۔

نذیر ناجی اس قدر مذہبی ہے کہ جو بھی غلام مصطفیٰ نظر آئے وہ کہیں کا بھی ہو اسی کے پیچھے چلنے لگتا ہے۔ اندر سے بھی ویسا ہی ہے جیسا باہر سے ہے۔ اس کا غصہ خالص ہوتا ہے یعنی بلاوجہ صرف اس وقت غصے میں نہیں ہوتا جب دوسرا غصے میں ہو۔ جو اس کی عزت کرنا چاہیں اس سے ملنا بند کر دیتے ہیں۔ اور جو اس سے تعلق ختم کرنا چاہیں اسے روز ملنے لگتے ہیں۔

رفیق ڈوگر کی طرح لٹھ بردار صحافی ہے' مگر ڈوگر لٹھ قارئین کے سر میں مارتا ہے۔ جبکہ یہ موضوع کے سر پر۔ منو بھائی شخصیات پر اچھے کالم لکھتا ہے۔ وہ آپ پر بھی اچھا کالم لکھ سکتا



اور یہ آپ پر منحصر ہے کہ وہ یہ اچھا کالم کب لکھے' کیونکہ وہ اچھا کالم صرف مرحومین پر لکھتا ہے لیکن نذیر ناجی کالم لکھنے کے لیے کسی کے مرنے کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ کام اس کا کالم خود لیتا ہے۔ نذیر ناجی نے خود اپنے آپ کو پالا یوں وہ اپنی ہی صحبت میں رہ کر خراب ہو گیا۔ ...شہ ناں جی ہی رہا کبھی ہاں جی نہ ہوا۔ اس کی شخصیت کا پازیٹو پہلو یہ ہے کہ اس کے خون کا ...پ او پازیٹو ہے۔ وہ خود تو سعادت مند بیٹا نہ بن سکا مگر اس کے بچوں نے اسے سعادت ...اپ ضرور بنا دیا۔ کہتے ہیں جوانی میں آدمی سوچتا سمجھتا نہیں' عمر ڈھلتی ہے تو سوچتا ہے کہ ...مجھتا ہوں اور بڑھاپے میں یہ سمجھتا کہ سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نذیر ناجی بیک وقت ...ں مقاموں پر مقیم ہے۔

علی اکبر عباس چار کے ٹولے میں دو نمبر ہے۔ اس کے لیے دوسروں کو بے عزت کرنا ...مشکل ہے جتنا اپنی عزت کرانا۔ تخلیقی آدمی ہے۔ اس کی تمام چیزیں اوریجنل ہوتی ہیں ...تک غلطیاں بھی۔ مگر وہ کبھی غلط کام نہیں کرتا' کیونکہ غلطی کے بعد کہے گا میں نے تو ...یا تھا تاکہ جو اصل کام کرنا چاہتا ہوں اس میں غلطی نہ ہو۔ غصہ پی جاتا ہے مگر اسے پیتے ...منہ ایسا ہی بناتا ہے جیسا ایک شریف آدمی حرام چیز پیتے وقت بنا سکتا ہے۔ شہرت ایسی ...بھی دھو رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں وضو کر رہا ہے۔

اس قدر گرم جوشی سے ملتا ہے کہ بندے کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حلقہ ارباب ذوق کی ...کمپئین پر نکلا ہے۔ نمایاں ہونے کا شوق ہے۔ اس کا اندازہ اس کے دوستوں کو دیکھ کر ...ہوتا ہے۔ ان کی عمریں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے ساتھ ٹی ہاؤس میں داخل ہو تو بندہ ...جیسے کوئی سکول ماسٹر لڑکوں کو شاعر دکھانے لایا ہے۔ وہ اسے دوست نہیں بلکہ علی بھائی ...ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دوست تو بندہ اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ یہ بھی انہیں اپنے ...بھائی ہی سمجھتا ہے۔ یعنی جب دل چاہے بلاوجہ ڈانٹ لیتا ہے۔ ساری زندگی اگر وہ کسی ...لا ہے تو یقین کر لیں الیکشن ہی لڑا ہوگا۔ وہ تو دشمن سے بھی ملنے جائے تو جیب ...میں پستول کا لائسنس ہی لے کر جائے گا۔ کسی کو آنکھیں نہیں دکھاتا بلکہ اسے تو خود ...آنکھیں ڈھونڈ کر دیکھنا پڑتی ہیں۔

...ن لوگوں نے کئی برس پہلے علی اکبر عباس کی کتاب "بر آب نیل" پڑھی وہ کہتے ہیں ...اس سے "پہلی کتاب کی نسبت جلدی سمجھ میں آجاتی ہے۔ جس کی وجہ مجھے تو یہ لگتی ہے

کہ وہ لوگ اتنے برسوں میں سیانے اور سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ علی اکبر عباس نے اپنی تازہ کتا میں شامل کرنے کے لیے غزلوں اور نظموں کا انتخاب امجد طفیل کی سربراہی میں ایک رکنی کمیٹی کے سپرد کیا اور جو غزلیں کمیٹی کی سمجھ میں آ گئیں وہ اس نے رکھ لیں اور باقی کتا میں شامل کر لیں۔

اس کی شاعری ادب کے لیے ہی نہیں صحت کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے مصرعے پڑھ کر تو بندے کی وہی حالت ہوتی ہے جو سو میٹر کی ریس جیتنے کے بعد' مثلاً ایک مصرع ہے

گونگوں بہروں کی بستی میں پیدا ہونے والے بچے بولنا کب سیکھیں گے

حالانکہ مصرع اتنا لمبا ہے کہ مصرع ختم ہونے سے پہلے ہی پیدا ہونے والے بچے سیکھ لیتے ہیں۔ شعر چھپ کر لکھتا ہے حالانکہ اکثر شاعروں کو یہ کچھ شعر لکھنے کے بعد پڑتا ہے۔ کہتے ہیں اس کے سر کے بال آدھے سفید ہیں مگر مجھے آج تک اس کا پتہ نہیں کیونکہ جب وہ دوستوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے تو اس کے سارے بال سیاہ ہوتے ہیں او کوئی پیار مصیبت میں ہو تو اس کا سارے کا سارا سر سفید ہوتا ہے۔ وہ اپنی تعریف کے لیے کا محتاج نہیں خود ہی کر لیتا ہے۔ یوں بھی اس کی شاعری پر سب سے معتبر رائے اس کی ہو ہے کہ اس سے زیادہ تو اسے کسی نے نہیں پڑھا۔

علی اصغر عباس چھوٹے میاں ہے۔ یاد رہے چھوٹے میاں ALL HUSBAND کو نہیں کہتے تاہم یہ ہفتے میں چھ دن شوہر اور ایک دن شاعر ہوتا لیڈری کا شوق ہے اور اس میں ہمیشہ سب سے آگے رہا۔ اتنا آگے کہ دور دور تک اس پیچھے کوئی نہیں ہوتا۔ شکل و صورت ایسی کہ اپنے بھائیوں میں بیٹھا ہو تو خوبصورت ہے۔ شاید اسی لیے وہ اس کے پاس نہیں بیٹھتے۔ ہنستے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے یک دم پھو غبارے سے ہوا نکل جائے۔ اسے ہنسنے کے لیے کسی بات کی نہیں بس ایک مسخر ضرورت ہوتی ہے جس کے ہاتھ پر ہاتھ مار سکے۔

چھوٹی عمر کے لڑکوں کے پاس بیٹھ کر اسے وہی خوشی ہوتی ہے جو بڑی عمر کے لڑکوا اس کے پاس بیٹھ کر ہوتی ہے۔ پکے رشتے بناتا ہے' اسی لیے دوستوں سے زیادہ دشمن بناتا کیونکہ آج کل یہی سب سے پکا رشتہ ہے۔ دوستوں سے یوں ملتا ہے کہ دیکھنے والے جھگڑا



وڑتے ہیں۔ دوستوں کی خامیوں کی بجائے ان کی خوبیاں تلاش کرتا ہے۔ اس کے دوست بھی ایسے کہ ان کی خوبیاں واقعی تلاش کرنا پڑتی ہیں۔ دوسروں کے بارے میں وہی رائے رکھتا ہے جو لوگ اس کے بارے میں رکھتے ہیں۔ دوستوں میں پانچ منٹ سے زیادہ مہذب نہیں بیٹھ سکتا اور دشمنوں میں پانچ منٹ سے زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ بہت اچھا مقرر ہے' اس لیے ایک آدمی سے بھی یوں بات کرتا ہے جیسے اجتماع سے خطاب کر رہا ہو۔

رضا سہیل کی حرکات نذیر ناجی کی اور سکنات علی اکبر کی ہیں۔ بچوں سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ جس بچے کو اٹھا لے اس کا باپ اپنی بیوی کو شک سے دیکھنے لگتا ہے۔ کوئی گرم چیز نہیں پیتا۔ شاید اسی لیے غصہ نہیں پیتا۔ ہر وقت اپنی ملازمت کا استعفیٰ ساتھ رکھتا ہے کہ کہیں کبھی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ غلطی سنگین بھی ہو سکتی ہے' اس لیے بھرا ہوا نکاح نامہ بھی ساتھ رکھتا ہے۔

کہتا ہے کسی پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے' اس سے ملنے کے بعد یہ آپ بھی مان جائیں گے۔ وہ جرنلزم کا ونڈر بوائے ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو آگ لینے جاتے ہیں اور پیغمبری لے کر لوٹتے ہیں۔ بات دل میں نہیں دماغ میں رکھتا ہے بلکہ وہ تو رہتا بھی دماغ میں ہی ہے۔

کپڑے دھونے کا شوق ہے۔ اکثر کپڑے آدمی سمیت دھو ڈالتا ہے۔ اچھا لباس پہنتا ہے یعنی وہ لباس جو اسے اچھا لگے' دوسروں کو چاہے وہ لباس بھی نہ لگے۔ گفتگو صحافیوں والی کرتا ہے یعنی اس میں لفظ کم اور دھمکیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ عورتوں کے تمام کام اور مردوں کے کام تمام کرتا ہے۔ لڑکیوں سے دوستی وہاں سے شروع کرتا ہے جہاں سے دوسرے چھوڑ دیتے ہیں' اس لیے پتہ نہیں چلتا شروع کر رہا ہے یا ختم کر رہا ہے۔

اگر آپ اس کے دوست ہیں تو خوش قسمت ہیں کیونکہ وہ دوستوں سے کوئی توقع نہیں رکھتا اور اگر وہ آپ کا دوست ہے تو آپ بد قسمت ہیں کیونکہ وہ کسی توقع پر پورا نہیں اترتا۔

# ضیاء بٹ

ضیاء بٹ مجھے زبانی یاد ہو گیا ہے پر میں اسے سمجھ نہیں سکا حالانکہ بتوں کو سمجھنا اتنا د
نہیں جتنا سمجھانا۔ مشکل سا چہرہ جسے یاد رکھنا آسان ہے۔ چہرہ کیا ہے؟ لگتا ہے کسی نے اپنی گو
چٹی ہتھیلیاں دعا کے لیے پھیلا رکھی ہیں جن پر کئی سلوٹیں سر اٹھا کر سجدوں میں گر رہی ہیں
ا جب وہ ہنستا ہے تو لگتا ہے گیس کا سلنڈر پھٹ گیا اور سلوٹیں ڈر کر سمٹ جاتی ہیں۔ ہنستے ہوئے ا
کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور وہ یہ سرخی ہاتھ سے قریب بیٹھے شخص کے جسم پر منتقل کر دیتا ہے۔

چلتے وقت قدم یوں اٹھاتا ہے جیسے پانی سے گزر رہا ہو۔ اس نے ماتھا سر پر چڑھا ر
ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے اس کو دوبارہ جوان کرنا پڑے گا۔ وہ ہر د
دوستوں اور بالوں کو بناتا رہتا ہے۔ سر پر سہمے سہمے بال جو بیچارے جونہی سر اٹھانے لگتے ہیں
ان پر ایسا ہاتھ پھیرتا ہے کہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔

دیکھنے میں وہ ادیب کم اور سیاست دان زیادہ لگتا ہے۔ ہمارے ہاں ادیبوں اور سیاست
دانوں میں صرف ایک ہی بات مشترک ہے کہ دونوں کسی کی بات نہیں سنتے لیکن ضیاء بٹ
سن لیتا ہے دوسرے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی بات سن رہا ہے حالانکہ وہ تو اپنی بات ان
کے منہ سے سنا رہا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بات اچھی لگے تو کہے گا سبحان اللہ۔ اگر کوئی بات اچھی نہ
لگے تو پھر بھی یہی کہے گا' اس لیے کبھی پتہ نہیں چلا اسے کس بات پر دکھ ہوا اور کس پر خوشی۔

عورتیں آنکھوں سے ہنستی اور گلے سے روتی ہیں مگر ضیاء بٹ گلے سے ہنستا اور دل سے
روتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں ہے جہاں بوڑھے اسے جوان نہیں مانتے اور جوان اسے بوڑھا
نہیں مانتے۔ "فنون" کے دفتر اس قدر وقت پر آتا ہے کہ یقین نہیں آتا اس کا محکمہ ریلوے
سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔ دفتر میں بعد میں داخل ہوتا ہے اس کی ناک پہلے اندر داخل



ہو جاتی ہے۔ جس موضوع پر آپ بات سننا گوارہ نہیں کرتے ہو اس پر بات کر سکتا ہے۔

"ضیاء" اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے ان لوگوں میں سے ہے جو کسی بھی وقت کچھ بھی
...تے ہیں۔ چپ ہو تو لگتا ہے یہ شخص کبھی بولا ہی نہیں اور بول رہا ہو تو لگتا ہے یہ کبھی چپ
...ہیں ہوا۔

جس طرح عورتوں کا کچھ نہ کچھ بھاری ہی رہتا ہے کبھی سر بھاری ہے تو کبھی پاؤں' ایسے
...اس کا کچھ نہ کچھ خراب ہی رہتا ہے۔ کبھی صحت خراب تو کبھی صحبت۔ اپنے انجام کا ذکر
...ے دوسروں کو فکر مند رکھتا ہے۔ دوسرے اس لیے فکر مند ہوتے ہیں کہ انہیں پتہ ہے
...ان کا انجام اس سے بہتر نہ ہو گا اور اس کا انجام بہتر نہ ہو گا۔

لوگ ہنستے ہنستے لڑ پڑتے ہیں مگر وہ لڑتے لڑتے ہنس پڑتا ہے۔ غصے میں آئے گا تو اس کی
...لیں لہولہان ہو جائیں گی۔ لگے گا اگر اس نے نیچے دیکھا تو آنکھوں سے خون کی دھاریں بہہ
...یں گی۔ سانسیں آدم بو آدم بو پکارنے لگتی ہیں مگر اگلے ہی لمحے اس کا الف لیلوی قہقہہ ساری
...ا کو بدل دیتا ہے اور مسکراہٹ اڈاریاں مارنے کے لیے ہر چہرے کے چبوترے پر کلیانے لگتی ہے۔

دوسروں کی خاطر خالی پیٹ خلال کرنے والا ضیاء بٹ یاروں کی خاطر زہر بھی پی سکتا
ہے۔ اسی لیے جب کسی دوست کو سگریٹ کا گھونٹ بھرتے دیکھتا ہے تو فوراً چھین کر اپنے منہ
...لگا لیتا ہے۔ وہ مانگا ہوا سگریٹ بھی اتنے اطمینان سے پیتا ہے کہ سگریٹ کو بھی اس وقت
...پتا ہے جب شعلہ اس کی شہ رگ تک آ پہنچتا ہے۔ ضیاء بٹ پہلے ادیب ہے اور بعد میں
...ن پہلے زبان استعمال کرتا ہے پھر ہاتھ۔

وہ دوست بدلنے اور جگہ نہ بدلنے سے گریز کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو نئی
...ھونڈنے کی بجائے پرانی کے لیے استعمالات تلاش کرتے رہتے ہیں' اسی لیے وہ ایک ہی
...م کے پاس بیٹھے ہوئے بھی کرسیاں بدل بدل کر نئے مزے لوٹتا رہتا ہے۔ علم جہاں بھی
...اسے اپنی گمشدہ میراث سمجھتا ہے' اسی لیے کتابیں لے کر واپس نہیں کرتا۔

ضیاء بٹ کی کہانیوں کے کردار اس کی اپنی شخصیت کے ترجمان ہیں۔ شاید اسی لیے
...کردار غصے میں ہوں تو کہتے ہیں "بکواس بند کرو" خود کو "سنی دانشور" کہتا ہے تو سب
...اض کرتے ہیں جنہوں نے اسے دور سے دیکھا ہے وہ "دانشور" کہنے پر اور جو اسے قریب
سے جانتے ہیں وہ "سنی" کہنے پر۔

# مُلّا دو پلازہ

جس مولوی کا پیٹ بڑا نہ ہو' اس کے مولوی ہونے پر شک ہونے لگتا ہے کہ لوگ مولوی کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں' مگر مولوی اپنے پیٹ کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن دیکھنے میں مولوی لگتے ہیں' یعنی پیدل بندہ ان کی شلوار میں نالا نہیں ڈال سکتا۔ یہ ہیوی ویٹ مولانا سیاست میں لائیٹ ویٹ مولانا ثابت ہوئے۔ ان کی پالیسیاں اتنی دھند ہوتی ہیں کہ پارٹی ورکروں کو بھی نظر کی عینک لگا کے دیکھنا پڑتی ہیں۔ ان کی پارٹی ایسی ہے جس پارٹی کے ساتھ ہو' اسے بھی پتہ نہیں ہوتا بلکہ خود مولانا کو اخبار کے دفتر فون کر پوچھنا پڑتا ہے کہ آج ہم کس کے ساتھ ہیں؟

وہ جمعہ کے روز جمیعت العلمائے اسلام کے گھر اس وقت پیدا ہوئے' جب گھر والے جمعہ کی نماز پڑھنے گئے تھے۔ وہ جب پیدا ہوئے تب بھی مولانا تھے۔ عین ع میں بوڑھے ہوئے اور 26 سال کی عمر میں 62 سالہ ناظم اعلیٰ بنے۔ مولانا مفتی محمود آدھی عمر اللہ سے "فضل" مانگا اور باقی آدھی عمر اس کی صحت دیکھ کر کہا: "میرے میں اللہ کا بڑا "فضل" ہے۔" مفتی صاحب کے انتقال کے بعد جمیعت علمائے اسلا انتقال مولانا فضل الرحمٰن کے نام ہو گیا۔ پارٹی ورکروں نے انہیں یوں مانا جیسے صاحب کا فتویٰ مان رہے ہوں۔ مولانا سیاست میں بڑے باپ کی حیثیت سے دا ہوئے اور ابھی تک ان کی یہی حیثیت ہے۔ وہ اس سے کم عمر کے بیٹے ہیں جس عمر کے نظر آتے ہیں اور اس سے زیادہ عمر کے ہیں جس عمر کے اپنے بیانوں سے لگتے ہیں۔ جمیعت کے امیر اور سیاست کے غریب ہیں۔ سیاست میں کسی سے اتنی دشمنی نہیں ر کہ اس سے دوستی نہ ہو سکے اور کسی سے اتنی دوستی نہیں رکھتے کہ اس سے د



ہو سکے۔ کوئی بات خلاف مرضی ہو تو ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے' حالانکہ پٹھان ہیں اور پٹھانوں کی مرضی کے خلاف بات کی جائے تو چہرہ ضرور سرخ ہوتا ہے' مگر بات کرنے والے کا۔ دوستوں کا پتہ نہیں' البتہ ان کا لباس چند ہی دنوں میں تنگ آ جاتا ہے۔ شلوار قمیض تو ایک طرف' انہیں تو دھوتی کرتا تنگ ہو جاتا ہے۔ ان کا عرض بڑا طول ہے۔ ہمیشہ سفید لباس پہنتے ہیں۔ "ف" کہتا ہے یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میں بھی جب لباس پہنتا ہوں تو وہ سفید ہی ہوتا ہے۔ ایک رومال کاندھے پر اور ایک سر پر باندھتے ہیں۔ تبدیلی چاہیں تو سر کے رومال کو کاندھے پر رکھ لیتے ہیں اور کاندھے والا سر پر باندھ لیتے ہیں۔ کسی عورت کو ننگے سر دیکھنا تو دور کی بات ہے' آج تک کسی عورت نے انہیں ننگے سر نہیں دیکھا۔

سنا ہے مولانا فٹ بال نہیں کھیل سکتے کہ جہاں فٹ بال رکھ کر ہٹ لگا سکیں' وہاں فٹ بال ہو تو نظر نہیں آتا اور جہاں سے فٹ بال نظر آتا ہے' وہاں سے وہ ہٹ نہیں لگا سکتے۔ ہری پور جیل میں ان کا ساٹھ پاؤنڈ وزن کم ہوا تو انہوں نے خدا کا لاکھ شکر ادا کیا۔ میرا دوست "ل" کہتا ہے' انہوں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ میں جیل جاتے وقت ساٹھ پاؤنڈ کا نہیں تھا' ورنہ جیل سے باہر کیا نکلتا؟ اگرچہ منہ سے نکلی بات اور پیٹی سے نکلا پیٹ واپس نہیں آتا' پھر بھی وہ جیل جا رہے ہوں تو سمجھتے ہیں' سلمنگ سنٹر جا رہا ہوں۔ کہتے ہیں پیاز کھانے سے بھی دوست اور وزن کم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے ایک نشست میں کئی بیٹھکیں لگاتے' اب ایک بیٹھک کئی نشستوں میں لگاتے ہیں۔ پسندیدہ کھانا ثرید ہے کہ یہ وہ کھانا ہے جسے کھانے والا مولوی ہو تو کھانا نہیں بچتا اور اگر مولوی نہ ہو تو کھانے والا نہیں بچتا۔ مولانا جو کھاتے ہیں' وہ سب کے سامنے ہوتا ہے بلکہ وہ تو جو کھا چکے ہوتے ہیں' وہ بھی سب کے سامنے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں چائے سے انکار کفر ہے۔ اس لیے چائے کی دعوت قبول کر رہے ہوں تو لگتا ہے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ جو چند گھڑیوں کے لیے ان کا مہمان ہو' اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے وہ چند گھڑیوں کا مہمان ہو۔ کسی مہمان کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے۔ ایک بار مولانا درخواستی انہیں ملنے آئے تو ان کے پاس انہیں دینے کو کچھ نہ تھا۔ سو آدھی جمیعت علمائے اسلام دے دی۔ البتہ محترمہ بے نظیر بھٹو ان کے گھر آئیں تو محترمہ کو وہ تحفہ دیا جو محترمہ نے آج تک سنبھال کے رکھا ہے۔ انہوں نے محترمہ کو دوپٹہ دیا تھا۔ مولانا کو بیٹھے میں

میٹھا رنگ پسند ہے۔

صوبہ سرحد کا مزاج ایسا ہے کہ وہاں بندہ اپنے کمرے سے بیوی کے کمرے میں جائے، تو بھی بندوق لے کر جاتا ہے۔ مگر مولانا مسلح محافظوں کی بجائے مصلیٰ محافظوں کے ساتھ پھرتے ہیں۔ وہ کلاشنکوف سے زیادہ کیمرے سے ڈرتے ہیں۔ جیل میں پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں۔ اس لیے جیل یوں جاتے ہیں جیسے لائبریری جا رہے ہوں۔ فرماتے ہیں: ''مجھے زندگی میں پھل، پھول، رنگ اور خوشبو ایسی چیزوں پر غور کرنے کا وقت نہیں ملا۔'' انہوں نے جس گھر میں آنکھ کھولی وہ مذہب اور سیاست کی یونیورسٹی تھا۔ والد محترم مفتی محمود صاحب نے اپنی زندگی میں انہیں سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے منع کیا، جس سے اندازہ لگائیں کہ وہ کتنے دوراندیش تھے۔ کہتے ہیں دیکھنے میں وہ مفتی محمود سے جتنی مماثلت رکھتے ہیں، اتنی مماثلت اپنے آپ سے نہیں رکھتے۔ انہوں نے جمعیت علمائے اسلام اور گاڑی چلانا خود ہی سیکھا۔ صلاحیتیں اور انداز سیاست ایسا ہے کہ انہیں کے بقول مارشل لاء حکومت کو اس بات کی جرأت ہی نہ ہو سکی کہ مجھے وزارت کی پیشکش کرتی۔ ممکن ہے، مارشل لاء والے ڈرتے پیشکش نہ کرتے ہوں کہ کہیں یہ قبول ہی نہ کر لیں۔

ادب سے اتنا لگاؤ ہے کہ ''نظم'' کا پوچھو تو کہیں گے، آج کل میں چلا رہا ہوں۔ اس قدر رحم دل ہیں کہ جب کار چلانے لگیں تو ساتھ بیٹھنے والے سے پوچھ لیتے ہیں کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے تو نہیں۔ من کی بات سب کو بتا دیتے ہیں، بات من سے کم کی ہو، تب بھی سب کو بتا دیتے ہیں۔ ان کی ہلکی پھلکی باتوں میں بھی بڑا وزن ہوتا ہے۔ اپنے ساتھیوں کو ہر بات بتا کر چلتے ہیں۔ وہ تو لطیفہ سنانے سے پہلے بتا دیتے ہیں کہ یہ لطیفہ ہے تاکہ سننے والوں کو پتہ ہو۔ زیادہ بولتے ہیں نہ کم۔ اتنا دیکھتے نہیں جتنا دکھتے ہیں۔ بات سنجیدہ کرتے ہیں مگر مزاحیہ انداز میں، جب کہ سیاست دانوں کا انداز سنجیدہ ہوتا ہے، بات مزاحیہ۔ وہ عورت کو آدھا سمجھتے ہیں۔ اس لیے اپنی گھریلو زندگی میں اسے پورا کیا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ آپ نے دوسری شادی کرنے کے لیے کیا کیا؟ تو یہی کہیں گے: ''اس کے لیے پہلی شادی کی۔'' رمضان واحد مہینہ ہے جس میں وہ گھر پہ رہتے ہیں۔ اس لیے گھر میں ان کے قیام کو تیسرا دن ہو جائے تو گھر والے سحری کا انتظام کرنے لگتے ہیں۔ وہ سیاست میں کئی آدمیوں پر بھاری



ہوں نہ ہوں، وہ کئی آدمیوں سے بھاری ضرور ہیں۔ انہیں کرسی کا کوئی لالچ نہیں کیونکہ ان کے ہاں سب کچھ فرشی نشستوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے والد کے کام کو ترقی دی۔ وہ ایک پارٹی چھوڑ کر گئے تھے، انہوں نے اسے ترقی دے کر دو بنائیں۔ وہ دنیا سے زیادہ دین کا علم رکھتے ہیں۔ ان کی سیاست بھی ایسی ہے کہ اس کا اجر اگلی دنیا میں ہی ملے تو ملے۔ وہ بنیادی طور پر ایک مدرس ہیں اور جمعیت علمائے اسلام کو یوں چلا رہے ہیں جیسے مدرسہ چلا رہے ہوں۔ سیاست میں ان کو وہی مقام حاصل ہے جو فلموں میں مسرت شاہین کو۔ مذہب کے یہ مُلا دو پیازہ سیاست کے مُلا دو پلازہ ہیں۔

# مِس پریشانی

عورت اچھی حکمران ہوتی ہے کیونکہ اس کا حکومت کرنے کا بڑا تجربہ ہوتا ہے۔ شاید
ہی کوئی خاتون ایسی ہو جس نے کسی پر حکومت نہ کی ہو۔ اس کے باوجود پاکستان جیسے ملک میں
اب خاتون وزیراعظم صرف اسی صورت میں کہلا سکتی ہے کہ اس کا نام وزیر بی بی ہو اور وہ کسی
اعظم نامی شخص سے شادی کرلے۔ لیکن مس پریشانی وہ واحد خاتون ہیں جو پاکستان کی
وزیراعظم رہیں۔ دنیا انہیں میڈیم ڈیموکریسی کے نام سے جانتی ہے۔ اس لیے انہیں کھانسی
بھی لگ جائے تو ہمیں جمہوریت کے خلاف سازش لگتی ہے۔ محترمہ میں دو بڑی خوبیاں
جن کی وجہ سے آج وہ بین الاقوامی قد کی لیڈر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ذوالفقار
بھٹو کی بیٹی ہے اور دوسری بھی یہی ہے۔ ان کا نام بے نظیر نہ ہوتا، تب بھی لوگ انہیں
کہتے۔ جیسے اصغر خان کا نام یہ نہ بھی ہوتا، تب بھی وہ سیاست میں اصغر ہی ہوتے۔

سر شاہنواز بھٹو مس پریشانی کے نرم دل دادا اور سیاست کے سخت دلدادہ تھے۔
میں بھی محترمہ گول میز کانفرنس اور سٹ کانفرنس کے نتائج یوں سنتیں جیسے ان کے
ورلڈ کپ کرکٹ کی سکور سنتے۔ تعلق اس خاندان سے تھا جہاں بچے سونے کے برتنوں
کھانا کھاتے رہے ہیں۔ بچپن میں اگر محترمہ سے پوچھا جاتا کہ غریب آدمی کے متعلق آپ
جانتی ہیں تو یہی کہتیں کہ غریب وہ ہوتا ہے جس کی کوٹھی میں سب غریب ہوں۔ اس کی
کا ڈرائیور، اس کے ملازمین، اس کے کارخانے کا چوکیدار غرضیکہ اس کا ہر بندہ غریب
بچپن میں رنگ ایسا تھا کہ سرخ گلاب کے پھولوں میں چلی جاتیں تو گھر والوں کو ڈھونڈنے
مشکل ہوتی۔ آواز قد سے بھی بلند۔ ان کی تو سرگوشی ایسی کہ میلوں تک سنائی دے۔
پیٹر گلبرتھ کے بقول "محترمہ نے ریڈکلف سے بی اے، آکسفورڈ سے ایم اے



ای ای سکھر جیل سے کی۔" 16 برس کی عمر میں جب وہ ریڈکلف گئیں تو اپنی عمر سے بہت
چھوٹی تھیں، مگر باپ کی پھانسی کی ایک رات نے 25 سالہ پنکی کو کئی سال بڑا کر دیا۔ ان کا
پچیسواں سال مشکل سے گزرا۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے، یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میری
بیوی نے بھی پچیسواں سال بڑی مشکل سے کہیں جا کے سات آٹھ سال میں گزارا۔ وہ بچی
تھیں تو بھائیوں کا بڑا بھائی بننا پڑتا۔ جوان ہوئیں تو والد بننا پڑا۔ شادی ہوئی تو خاوند بننا پڑا۔
اتنی پریشانیاں دیکھیں کہ اب جس دن پریشانی نہ دیکھنا چاہیں، آئینہ نہیں دیکھتیں۔

اگر کوئی پوچھے کہ اس دنیا میں ایک سیاست دان سے زیادہ ناقابل اعتبار آدمی کوئی ہے؟
تو یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ دو سیاست دان۔ مگر وہ واحد سیاست دان ہیں جن سے کوئی
امید ہو سکتی ہے، ویسے بھی وہی امید سے ہو سکتی ہیں۔ محترمہ ذوالفقار علی بھٹو سے کئی لحاظ
سے برتر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو کا والد اتنا بڑا لیڈر نہ تھا جتنا بڑا محترمہ کا باپ تھا۔
محترمہ نے سیاسی سفر کا آغاز گھر سے نہیں، جیل سے کیا۔ اگرچہ ان کے ہاں جیل کا آغاز بھی
گھر سے ہوتا ہے۔ محترمہ اپنے والد کے ادھورے مقاصد کی تکمیل کے لیے اقتدار حاصل کرنا
چاہتی ہیں اور ان مقاصد میں سے ایک اقتدار حاصل کرنا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو پورے وزیراعظم تھے، ملک آدھا تھا۔ گواہی کے حساب سے یہ
وزیراعظم بھی آدھی ہی تھیں۔ ان کا نعرہ ہے، اسلام ہمارا دین، سوشلزم ہمارا اللہ دین اور
جمہوریت ہماری ذین ہے۔ بھٹو مرحوم سے کسی نے کہا تھا کہ آپ جاگیرداری نظام کیا ختم
کریں گے، پہلے اپنی زمینیں تو غریبوں میں تقسیم کریں۔ بھٹو صاحب نے یہ سن کر کہا کہ
میری زمینیں تو اتنی ہیں کہ ان کو پاکستان کے غریبوں میں بانٹا جائے تو ہر فرد کے حصے میں
اے پندرہ پیسے آئیں گے۔ یہ لو اپنے حصے کے پندرہ پیسے اور آرام سے بیٹھ جاؤ۔ محترمہ کو
وہ عزم تو نہ ملا، بہرحال بھٹوازم مل گیا۔ بھٹو صاحب صرف ایک ولی کو مانتے تھے، وہ تھا
[illegible]لی۔ وہ اکثر دوروں پر محترمہ کو ساتھ رکھتے۔ شملہ معاہدے پر بھٹو صاحب چاہتے تھے کہ
جب معاہدہ پر دستخط ہوں تو بے نظیر موجود ہو۔ وفد کے ارکان نے کامیابی اور ناکامی کا کوڈ
مقرر کر رکھا تھا کہ اگر ناکام ہوئے تو کہیں گے لڑکی ہوئی ورنہ لڑکا۔ سو جب رات ساڑھے بارہ
بجے ارکان "لڑکا ہوا ہے" کہتے ہوئے محترمہ کے کمرے کی طرف آئے اور سامنے محترمہ کو
دیکھا تو کہا: "لڑکا...... ہوئی ہے۔"

کہتے ہیں خدا نے مرد کو پہلے بنایا' پھر عورت کو پیدا کیا۔ عورت کو پہلے اس لیے پیدا نہ کیا کہ خدا آدم کو کسی کے مشورے کے بغیر بنانا چاہتا تھا۔ دنیا میں صرف ایک خاتون ہے جو صرف مانگنے پر مشورہ دیتی ہے' وہ ہے لیڈی ڈاکٹر۔ مگر مس پریشانی نے کبھی مشورہ نہیں دیا ہمیشہ فیصلہ دیا ہے۔ اس سے قبل مرد ہی عورتوں کو فیصلے دیتے آئے ہیں۔ محترمہ کے والد امیر عورت سے شادی کرنا چاہتے تھے' اس لیے ان کی پہلی بیوی امیر بیگم تھی۔ مس پریشانی نے بھی زردار چنے۔ مگر شادی کے بعد وہ مسز زرداری نہ بنیں۔ مس بے نظیر نے اپنے خاوند کو مسٹر بے نظیر بنا دیا۔ مسٹر بے نظیر خود بڑی خوبیوں والے ہیں۔ جیسے وہ سانس لیں تو صاف ہوا اندر جاتی ہے۔ ان کا دل ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے۔ چلیں تو سایہ ساتھ ساتھ چلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ شوہر کامدار ہیں جنہیں بیوی کی تقریر سننے کے لیے دیر سے گھر جانے کی بجائے جلدی اسمبلی جانا پڑتا ہے۔ مس پریشانی کا بحیثیت وزیراعظم 20 ماہی اقتدار دراصل ماہی کا اقتدار ہی تھا۔

کہتے ہیں عابدہ حسین بے نظیر سے بڑی سیاست دان ہیں۔ جنہوں نے عابدہ حسین کو دیکھا ہے' وہ مانتے بھی ہیں۔ عابدہ حسین تو اتنی بڑی ہیں کہ بندہ ان سے بات کر رہا ہو تو اسے لگتا ہے وہ اجتماع سے خطاب کر رہا ہے۔ جبکہ محترمہ کی صحت مندی کے بارے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی صحت۔ مندی ہی ہے۔ پارٹی کے لوگ ہر کام ان سے پوچھ کر کرتے ہیں۔ وہ تو یہ بھی پوچھتے ہیں کہ بی بی سوموار کو پارٹی لائن کے مطابق کون سا دن ہوگا۔ اس بار دسمبر کے مہینے میں مارچ آئے گا؟ جن سیاست دانوں کے پیچھے لاکھوں ہوں' انہیں نظر نہیں آتا اور اگر ان کے پیچھے کوئی نہ ہو تو وہ کسی کو نظر نہیں آتے۔ مس پریشانی کو اس معاشرے میں لاکھوں لوگ چاہتے ہیں۔ جس معاشرے میں ایک بھی مرد چاہے تو یہ بھی چھوٹی بات نہیں سمجھی جاتی۔ محترمہ اپنی ذات سے نہیں' ذہانت سے متاثر کرتی ہیں۔ ویسے ذہانت عورت کی وہ خوبی ہے جس کا نہ ہونا بھی خوبی سے کم نہیں۔

پورے کام کو آدھا نہیں کرتیں' آدھے کام کو پورا کرتی ہیں۔ ان ملکوں میں رہیں جہاں عورتوں کا لباس دیر سے شروع ہوتا ہے اور جلد ختم ہوتا ہے' مگر وہ اب ایسا لباس پہنتی ہیں جو جلد شروع ہو جاتا ہے اور دیر سے ختم ہوتا ہے۔ وہ جمہوریت کی شہزادی ہیں۔ ان سے پوچھو: "جمہوری حکومت سے کیا مراد ہے؟" کہیں گی: "ہماری حکومت۔" سندھی کو مادری زبان کہتی ہیں۔ ان کی مادری زبان ان کی والدہ کو نہیں آتی۔ بچپن میں محترمہ نے دوسرے



...وں سے پہلے بولنا شروع کر دیا۔ اب بھی اپنی پسند کی آواز سننا چاہیں تو بولنے لگتی ہیں۔ سننا تو اب تک نہیں آتی۔ انہوں نے اردو کا ٹیوٹر رکھا تاکہ اردو کی غلطیاں نکال سکے۔ حالانکہ ان کی اردو پڑھ کر لگتا ہے کہ ٹیوٹر کو آن کی درستیاں نکالنا چاہئیں۔ اب بھی محترمہ کی اردو سمجھنے کے لیے اردو کی سمجھ ہونا اتنا ضروری نہیں جتنا انگریزی کی۔ اردو کی املا تو اب بھی ایسی ہے کہ عامر کو آمر' ذیابیطس کو ضیابیطس اور ضیاء الحق کو ضیاع الحق ہی لکھتی ہیں۔ البتہ آمر یوں کہتی ہیں جیسے کہہ رہی ہوں: "آ......مر۔"

مقرر ایسی کہ کیمونزم پر کئی گھنٹے ایک فقرہ بھی اس کی حمایت اور مخالفت میں کہے بغیر تقریر کر سکتی ہیں۔ دوسرے لیڈروں سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ جیسی باتیں دوسرے سیاست دان سوچے سمجھے بغیر کہہ دیتے ہیں' وہی یہ سوچ سمجھ کر کہتی ہیں۔ جتنا وہ کام کرتی ہیں اور نہیں تھکتیں' اتنا تو ہم آرام کریں تو تھک جائیں۔

مصروفیت کا یہ عالم کہ خاوند سے ملاقات ہونا تو دور کی بات' کئی کئی ماہ محترمہ کی خود سے ملاقات نہیں ہو پاتی۔ وہ خوف زدہ لڑکی ہیں اور خوف زدہ لڑکی سے نڈر کوئی نہیں ہو سکتا۔

سوانح عمریاں پڑھنے کا شوق ہے۔ جب پسند کی سوانح عمری کو دل چاہا تو اپنی سوانح عمری لکھ ڈالی۔ بڑی بات پر خوش نہیں ہوتیں' البتہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر ناراض ہو جاتی ہیں۔ شروع میں پارٹی میٹنگز میں کوئی ان سے اختلاف کرتا تو روتی ہوئی اٹھ جاتیں۔ اب یہ کام اختلاف کرنے والے کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ بقول "کرسٹینا لیمب" وہ بحیثیت وزیراعظم سرکاری دعوتوں میں کھانوں اور برتنوں پر زیادہ توجہ دیتیں۔ اتنی توجہ اس مسئلے پر نہ دیتیں جس وجہ سے یہ دعوت دی گئی۔ ایسے دل کی ہیں کہ اگر ان کے ہاتھ کا پکا کھانا بلی کھا لے تو انہیں اتنا دکھ ہوگا کہ اس وقت تک ...اس بیٹھی رہیں گی جب تک آپ یقین نہ دلا دیں کہ بلی بچ جائے گی۔ انہیں پاکستانی سفید بلیاں پسند ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکستانی سفید بلیاں کالی نہیں ہوتیں۔

عمر کے معاملے میں عورتوں کا یہ رویہ رہا ہے کہ جب وہ چھوٹی ہوتی ہیں تو چاہتی ہیں انہیں بڑا سمجھا جائے اور جب بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں تو چاہتی ہیں' انہیں چھوٹی سمجھا جائے مگر وہ ان خواتین میں سے ہیں جو کسی کو خود سے بڑا نہیں سمجھتیں۔ وہ تو بچوں کو یوں بلاتی ہیں جیسے بچوں کو بلا رہی ہوں۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت میں کم سے کم دوست اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دشمن بنانے کا گر جانتی ہیں۔ مولویوں کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے

جو مولویوں کی ان کے بارے میں ہے۔ نصرت بھٹو اور بے نظیر کے سٹائل میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا ان کے ہیئر سٹائل میں۔

کہتی ہیں میں سیاست دان نہ ہوتی تو اخبار کی اڈیٹر ہوتی۔ ویسے ہر عورت میں اڈیٹر بننے کی پیدائشی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔ خاوند کی جیب ان سے اچھی کون اڈیٹ کر سکتا ہے۔ کہتی ہیں بلاول کو وکیل بناؤں گی یا فوجی جرنیل۔ فیصلہ صحیح ہے۔ اگر فوجی جرنیل بن گیا تو راج کرے گا اور اگر وہ نہ بن سکا تو پھر وکیل ہونا چاہیے تاکہ اپنے خلاف ہونے والے مقدمے تو لڑ سکے۔ ارسطو کہتا ہے کہ کسی کی افتادِ طبع کا سراغ اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے ملتا ہے، بڑے بڑے کاموں سے نہیں۔ بڑے کام تو بندہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور بسا اوقات طبیعت کے خلاف کرتا ہے۔ مگر محترمہ نے ساری زندگی کبھی چھوٹا کام کیا ہی نہیں۔ وہ تو سر درد کی دوا بھی کھا رہی ہوں تو لگتا ہے، قوم کا دردِ سر کم کرنا چاہتی ہیں۔ خود پر اتنا اعتماد ہے کہ کسی پر اعتماد نہیں۔ والد کے نقص قدم اور نقشِ قدم پر چل رہی ہیں۔ مارشل لاء سے اتنا ڈرتی ہیں کہ اس کی موجودگی میں ان کے منہ سے کرسی نہیں، آیت الکرسی نکلتی ہے۔ ضیاء الحق کو قاتل کہتی ہیں حالانکہ وہ تو انتقال دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ جیتے جی ان سے اقتدار کا انتقال نہ دیکھا گیا کسی اور کا کیا دیکھا جاتا۔ ضیاء الحق سُست آدمی تھے کہ انہوں نے نوے دن کا کام گیارہ سال میں کیا، جب کہ محترمہ اتنی تیز نکلیں کہ پانچ سال کی حکومت سوا سال میں پوری کر دی۔ وہ فتح حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں، یہاں تک کہ ہار بھی سکتی ہیں۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء میں اکثر کارکنوں نے انہیں کمر دکھائی۔ کچھ نے اس لیے بھی دکھائی تاکہ اس پر پڑے کوڑے دکھا سکیں۔ میاں نواز شریف کے اس قدر خلاف ہیں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ میاں کا نام لینا چھوڑ دیا۔ ان دنوں وہ اللہ میاں کو بھی اللہ صاحب کہنے لگیں۔ اقتدار میں آنے کے لیے مزاروں پر چادریں چڑھائیں، ایک چادر خود پر بھی چڑھا لی۔

مس پریشانی بے نظیر کم، بھٹو کی بیٹی، مرتضیٰ اور شاہ نواز کی بہن، آصف کی بیوی کم بلاول کی ماں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان میں عظیم سیاست دان بننے والی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ انہوں نے خود کو بڑی مشکل سے عظیم سیاست دان بننے سے روکا ہوا ہے اور اپنی مقبولیت کم کرنے کے لیے دن رات کام کر رہی ہیں۔ ان کا سیاسی سفر جو زیڈ-اے (ذوالفقار علی بھٹو) سے شروع ہوا اب اے-زیڈ (آصف زرداری) تک آ گیا ہے۔



# شیطان

ایک دن ایک اداکارہ نے مجھ سے پوچھا: "اس دنیا کی رنگا رنگی اور خوبصورتی کس کے دم سے ہے؟" یہ سوال کر کے وہ جواب بن کر سامنے بیٹھ گئی، لیکن جب میں نے کہا "شیطان کے دم قدم سے!" تو اس نے سر سے لے کر پاؤں تک مجھے یوں دیکھا جیسے میں نے کہا ہو "میری وجہ سے۔" شیطان سے میرا پہلی بار باقاعدہ تعارف اس دن ہوا جب میری ملاقات اپنے گاؤں کے مولوی صاحب سے ہوئی، میں نے ان کی کسی بات پر اختلاف کیا تو انہوں نے میرے والد صاحب سے کہا "آپ کا لڑکا بڑا شیطان ہو گیا ہے۔" انہوں نے ٹھیک کہا تھا کیونکہ اس دنیا میں پہلی بار اختلافِ رائے شیطان ہی نے کیا۔ یوں وہ اس دنیا میں جمہوریت کا بانی بھی ہے۔

شیطان مرد کے دماغ میں رہتا ہے اور عورت کے دل میں۔ ہر آدمی شیطان سے پناہ مانگتا ہے اور کئی لوگوں کو وہ پناہ دے بھی دیتا ہے۔ شیطان اور فرشتے میں یہ فرق ہے کہ شیطان بننے کے لیے پہلے فرشتہ ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک شیطان کا آدم کو سجدہ نہ کرنے کا تعلق ہے تو دراصل یہ سب اس کا پبلسٹی سٹنٹ تھا جس کی وجہ سے اسے اتنی شہرت ملی کہ جہاں رحمان کا نام آتا ہے وہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ ورنہ اس آدم کو تو وہ آج بھی سو سو سجدے کرنے کے لیے تیار ہے۔ میں شیطان سے کبھی نہیں گھبرایا لیکن برا آدمی دیکھ کر ہی ڈر جاتا ہوں کیونکہ شیطان بُرا فرشتہ ہے بُرا انسان نہیں۔

میں جب تک بزرگوں اور نیک لوگوں کے پاس رہتا ہوں، اپنا آپ برا لگتا ہے کیونکہ جب ان کی روزانہ نیکیوں کی گنتی سنتا ہوں تو خود کو برا سمجھنے لگتا ہوں۔ یہ تو بھلا ہو شیطان کا جس کے پاس جا کر مجھ جیسا بھی نیک لگتا ہے۔ کہتے ہیں شیطان نہ ہوتا تو کوئی برا آدمی نہ ہوتا

لیکن میں کہتا ہوں شیطان نہ ہوتا تو کوئی اچھا آدمی نہ ہوتا کہ شیطان سے ڈر کر تو سارے نیکیاں کرتے ہیں۔

اس دنیا میں شیطان اکیلا نہیں بلکہ رحمان اکیلا ہے۔ جب آدمی اچھا کام کرنے جا رہا ہو شیطان ساتھ ہوتا ہے اور جب برا کام کرنے جا رہا ہو تو وہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں لاحول ولا قوۃ پڑھو تو شیطان غائب ہو جاتا ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "کسی کو غائب کرنا کونسا مشکل کام ہے' یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔" ٹھیک کہتا ہے جب وہ بایاں ہاتھ بڑھا کر ادھار مانگتا ہے تو مقابل آنکھ جھپکتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔

شیطان کائنات کا سب سے پہلا صحافی ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کو یہ خبر دی کہ آدم زمین پر جا کر کیا کیا کرے گا! یہی نہیں وہ پہلا وکیل بھی ہے جس نے آدم کو مشورہ دیا کہ پھل کھالو پھر کوئی تم سے جنت کا قبضہ نہ لے سکے گا' ہمیشہ کے لیے یہیں رہو گے اور فیس مشورے میں جنت لے لی۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا دراصل خود کو انسان ماننا ہے۔ کیونکہ وہ صرف شیطان ہے جس نے آج تک اپنی غلطی تسلیم نہیں کی شاید اسی لیے ہم بھی آج کل اپنی غلطی نہیں مانتے۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں پہیے ہوتے ہیں' مگر سچ کے پاؤں تو ہوتے ہیں مگر سر نہیں ہوتا۔ اس دنیا کا پہلا سچ شیطان نے بولا جو یہ تھا کہ آدم زمین پر جا کر فساد برپا کرے گا۔ کہتے ہیں اکیلے آدمی کے ساتھ دوسرا شیطان ہوتا ہے۔ اسی لیے میں ساتھ ہوں' تو "ف" کہنے لگتا ہے "وہ خود کو اکیلا محسوس کر رہا ہے۔"

اس دنیا کا پورا انتظام شیطان کی وجہ سے چل رہا ہے' اگر شیطان نہ رہے تو کوئی انسان نہ رہے' سب فرشتے ہو جائیں۔ ہمیں انسان رہنے کے لیے شیطان چاہیے۔ وہ نہ ہوتا تو مولویوں اور واعظوں کے بچے بھوکے مر جاتے کہ یہی تو ان کا ذریعہ روزگار ہے۔ شیطان نہ ہو تو وہ کس کے خلاف تقریریں کریں یہ سارے حسن کے بازار' رقص و موسیقی کی محفلیں اسی کے دم قدم سے تو ہیں' یہی نہیں عبادت گاہیں بھی اسی سے پناہ مانگنے کے لیے ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو کوئی سیاست دان اور شاعر نہ ہوتا۔ عورت کا تو کوئی کام ہی نہ رہ جاتا۔ کہتے ہیں عورت زمین پر شیطان کی ایجنٹ ہے۔ یہ ٹھیک لگتا ہے کیونکہ شیطان بھی تو مذکر ہی ہے۔

شیطان سب سے اچھا فرشتہ تھا مگر برا تب بنا جب وہ بول پڑا' اسی لیے پیدا ہونے والے بچے فرشتے ہوتے ہیں کیونکہ انہیں بولنا نہیں آتا اور جونہی وہ فر فر بولنے لگتے ہیں ماں باپ



کہتے ہیں یہ شیطان ہو گئے ہیں۔

انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ بندے کے پاس شیطان ہے اور جانوروں کے پاس رحمان تو ہے مگر شیطان نہیں۔ شیطان نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ورنہ تو وہ ایک سماجی جانور رہے۔ جس دن جانوروں کو یہ شعور مل گیا کہ ایک شیطان کی راہ ہے اور ایک رحمان کی۔ اپنی مرضی سے جو چاہو چن لو' اسی دن جانور بھی اشرف المخلوقات میں سے ہو جائیں گے۔ "ف" کہتا ہے: "جانور تو سگریٹ بھی نہیں پیتے' جھوٹ بھی نہیں بولتے' وہ اشرف المخلوقات کیسے بن سکتے ہیں؟"

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر کتابیں اتاریں' کچھ ادیبوں کی کتابیں پڑھ کر تو لگتا ہے شیطان نے بھی اپنے برگزیدہ بندوں پر کتابیں اتاری ہیں۔ شیطان کی عمر کیا ہے؟ وہ بوڑھا ہے یا ادھیڑ عمر! میں نہیں جانتا لیکن اتنا پتہ ہے کہ اسے وہ سب پسند ہے جو صرف جوانی میں ہی پسند کیا جا سکتا ہے۔

وہ جگہیں جہاں صرف خدا کو یاد کیا جاتا ہے' وہ ویگنیں یا بسیں ہیں ورنہ عبادت گاہوں میں تو زیادہ تر شیطان ہی کے بارے میں تلقین ہوتی ہے۔ بڑے بوڑھے بچوں کو ابتداء ہی سے شیطان سے ڈرانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان کا ادب کرتے رہیں۔

میرا دوست "ف" کسی اداکارہ کو برتھ ڈے پر بھی برتھ ڈے سوٹ میں دیکھ لے تو شیطان کو برا بھلا کہنے لگتا ہے اور آج کل وہ دن رات شیطان کو برا بھلا کہنے کے مواقع ڈھونڈتا رہتا ہے۔ ویسے اگر شیطان نہ ہوتا تو اردو ادب کو بڑا نقصان پہنچتا' ڈاکٹر شفیق الرحمان مزاح نگار کیسے بنتے!

شیطان انسان کا دوست ہے یا دشمن' اس کا تو پتہ نہیں۔ اتنا پتہ ہے کہ دوست اپنی برائی آپ کے نام لگا کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں جبکہ آپ برائی کر کے شیطان کو بری الذمہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں مولوی حضرات ہمیں دنیا میں ہر اس چیز سے منع کرتے ہیں جسے حاصل کرنے کے لیے ہی وہ جنت میں جانا چاہتے ہیں' حالانکہ جنت اور دنیا کا بڑا فرق ہی یہ ہے کہ جنت میں شیطان نہ ہوگا۔

شیطان کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے موت نہیں آتی' ورنہ وہ اتنا شیطان نہ ہوتا۔ پہلے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو شیطان بنا' اب اسے شیطان رہنے

کے لیے آدم کو روز سجدہ کرنا پڑتا ہے۔

جس دن انسان نے پہلی بار کسی دوسرے کی دھڑکن سنی اور اس نے چاہا کہ یہ آوا
دوسروں کو سنائے تو اس نے ڈھول بنایا۔ پچھلے ہفتے میں اپنے گاؤں گیا تو ڈھول کی دھڑکن
گاؤں کے سینے میں صاف سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں نے ایک پہلوان کو کاندھوں پر اٹھا
رکھا تھا اور دنگل جیتنے کی خوشی میں اس کے گلے میں ہار ڈال رہے تھے۔ جو یہ دنگل ہارا تھا
سر جھکائے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مجھے عجیب سا لگا کہ کاندھوں پر تو اسے اٹھانا چاہیے جس کی
وجہ سے سب کو یہ خوشی نصیب ہوئی۔ اگر وہ نہ ہوتا تو جسے سب لوگوں نے کاندھے پر اٹھا
رکھا تھا' کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ آج انسان اشرف المخلوقات ہے' اسے اگر تمام مخلوقات
نے اس رتبے کی وجہ سے کاندھوں پر بٹھایا ہے تو صرف اس لیے کہ یہ شیطان سے دنگل
جیتتا رہتا ہے۔ اس لیے شیطان کی سلامتی کی دعا مانگنا چاہیے کیونکہ اس کی سلامتی کی دعا
ہماری بلند قامتی کی دعا ہے۔



# دکن کی طوائف

وہ پیدائشی طوائف ہے اس لیے جب بھی بات کرے گی یہ کہہ کر شروع کرے گی
"عرض کیا ہے!" طوائف کو سننے کے لیے دولت چاہیے' علم بھی دولت ہے اس لیے اسے
سننے کے لیے جیب خالی ہو تو ہو' سر خالی نہیں ہونا چاہیے۔ قصیدہ اس کی ماں اور ردو کی اس کا
باپ تھا۔ فارسی میں پیدا ہوئی تو اس کا نام غزل رکھا گیا۔ ولی دکنی اس کا باوا آدم ہے جو اسے
فارسی سے زمین اردو پر لایا۔ اس زمانے میں بھی اس کے ساتھ تعلق رکھنے والا شریف کی
جائے شاعر کہلایا' آج بھی یہی کہلاتا ہے اور اس کا مجرا مشاعرہ کہلاتا ہے۔

ہر شخص نے اسے حرم زدگی کے بعد اپنا نام دیا مگر سب نے اسے اپنے اصلی نام کی
جائے کوئی اور نام ہی بتایا اور خود کو مخلص ظاہر کرنے کے لیے اس نام کو تخلص کہا۔ غزل کا
انداز بھی طوائفوں والا رہا۔ جس نے تنہائی میں اسے پڑھا یہی سمجھا یہ صرف میرے لیے
ہے۔ تنقید ادب کا شعبہ پولیس ہے جس نے چھاپے مار مار کر کئی لوگوں سے اسے چھڑوایا' بااثر
[illegible] کو سپلائی بھی کیا۔

غزل اور نظم میں وہی فرق ہے جو محبوبہ اور منکوحہ میں ہے۔ نظم میں بڑا نظم و ضبط ہوتا
ہے' نظم' سنانے والے کا اور ضبط سننے والے کا۔ نثر تو نری شریف زادی ہے جو باتیں آپ
[illegible]ل میں کہہ دیتے ہیں' نثر میں کہہ دیں تو آپ کو کوڑے پڑ جائیں۔

جس معاشرے میں شاعری نہ پڑھی جائے وہ معاشرہ بڑا ظالم ہوتا ہے اور جس میں
شاعری نہ کی جائے وہ بڑا مظلوم ہوتا ہے۔ شاعر تو بے چارہ کھانا بدوش ہے۔ وہ خوابوں کے
محل بناتا ہے' نقاد ان محلوں کو کرائے پر چڑھا دیتا ہے' جبکہ پبلشران کا کرایہ وصول کرتا ہے۔
شاعری امن کی علامت ہے۔ "ف" کہتا ہے "واقعی پہلے جو چھوٹی چھوٹی بات پر ایک

دوسرے کو گالیاں دیتے‘ اب ایسی بات ہو تو ایک دوسرے کو اپنے شعر ہی سناتے ہیں۔“ یہی نہیں شاعروں کے ساتھ رہنے سے بندہ پرامن ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کی اولاد کو کبھی ان کے مرنے کے بعد جائیداد پر جھگڑتے نہیں دیکھا‘ جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر امن پسند ہوتے ہیں کہ وجہ لڑائی چھوڑتے ہی نہیں۔

کہتے ہیں پانی پینے والے شاعر کی شاعری زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتی۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو پھر یہ بھی غلط نہیں کہ شراب پینے والا شاعر خود زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہتا۔ اگر کوئی شاعر بہت گھٹیا شعر سن کر بھی شرمندہ اور پریشان نہ ہو تو اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے‘ وہ یہ کہ یہ شعر اس کا اپنا ہو گا۔

ہمارے شاعروں کے قدم سڑک پر اور خیال آسمان پر ہوتا ہے۔ اکثر جب خیال سڑک پر آتا ہے‘ قدم آسمان پر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ شاعری کرنا بہت مشکل ہے اور اس سے مشکل اگر کوئی کام ہے تو وہ ہے شاعری پڑھنا۔ میرا ایک دوست تو شاعری کی ایک کتاب پڑھ کر درخت کاٹنے کے خلاف ہو گیا۔ جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ ان درختوں کو کاٹ کر ان سے کاغذ بنایا جاتا ہے جس پر ایسی کتابیں چھپتی ہیں۔ ویسے اچھی غزلوں کی کتاب وہ ہوتی ہے جسے پڑھنے میں اتنی ہی دیر لگے جتنی دیر اسے لکھنے میں لگی۔

”ف“ کہتا ہے: ”مشاعرے میں پڑھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔“ حالانکہ مشاعرے میں نہ پڑھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ وہ کہتا ہے ”میں کئی مشاعروں میں پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ شاعری کتابی صورت میں دوسروں تک پہنچانا زیادہ محفوظ طریقہ کار ہے کہ اس میں چوٹ لگنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔“ ویسے لوگ اس کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ جونہی وہ مشاعرہ پڑھنے کے لیے اٹھتا‘ سارا ہال اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس کا مقطع تو اس قدر پسند کیا جاتا کہ جونہی وہ اپنی غزل کا پہلا شعر سناتا‘ آوازیں آنے لگتیں ”مقطع! مقطع!......“

ہر شعر کے تین مطلب ہوتے ہیں‘ ایک شاعر کا‘ دوسرا آپ کا اور تیسرا شعر کا اصل مطلب۔ جو کسی شاعر پر زیادتی کرنا چاہیں‘ وہ اس کے اچھے شعر پر داد نہیں دیتے اور جو مزید زیادتی کرنا چاہیں وہ برے شعر پر داد دینے لگتے۔

شاعر جوانی میں کئی سال بعد بھی گھر جائے تو وہاں جا کر وہ جو دوسرا کام کرے گا وہ بیوی کو شعر سنانا ہی ہو گا اور اگر بوڑھا ہوا تو پہلا کام بھی یہی ہو گا۔ اکثر شاعروں کی غزلیں دور دور



گائی جاتی ہیں۔ اگر چند گھڑی ان کے پاس بیٹھ جائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ دور دور گائی جاتی ہیں؟

میرا دوست ”ف“ کہتا ہے ”میری بیوی میری کتابوں کی روشنی میں اپنا راستہ متعین [illegible]لی ہے۔“ واقعی یہ میں نے خود دیکھا ہے۔ ایک دن جب ان کے ہاں بجلی بند ہو گئی تو اس کی [illegible]اس کی کتاب کی روشنی میں خود کو ہی نہیں سارے بچوں کو بھی رستہ دکھا رہی تھی۔ ابھی [illegible]کی کتاب ہی روشن ہوئی تھی کہ بجلی آ گئی۔ وہ کہتا ہے ”میری بیوی شاعری کی کتابوں کا اتنا [illegible]احترام کرتی ہے‘ جتنا آسمانی کتابوں کا۔“ واقعی گھر میں وہ انہیں اتنی بلند جگہ پر رکھتی ہے [illegible]بچوں اور اس کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ ویسے ”ف“ کی غزلوں کی زبان ایسی ہے کہ بے اختیار [illegible]سے دعا نکلتی ہے اللہ اس کی زبان دراز کرے۔

دنیا کا سب سے خوبصورت تہہ در تہہ شعر خاموشی ہے کہ ہر کوئی اس سے اپنی مرضی [illegible]طلب نکال کر محظوظ اور محفوظ ہو سکتا ہے۔ ہمارے مشاعروں نے بڑی حکیمانہ شاعری کی [illegible]کہ حکیموں کی مسلسل دوائیوں سے بھی جن کو بے خوابی اور نیند نہ آنے کی بیماری سے [illegible]نہ ملی انہیں ایک ہی غزل سے افاقہ ہوا۔ آج کل سنا ہے عالم چنا بھی شاعری شروع [illegible]ہے‘ چلو اس کی وجہ سے ہم یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہمارے ہاں کوئی عالمی قد کا شاعر ہے۔

کہتے ہیں عورتوں سے باتیں کرنا غزل کہلاتا ہے تو پھر عورتوں کا باتیں کرنا نثری نظم [illegible]یوں دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس نے غزل نہ کہی ہو یعنی جس نے عورت سے بات [illegible]کی ہو۔ غزل عورت کی سطر پوشی ہے۔ یوں یہ زنانہ صنف سخن ہے۔ شاید اسی لیے اس میں [illegible]اتنا ہی خیال رکھنا پڑتا ہے جتنا عورتوں کو اپنے وزن کا۔ ”ف“ کہتا ہے کہ ہمارے ہاں [illegible]کر یہ نہیں لگتا کہ شاعر تنہائی میں عورت سے باتیں کر رہا ہے‘ بلکہ لگتا ہے عورتوں [illegible]شاعر سے خطاب کر رہا ہے۔

غزل تو لفظوں سے بنی خوبصورت پینٹنگ ہے جو ویسی ہی لگے گی جیسا دیکھنے والا ہو گا۔ [illegible]اس کا بدن اور لفظ اس کا لباس ہے‘ اسی لیے کم سے کم لفظوں میں زیادہ بھلی لگتی ہے۔ [illegible]نے کبھی شاعری نہیں کی وہ اس پرندے کی طرح ہے جس نے کبھی پرواز نہیں کی۔ جب [illegible]انسان شاعری کرتا رہتا ہے وہ جوان رہتا ہے اور جب تک انسان جوان ہوتا رہے گا [illegible]ی ہوتی رہے گی۔

# فن کالیبر رُوم

فن و ثقافت سے وابستہ جو شخص یہ کہے کہ میں اعظم خورشید کو نہیں جانتا' وہ جھو[illegible] بول رہا ہے اور جو یہ دعویٰ کرے کہ میں اسے جانتا ہوں وہ بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ [illegible] مشکل آدمی ہے اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ بڑا آسان لگتا ہے۔ شکل و صورت سے [illegible] بیٹا اور کام سے اپنا باپ لگتا ہے۔ لباس کے معاملے میں اس قدر محتاط کہ رات کو سوتے و[illegible] پہلو بعد میں بدلتا ہے' لباس پہلے بدل لیتا ہے۔ وہ تو جس کے پاس بیٹھے اس نے جو ساڑھی [illegible] پہنی ہو' شام کو بدلی ہو گی۔ اگر ساڑھی وہی ہے تو پہننے والی بدلی ہو گی۔ خوبصورتی سے اس [illegible] لگاؤ ہے کہ جس کام کا نتیجہ خوبصورت نہ ہو اس کام کو غلط سمجھتا ہے۔

اعظم خورشید آئینے کی طرح ہے اور آج تک کوئی آئینہ ایسا نہیں بنا جس نے عور[illegible] سے کہا ہو کہ تم خوبصورت نہیں۔ عورت کے منہ پر سچ کہنا دراصل اسے برا بھلا کہنا ہے [illegible] جو شخص کہے میں نے کبھی عورت سے جھوٹ نہیں بولا' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساری [illegible] عورت سے نہیں بولا۔ اعظم خورشید اپنے بارے میں اس قدر سچ بولتا ہے کہ جھوٹا لگتا [illegible] اس کی گھڑی ٹائم صحیح بتائے نہ بتائے' ڈیٹ صحیح بتائے گی' اسی لیے جب بھی گھڑی دیکھے گ[illegible] جاننے کے لیے کہ اب کون سی ڈیٹ کا وقت ہے۔ اس کی لائف ہسٹری ذرا سی ایڈٹ کر[illegible] جائے تو حسینہ معین کی کئی سیریلز بن سکتی ہیں۔

موڈ میں ہو تو گیت سنائے گا' تعریف کرو تو اور سنائے گا' نہ کرو تو بھی اور سنائے گا کہ [illegible] پہلے سے بہتر ہے۔ ایک سگریٹ پینے میں پندرہ منٹ لگا دے گا۔ "ف" بھی اتنی ہی دیر [illegible] ہے لیکن اس میں چودہ منٹ سگریٹ مانگنے کے ہوتے ہیں۔



[illegible] اپنے کسی ذاتی مسئلے کے لیے پانچ منٹ سے زیادہ پریشان نہیں ہوتا۔ اگر وہ کسی ذاتی [illegible] کے لیے اس سے زیادہ پریشان رہے تو یقین کر لیں یہ مسئلہ ذاتی تو ہے مگر کسی اور کا۔ [illegible] ایسا پاکستان کی آدھی آبادی کے مسئلے حل کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ آدھی آبادی [illegible] کیونکہ پاکستان میں اتنی ہی عورتیں ہیں۔

اس کی صحت کا راز رات کو دیر سے سونے اور صبح دیر سے اٹھنے میں ہے۔ یوں بھی [illegible] میں جو جلدی سوئے اور صبح جلدی اٹھ جائے' محلے والے اس پر شک کرنے لگتے ہیں۔ [illegible] خود پسند ہے کہ پوچھو "تم نے خوب دوبئی کی سیر کی؟" تو کہے گا "ہاں میں نے خوب [illegible] کو سیر کرائی" وہ نئے انداز سے بات کرتا ہے۔ کوئی کہے کہ سالن میں نمک زیادہ ہے تو وہ [illegible] ہاں اس نمک میں سالن کم ہے۔

[illegible] ٹی وی پروڈیوسرز ہوم ورک کے بہت قائل ہیں۔ اس لیے جن کو ڈراموں میں کام [illegible] ہیں ان سے "ہوم ورک" بھی کراتے ہیں۔ اعظم جانتا ہے کہ ہر زمانے میں ہدایت [illegible] اوپر سے اتری' اس لیے ٹی وی کا افسر ہوتے ہوئے وہی کرتا ہے جس کی ہدایت اوپر سے [illegible] ہے۔

اعظم خورشید شعر کہتا نہیں' شعر پیدا کرتا ہے مگر "بڑے آپریشن" سے! جو لفظ [illegible] کی سمجھ میں نہ آئے گفتگو میں استعمال نہیں کرتا' نظم میں کرتا ہے۔ اس کی شاعری [illegible] طرح کی ہے یعنی مشکل اور خوش شکل! سنا ہے آج کل وہ اپنی نظموں کو منظوم کرنے [illegible] میں سوچ رہا ہے۔ اس کے شعر سے بندہ چار بار محظوظ ہوتا ہے۔ ایک بار جب وہ [illegible] ناتا ہے' دوسری بار اس وقت جب آدمی سنتا ہے' تیسری بار جب یہ شعر سمجھاتا ہے اور [illegible] بار جب بندے کو شعر کی سمجھ آتی ہے۔ ہمیشہ اپنا غیر مطبوعہ کلام سناتا ہے جسے سن کر [illegible] سمجھ آئے نہ آئے اس کے غیر مطبوعہ ہونے کی سمجھ آ جاتی ہے۔

جن میاں بیوی میں کبھی جھگڑا نہیں ہوا' مجھے ان پر ترس آتا ہے کیونکہ اس کی ایک [illegible] ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے آج تک ایک دوسرے کو میاں بیوی تسلیم ہی [illegible] کیا۔ عبیدہ اعظم اور خورشید اعظم کے تعلقات سے ایسا ہی لگتا ہے۔ عبیدہ اس کی بیوی [illegible] ہے مگر ہونے والی۔ آدمی جس نظر سے دوسروں کی بیویوں کو دیکھتا ہے اس نظر سے [illegible] اپنی بیوی کو دیکھ لے تو ایک ہفتہ کی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ضمانت میں دے سکتا

ہوں۔ اگر زیادہ بار دیکھ لیا تو پھر خوشگوار ازدواجی زندگی واقعی ایک ہفتہ ہی ہو گی۔ اکثر دوست عبیدہ اور اعظم کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں۔ ان کی پریشانی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ دونوں کبھی پریشان نہیں ہوتے۔

گھر میں اعظم کا کمرہ آپ کو ایک نامکمل سا عجائب گھر لگے گا جو آپ کے جاتے ہی مکمل ہو جائے گا۔ اس کمرے میں سکوں سے لے کر سکون تک اور ذرے سے لے کر خورشید تک بڑی نایاب کولیکشن ہے۔ اسے پرانی چیزوں سے بہت لگاؤ ہے جس کی وجہ سمجھ میں آئے نہ آئے' اس کی کامیاب ازدواجی زندگی کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے۔ حالانکہ بیوی جتنی پرانی ہو اتنی ہی پرائی ہوتی ہے' لیکن وہ عجیب شخص ہے کہ اس عمر میں بھی اس کے پاس بیوی سے چھپانے کو کچھ نہیں' حالانکہ جس لڑکی کے پاس شادی سے پہلے کچھ چھپانے کو نہ ہو اور جس مرد کے پاس شادی کے بعد کچھ چھپانے کو نہ ہو' ان دونوں کا میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔

اعظم خورشید جوان ہے یا بوڑھا' مجھے معلوم نہیں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں جو شخص ایک وقت میں ایک سے زیادہ لڑکیوں سے دوستی کرے' وہ بوڑھا نہیں ہو سکتا اور جو ایک وقت میں ایک سے زیادہ لڑکیوں سے دوستی نبھائے' وہ نوجوان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ شاعروں اور اداکاروں کو عزت دیتا ہے۔ ظاہر ہے دوسروں کو وہی چیز دی جاتی ہے جو ان کے پاس نہیں ہوتی' مگر کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ اس نے تو کبھی کسی لڑکی سے یہ نہیں کہا کہ دو ہاتھ! ہمیشہ کہا لو ہاتھ! وہ شاعر ہے مگر یہ دعا نہیں مانگتا کہ چاند اس کے گھر میں اترے' وہ خود چاند کے گھر میں اتر جاتا ہے۔ اگر آپ اسے پسند ہیں تو بڑی دیر بٹھانے کے بعد آپ کا کام کرے گا اور اگر ناپسند ہیں تو آپ کے بیٹھنے سے پہلے ہی آپ کا کام کر دے گا۔

اعظم خورشید کو خوبصورتی سے عشق ہے اور ایک دن وہ خود کو آئینے میں دیکھ کر اپنے آپ پر عاشق ہو گیا۔ اس دن سے اپنے بالوں میں یوں انگلیاں پھیرتا ہے جیسے محبوب کے بالوں میں پھیر رہا ہو۔ اب تو اس نے شیشے کے سامنے کپڑے بدلنے شروع کر دیے ہیں۔ اپنے دوستوں کی طرح خود کو بڑی لفٹ کرانے لگا ہے۔ جیسے امجد اسلام امجد اپنے ہر بال پر ایک منٹ لگاتا ہے' یوں اسے صرف بال سنوارنے میں پورے دس منٹ لگتے ہیں' مگر اعظم خورشید نے بال چھوٹے کرا لیے ہیں کہ بال اور قدم چھوٹے ہوں تو گرنے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔



جیسے اظہر جاوید کسی لڑکی کی تحریر اپنے رسالے میں نہ چھاپے تو اس سے اس کا رائٹر ...نا' فلوک نہیں ہوتا جتنا لڑکی ہونا! ایسے ہی جس سے اعظم تنہائی میں ملنے سے گھبرائے' ...اس کو شک کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اعظم خورشید گلوکار' موسیقار' اداکار' صداکار' مصور' مجسمہ ...ر یا ڈائریکٹر کس حیثیت میں سب سے اچھا ہے؟ تو میں کہوں گا وہ بحیثیت اعظم ...ب سے اچھا ہے۔ اسے ملنے کے بعد آپ کو اس سے محبت ہو نہ ہو' زندگی سے ...محبت ہو جائے گی۔

# ادبی معمہ

نام انور سجاد' کبھی کبھی خود کو سید انور سجاد لکھتا ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کبھی سید بھی ہوتا ہے جیسے اصغر ندیم سید اپنے نام کے ساتھ سید بعد میں اس لیے نہیں لگاتا کہ وہ سید بعد میں بنا۔ انور سجاد نے جو کچھ کیا' اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے نہیں' انہیں چھپانے کے لیے کیا۔ اور اس میں اس قدر صلاحیتیں ہیں کہ ان کو چھپانے کے لیے اسے افسانہ نگاری' مصوری' ڈرامہ نگاری' اداکاری' ہدایت کاری اور ڈاکٹری کرنا پڑی' البتہ یہ پتہ نہیں' ڈانسر کس صلاحیت کو چھپانے کے لیے بننا پڑا!!

تعلق ایسے گھرانے سے جس میں اگر کوئی شخص شعر سنانے لگتا تو اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جایا جاتا۔ یوں یہ لڑکپن میں شعر سناتے ہوئے بہت شرمندگی محسوس کرتا جس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی کہ یہ شعر اس کے اپنے ہوتے۔

عمر کے اس مقام پر ہے جہاں آرٹسٹ کا چہرہ ایسا ہو جاتا ہے کہ دیکھ کر لگتا ہے جیسے اس نے خود بنایا ہے۔ قد ایسا کہ جب تک کھڑا نہ ہو ٹانگیں زمین تک نہیں پہنچتیں۔ پاس ہو تو سب سے آخر میں اور دور ہو تو سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ نظر کی عینک لگاتا ہے تاکہ لوگوں کو دور سے پہچان سکے' جس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب لوگ اسے دور سے پہچان لیتے ہیں۔ دوران گفتگو آدھا فقرہ منہ سے اور آدھا ہاتھوں سے ادا کرتا ہے۔ چال دیکھ کر لگتا ہے کوئی چال چل رہا ہے۔ چپ ہو تو مجسمہ لگتا ہے' بول رہا ہو تو سننے والا مجسمہ لگنے لگتا ہے۔ سنتا سب کی ہے مگر سمجھتا اپنی ہی ہے۔ کہتے ہیں دنیا میں تبدیلی سے زیادہ مستقل چیز کوئی نہیں اور اسے تبدیلی اس قدر پسند رہی کہ جب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا' ہر سال اپنے تمام کلاس فیلوز بدل لیتا تھا۔ آخر کار ڈاکٹر بننے کے بعد اس نے تہیہ کیا کہ آئندہ



…ڈاکٹر نہیں بنوں گا۔ کالج ہمیشہ اس نیت سے گیا جس سے مولوی حضرات جنت جانا …ہتے ہیں۔ وراثت میں والد صاحب کی طرف سے جس جائیداد کا انتقال اس کے نام ہوا' وہ …وں مریض تھے۔ اسے اپنے آپ سے اس قدر محبت ہے کہ کوئی دوسرا اس سے محبت …ے تو اسے اپنا رقیب سمجھنے لگتا ہے۔ دوست اسے سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ ویسے بھی ڈاکٹر …نجیدگی سے سن رہا ہو وہ مریض ہی ہو سکتا ہے۔ اسے مختصر چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ اسے …لا تو وجہ بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔

آج کل افسانوں میں جو علامتیں استعمال ہوتی ہیں' یہ وہ علامتیں ہیں جنہیں بتا کر بندہ …ت دوائی لے سکتا ہے۔ طویل مختصر افسانہ وہ ہوتا ہے جو لکھنے میں مختصر اور پڑھنے میں طویل ہو۔ جب کہ علامتی افسانہ وہ ہوتا ہے جس کا مطلب قاری افسانہ نگار کو بتاتا ہے۔ ڈاکٹر …سجاد افسانہ لکھنے کے بعد اسے پڑھتا ہے' اگر سمجھ میں آجائے تو رکھ لیتا ہے ورنہ چھپوا دیتا ہے۔ دوسروں کے افسانے بندہ سارا دن پڑھتا ہے اور اس کا افسانہ سارے دن میں پڑھتا ہے۔ ایک پوری نسل نے انور سجاد کے سٹائل پر افسانہ لکھنے کی کوشش کی' جس کی وجہ یہ نسل …الی ہے کہ علامتی افسانہ پڑھنے کی نسبت لکھنا آسان ہوتا ہے۔ اگر آپ افسانہ پڑھ کر …ن ہوں تو اس کی ایک ہی وجہ ہے وہ یہ کہ آپ نے توجہ سے پڑھا نہیں۔ ویسے ایسا …ن افسانہ بھی لکھا جا سکتا ہے جسے پڑھ کر قاری عش عش کر اٹھے اور اس کے لیے صرف …ات ضروری ہے وہ یہ کہ قاری لکھنے والا خود ہو۔

…تے ہیں جو عورت آپ کو اچھی لگے وہ خوبصورت اور جسے آپ اچھے لگیں خوب …تی ہے۔ وہ عورت جو اپنے حسن سے لوگوں کو متاثر کرے اسے حسینہ اور جو …کے حسن سے آپ کو متاثر کرے اسے حسینہ معین کہتے ہیں۔ انور سجاد بھی اپنے …اے میں خوبصورت چہرہ دیکھنا چاہے اس میں خود اداکاری کر لیتا ہے۔ وہ ڈرامے میں …رے وہ ہٹ ہو جاتا ہے اگر رول نہ کرے تو ڈرامہ ہٹ ہو جاتا ہے۔

…الٹر ہے اور پھر یہ اسپیشلائزیشن کا دور ہے۔ اس لیے اسے کسی عورت کی بائیں آنکھ …ل ہوتا ہے تو کسی کے دائیں کان سے۔ آج تک وہ کسی عورت کو مکمل طور پر ناپسند …ا۔ اگر کسی لڑکی سے ناراض ہو جائے تو اس کا نیچے کا ہونٹ اور نیچے آ کر پھڑکنے لگتا …وقت تک پھڑکتا رہتا ہے جب تک لڑکی کو ناراض نہ کر لے۔

غصے میں نہیں لکھ سکتا' اس لیے پینٹنگ کرنے لگتا ہے اور اچھا فن پارہ وہی ہوتا ہے
دیکھ کر بندے کے وہی احساسات ہوں جو بناتے وقت فن کار کے تھے۔ تنہائی میں کام کرتا
اور وہ "روم" جہاں دنیا کے ہر بندے کو تنہائی میسر ہوتی ہے' یہی اس کا سٹوڈیو ہے۔ اس
بدقسمتی یہ ہے کہ وہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا' اور اس کی خوش قسمتی بھی یہی ہے۔ وہ
چلا رہا ہو تو صرف اسے پتہ ہوتا ہے' کار چلا رہا ہے دوسرے سمجھتے ہیں ہوائی جہاز چلا رہا ہے۔

آسان بات بڑی آسانی سے مشکل بنا دیتا ہے۔ وقت کا اس قدر پابند ہے کہ
کہیں پہنچنے میں اسے دیر ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ بتانے وقت پر پہنچ جائے گا کہ میں
وقت پر نہ پہنچ سکوں۔

شہرت کے لیے کسی نام کا سہارا نہیں لیا' بلکہ کئی انگریزوں کی تحریروں کو اپنے
سہارا دیا۔ پھر بھی اردو کے ان ادیبوں میں سے نہیں جن کی کتابیں ہاٹ کیک کی طرح بکتی
یعنی اسّی نوے روپے کلو!

انور سجاد کا کوئی دوست نہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں کسی کو سر آنکھوں پر بٹھاتا ہو
یقین کر لیں اس کا اشارہ عینک کی طرف ہے ان لوگوں کے پاس بھی بیٹھتا ہے جن کے
سے لوگ صرف اٹھتے ہیں۔

ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے۔ اسے کوئی سزا دی جا سکتی ہے تو وہ ہے "آرام کر
کئی اداکاروں اور فنکاروں کے حالات سنوارنے کے لیے کام کرتا رہا۔ ایک اداکارہ
حالات سنوارنے میں کامیاب بھی ہوا۔ انور سجاد کا کام اتنا ہے کہ ایک بار ہمسایہ ملک
دورے پر جانے سے پہلے اس نے انہیں اپنی تخلیقی کاوشوں کی فہرست بھیجی تو انہوں
اپنے سفارت خانے کو لکھا کہ پتا کرو کتنے آدمی ہیں؟"

انور سجاد وہ نہیں کرتا جو سب کرتے ہیں۔ وہ تو اس راستے سے گھر میں داخل
ہوتا جس سے دوسرے داخل ہوتے ہیں اور جب کبھی دن کو گھر آ جائے تو ملازم
بتاتے ہیں کہ رات والے صاحب آئے ہیں۔ انور سجاد ان لوگوں میں سے ہے جو جنت
جانے کی کوشش کرنے کی بجائے دوزخ کو ایئر کنڈیشن کرنے کا سوچتے ہیں۔ میں تو
تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر پاکستان میں مرد بچے پیدا کرنے لگے تو یہ تخلیقی کام کرنے
سب سے پہلا مرد انور سجاد ہو گا۔



# حوا کی بیٹی

وا کی بیٹی دنیا میں دو بار جنم لیتی ہے۔ ایک بار ماں کے پیٹ سے اور دوسری بار ڈولی کے
ے' مگر ہمارے ہاں پہلی اور دوسری پیدائش میں کوئی خاص فرق نہیں یعنی دونوں بار
نے کی تاریخ جگہ اور لوگوں کے انتخاب میں اس کی رائے نہیں لی جاتی۔

اس کا جسم گولائیوں سے مل کر بنا ہے جبکہ آدمی کا زاویوں سے۔ اس کا وجود پیاز کی
ہے جتنی مرضی پرتیں اتاریں پھر بھی کوئی نہ کوئی موجود ہو گی بلکہ یہ خود بھی اس وقت
جود ہو گی جب تک کوئی نہ کوئی پرت ہو گی۔

نیا کی سب سے پہلی عورت' مرد تھی پھر اسے حضرت آدم کے سینے سے علیحدہ کیا گیا
دم کے علاوہ دنیا کا ہر مرد پہلے عورت ہوتا ہے نو مہینے بعد وہ اس کے جسم سے علیحدہ ہوتا
س لیے ساری زندگی اسے سب سے زیادہ کشش اپنے اصل ہی کی ہے۔ حوا تو وہ سیڑھی
کے ذریعے انسان عرش سے فرش پر اترتا ہے اور باقی ساری زندگی واپس چڑھنے کا
تا ہے۔

تن اور مرد میں وہی فرق ہے جو پھل اور بیج میں۔ پھل میں ذائقہ اور کئی بیج ہوتے
بیج میں پورا شجر۔ وہ آئینے کی طرح ہے یعنی اس میں وہی نظر آتا ہے جو اس وقت اس
نے ہوتا ہے۔

وہ اس دنیا کی سب سے پہلی تخلیق کار ہے مگر اپنی تخلیق' مرد کے ہاتھوں تنگ ہے۔
اس کا خدا (مجازی) ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔

اسے خوش کرنا سب سے آسان اور اسے خوش رکھنا سب سے مشکل ہے۔ اس
ل کرنا آرٹ اور اسے رکھنا سائنس ہے۔ اسے وہ سب سے زیادہ جانتا ہے جس کو یہ پتہ

ہے کہ وہ ابھی اسے نہیں جانتا۔

خاموشی ایک لباس ہے شاید اسی لیے عورتوں کو پسند نہیں۔ کہتے ہیں مرد اس وقت مرتا ہے جب اس کی نبض رک جائے اور عورت اس وقت جب اس کی زبان رُک جائے۔ زبان اس کے جسم کا سب سے سخت عضو ہے۔ دنیا کے آدھے مسائل حوا کے پیدا کردہ ہیں اور آدھے ان مسائل کو سلجھانے کی کوشش میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ آنکھوں سے زیادہ کانوں استعمال کرتی ہے اور مرد کانوں سے زیادہ آنکھوں کا۔

اگرچہ شادی عورتوں کو مردوں میں برابر برابر تقسیم کرنے کا نام ہے پھر بھی حوا کی بیٹی کی آدھی عمر شادی کے انتظار میں گزرتی ہے اور باقی اس کی یاد میں۔ کہتے ہیں مرد محبت کے لیے شادی کرتا ہے اور عورت شادی کے لیے محبت۔

عورت اس دنیا کی خوبصورت بدصورتی ہے اور مرد بدصورت خوبصورتی۔ اس دنیا عورت کی سب سے بڑی محافظ اس کی بدصورتی ہے اور وہ سب سے خوبصورت اس وقت ہوتی ہے جب حاملہ ہو۔ مسکراہٹ اس کے چہرے کا نقاب ہے اور نقاب میں اصلی چہرا نہیں آتا۔ اس کے لیے سب سے بڑی گالی یہ ہے کہ تم بوڑھی ہو۔ وہ میک اپ جس میں سب سے خوبصورت لگتی ہے "خوشی" ہے اس کا لباس اس کے جسم کی روح ہے۔

حوا کی بیٹی اس دنیا میں اللہ کا سب سے بڑا اور حسین انعام ہے اسی لیے ہر کوئی چاہتا ہے سب سے پہلے یہ انعام اسے مل جائے۔ اچھی بری عورت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کس بات پر خوش ہوتی ہے۔ اس کے بناؤ سنگھار اور اطوار سے پتا چل جاتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ دنیا میں جو دوسروں کو اس کی عزت نہیں کرنے دیتا وہ یہ خود ہے۔ یہ مرد کو بے وقوف جانتی ہے اور مرد اسے بے وقوف مانتا ہے۔ عورت سب سے طاقتور اس وقت ہوتی ہے جب مرد اسے کمزور کہے۔ مرد اس وقت بوڑھا ہوتا ہے جب وہ محسوس کرے اور عورت اس وقت بوڑھی ہوتی ہے جب دوسرے محسوس کریں۔

کہتے ہیں حوا دنیا میں شیطان کی ایجنٹ ہے یہ بات درست لگتی ہے۔ کیونکہ شیطان تو مذکر ہی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عورتوں کی بہترین خصلتیں وہ ہیں جو مردوں کی بدترین صفتیں ہیں۔ غرور، بزدلی اور کنجوسی۔

تاریخ گواہ ہے مرد دنیا میں سب سے زیادہ عورت سے متاثر ہوا۔ اس سے زیادہ



لی ہنگ بھی متاثر نہ کر سکی لیکن "ف" کہتا ہے عورت بچاری کیا کر سکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ جنت سے نکلوا سکتی ہے۔ اس بچاری کو تو اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے بھی ایک مرد پیدا کرنا پڑتا ہے۔ ویسے حوا کی بیٹی نے مرد کو بڑے بڑے مسائل سے بچایا وہ اس کو چھوٹے چھوٹے مسائل میں اتنا مصروف رکھتی ہے کہ اس کے پاس وقت ہی نہیں رہتا کہ وہ بڑے بڑے مسئلوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو۔

کام کے معاملے میں مرد سے کم زور ہے یعنی وہی کام مرد سے کم زور پر کر لیتی ہے بلکہ وہ تو اس کے سارے کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ اسے سانس بھی خود نہ لینے دے۔

اس کی اور مرد کی سائیکی میں یہ فرق ہے کہ مرد یہ نہیں دیکھتا ہے کہ اس کی پہنچ میں کیا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی پہنچ سے باہر کیا ہے جبکہ حوا کی بیٹی وہی کچھ دیکھتی ہے جو اس کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ مرد چاہتا ہے وہ عورت کی زندگی کا پہلا مرد ہو جبکہ عورت چاہتی ہے کہ وہ اس کی زندگی کی آخری عورت ہو۔

بڑی شکی القلب ہے حیرانی کی بات ہے کہ لوگ اس کے بارے میں متضاد رائے رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت صحیح بھی ہوتے ہیں۔

آزادی نسواں کی تحریک دراصل آزاد نسواں کی تحریک ہے اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ وہ مرد کی مرضی سے اس کی غلام نہ بنیں بلکہ اپنی مرضی سے اس کی غلام بنیں۔ لینن نے کہا تھا عورت صحیح معنوں میں اس دن آزاد ہو گی جب گھر سے باہر نکلے گی۔ شاید اسی لیے ہمارے ہاں جب عورت کو گھر سے نکالتے ہیں تو کہتے ہیں جا تجھے آزاد کیا۔ عورت چاہتی ہے کہ دنیا پر اس کی حکمرانی ہو۔ ہے بھی ٹھیک کہ دنیا تو بنی ہی اس کے لیے ہے ورنہ مرد کے لیے تو اللہ نے جنت بنائی تھی۔ مرد کو جنت سے دنیا میں لانا اسی کا کام ہے اور وہ آج بھی یہی کر رہی ہے۔ بچے کا پیدا ہونا دراصل اس کا جنت سے نکلنے کا عمل ہی تو ہے کہ ماں کے پیٹ سے زیادہ آرام دہ رہائشیں جنت میں کیا ہوں گی۔ یہی نہیں اس بچے سے زیادہ نیک لوگ جنت میں کم ہی ہوں گے۔

عورت اور مرد کا فطری رشتہ ایک ہی ہے جو حضرت آدم اور حضرت حوا کا تھا۔ باقی رشتے انسان کی اپنی دریافت ہیں بلکہ خدا بھی انسان ہی کی دریافت ہے اور وہ شخص اتنا

ہی عظیم ہوتا ہے۔ جتنی عظیم وہ دریافت کرے۔

مختلف علاقوں میں لوگ حوا کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔ افریقی کہتے ہیں دس عورتوں میں ایک روح ہوتی ہے۔ انگلستان میں کہاوت ہے عورت تیرا نام کمزوری جبکہ ایرانی' عورت کا دوسرا نام بے وفائی بتاتے ہیں۔ جاپانی فرماتے ہیں جو عورت غور و فکر کرتی ہے خراب ہوتی ہے۔ اطالوی کہاوت ہے 'گھوڑا اچھا ہو یا برا اس کے لیے مہمیز چاہئے ایسے ہی عورت اچھی ہو یا بری اسے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جرمن کہتے ہیں بد معاشوں اور رذیلوں سے محبت کرنے والی ہستی خدا کے بعد عورت ہے جبکہ ہمارے ہاں ہے کہ عورت اور گھوڑی اس کی جس کے قبضے میں ہو۔ اس سے یہ پتا چلے نہ چلے کہ عورت کیا ہوتی ہے یہ ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ ان ملکوں میں عورت کے ساتھ کیا ہوتی ہے۔

حوا غزل کا شعر ہے اور مرد نثر پارہ' نثر پارہ جیسا ہوتا ہے ویسا ہی رہتا ہے۔ مگر شعر کا مطلب تو ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا پڑھنے والا' یوں بھی ہمارے ہاں دو غزلے' سہ غزلے اور چہار غزلے کی قانونی اجازت ہے مگر کوئی دو مضمونہ' سہ افسانہ اور چار افسانہ سننے میں نہیں آ چوری چھپے کی بات اور ہے۔

محبت عورت کی ایجاد ہے اور مرد کی دریافت ہے۔ یہ وہ بیماری ہے جس میں مرد عورت کی بینائی کم ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ اندھے بھی ہو جاتے ہیں۔

حوا کی بیٹی ہر کسی پر اعتبار کر لیتی ہیں اسی لیے نا قابل اعتبار ہے۔ کہتے ہیں جذبات کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور عورت جذبات کے ہاتھ میں' جذباتی ہو کر زندگی کے ' کر لیتی ہے اور پھر ساری عمر انہیں عقل سے صحیح ثابت کرنے میں لگی رہتی ہے۔ حسن سے زیادہ حسن زن سے کام لیتی ہے۔

اس کو وہی پسند ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اللہ کو اپنی تعریف سننا پسند ہے۔ یوں مرد کا عورت کی تعریف کرنا در اصل اپنی ہی پیدائش کو حق بجانب قرار دینا ہے ورنہ اس دل سے اسے آج تک بیوی' باندی اور بیوہ کے سوا کوئی مقام نہیں دیا۔ لیکن اللہ نے حوا' کو وہ رتبہ دیا ہے کہ اگر خدا کو زمین پر کسی روپ میں آنا پڑا تو وہ یقیناً کسی مرد کی بجائے روپ ہو گا۔



# مجرم ظریفی

... خال میں وہی ملائمت جو آؤٹ آف فوکس تصویر میں ہوتی ہے جب تک بار بار نہ ... بھا نہیں لگتا' آپ اسے خوبصورت کہہ سکتے ہیں نہ بد صورت بوڑھا کہہ سکتے ہیں نہ ... اں بیٹھا ہو تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے اسی کو کہنا ہوتا ہے۔ ... ا ہے۔ کہتے ہیں عینک آنکھ کا لباس ہے اسی لیے جب وہ عورتوں کے پاس بیٹھتا ہے ... لیتا ہے۔ اس کا پیٹ زنانہ ہے یعنی چند مہینوں میں باہر نکل آتا ہے اور پھر اندر چلا ... حالانکہ ہمارے ہاں ادیبوں کے پیٹ ہی تو مردانہ ہوتے ہیں۔ یعنی جب بڑھتے ہیں تو ... ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کی شخصیت ایسی ہے کہ آپ اسے ساتھ لے جا رہے ہوں ... بھی سمجھے گا وہ آپ کو لے جا رہا ہے۔ اس کی کتاب جرم ظریفی پر اس کا کارٹون چھاپا ... پہلی تین کتابوں: روزن دیوار سے' خندہ مکرر اور عطائیے میں یہ کام اس کی تصویر ... گیا تھا۔

... الحق قاسمی امرتسر میں پیدا ہوا اور سارا دن یہی ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے۔ ... اس کے آباؤ اجداد مسجد میں پیدا ہوئے اور یہیں وفات پائی۔ پیرزادہ ہے مگر ... ی پسند نہیں لیکن آخر ایک دن اسے بھی پیر ہی ہونا ہے صدا جوان کون رہا؟ جو ... کر کے دکھاتا ہے۔ کہتا ہے میں اس مذہبی گھرانے کا آخری چشم و چراغ ہوں۔ ... ں کے پاس نہیں بیٹھ سکتا۔ ہر کوئی اس کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ جب چپ ... اس کے پاس کہنے کو بہت ہے۔ دیر سے بے تکلف ہوتا اور دیر تک رہتا ہے۔ ... کے پاس بیٹھ کر بڑی بڑی پریشانیوں سے بالاتر ہو جاتے ہیں کہ اس کے ہوتے ... پریشانیاں چھوٹی چھوٹی لگتی ہیں۔ دوست دشمن دونوں کو سینے سے لگا لیتا ہے

مگر دوست کو دوست سمجھ کر اور دشمن کو دشمن سمجھ کر کسی کے سامنے جھک نہیں سکتا
کی وجہ مخالفین اور معالجین اس کی ریڑھ کی ہڈی کا درد بتلاتے ہیں۔ لوگ پہلی ہی ملاقات
اس کے بارے میں اچھی رائے قائم کر لیتے ہیں جسے تبدیل کرنے کے لیے انہیں بڑی
کرنا پڑتی ہے۔ اس کے ہاں لیفٹ رائٹ نہیں' رائٹ رانگ ہے۔ روز ملنے والے اسے
اخلاق نہیں مانتے اور کبھی کبھی ملنے والے ان کی یہ بات نہیں مانتے۔

کھانے کا اس قدر شوق کہ جو چیز اچھی لگے اسے کھانے والی نظروں سے دیکھتا ہے۔
دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے عام آم بھی یوں چوستا ہے کہ دروغ بر گردن دروغ اسے یہ
کرتا دیکھ کر ایک امریکن لڑکی نے اسے شادی کی پیشکش کر دی تھی۔ وہ سگریٹ' وعدہ'
اور آم کبھی ادھورا نہیں چھوڑتا' اس بات پر بھی سبحان اللہ کہتا ہے جس پر اس کے ہم
لاحول ولا قوۃ کہتے ہیں۔

کہتے ہیں بندہ ضائع کر دیتا ہے فقرہ ضائع نہیں کرتا۔ لیکن وہ فقروں سے بندہ
نہیں کرتا بندہ بنا دیتا ہے۔ جب اپنی پسند کا کالم پڑھنا چاہے کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتا۔
تقریبات میں اس کی تحریروں پر لوگ ایک ایک فقرے پر ہال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ صرف
جملے خاموشی سے سنتے ہیں۔ محفل میں وہ چپ ہو تو لوگ یوں بیٹھے ہوتے ہیں جیسے مجلس
رہے ہوں۔ ہر فقرے پر داد لیتا ہے۔ اکثر داد پہلے لے لیتا ہے فقرہ بعد میں سناتا ہے۔
میٹرنٹی ہوم ہے جو فقروں کی ڈیلیوری کے لیے چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ اس نے بڑی
سے مزاح لکھا' اس کا فقرہ فکرہ ہوتا ہے۔

خود معمولی بات پر پریشان ہو جاتا ہے البتہ دوسرے کو کبھی معمولی بات سے پ
نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کی عمر شرمانے کی نہیں' شرمندہ ہونے کی ہے مگر یہ اب بھی شرما
اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اس کام کے لیے موقع نکال لیتا ہے۔

اس کے کسی دوست سے کہو کہ دوستی کی ایک لفظ میں تعریف کرو تو وہ کہے گا عطا
قاسمی۔ اگر اس کے دشمن سے دشمنی کی تعریف پوچھو تو وہ بھی یہی کہے گا۔ سب اسے
دوست کہتے ہیں میں نہیں مانتا۔ وہ برا دوست ہے کہ دوستوں کو برائیوں سمیت قبول
ہے۔ وہ اچھا دشمن بھی نہیں اس لیے اس کا کوئی ذاتی دشمن نہیں۔ اس کے تین قسم کے
ہیں اس کے دوستوں کے دشمن' ان دشمنوں کے دوست اور وطن دشمن۔ اس میں



اس والی خوبیاں ہیں۔ بڑے آدمی قوموں کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ یہ بھی
اس کسی کو سونے نہیں دیتا یعنی سویا ہوا ایسے خراٹے لیتا ہے کہ مسلم قوم کا کوئی فرد اس
اس خواب غفلت میں نہیں رہ سکتا۔

کہتے ہیں وہ کالمسٹ زندہ رہتے ہیں جن کے قاری انہیں ڈھونڈیں اور ہمارے کالمسٹ
ایسے زندہ ہیں کہ ان کے قاری انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن عطا ان کا
ہے اس کے ہاں طنز کے کانٹے کی چبھن بھی ہے مگر وہ نہیں جو کانٹا چبھتے وقت ہوتی ہے
وہ جو نکالتے وقت ہوتی ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی تحریریں پڑھ کر لوگ مسکراتے ہیں۔
انشاء کی پڑھتے ہوئے مسکراتے ہیں جبکہ عطا کی مسکراتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ کہتے ہیں
تک آدمی برا نہ سوچے' برا نہ دیکھے اور برا نہ سنے وہ اچھا کالم نہیں لکھ سکتا اور عطاء الحق
بلاشبہ اچھا کالم نگار ہے۔

# شی مین

یہ جاننے کے لیے سیاست دان مرد ہے یا عورت' اس کی پالیسیاں دیکھنا چاہئیں اور غم عابدہ حسین "صاحب" سیاست کی مرد میدان ہیں۔ کہتے ہیں' عابدہ حسین کو خاتون بنا کا فیصلہ تو بہت بعد میں کیا گیا' پہلے ان میں ساری مردانہ خصوصیات اکٹھی کی گئیں۔ مگر کا تقدیر کی کتابت کی غلطی سے یہ "وہ" بن گئیں۔ جس گھر میں پیدا ہوئی' وہ اتنا بڑا تھا کہ اگر بدھ کو ملنے جاتا تو چوکیدار کہتا: "اس برآمدے میں سیدھے چلے جائیں اور جمعرات کو وائیں مڑ جائیں۔" اس گھرانے کی خواتین کے لباس میں تو گھروں کی بلند دیواریں بھی شامل ہوتیں۔ عورتوں کے دوپٹوں کو بھی غیروں سے پردہ کرایا جاتا۔ شریف شرفاء تو غیروں کے سامنے بیوی کے جوتے کا ماپ تک نہ بتاتے' مبادا کوئی ہمدردی کرنے لگے۔ اس گھرانے کو پانچ ہزار ایکڑ کا وارث چاہیے تھا۔ جب تک بے غم صاحبہ پیدا نہ ہوئی تھیں' "نشیمن" میں ہر طرف شمعیں جل رہی تھیں اور جب یہ پیدا ہوئیں تو جو چیز جل رہی تھی' وہ ان کی نانی لیڈی مراتب تھیں' جنہیں عورت کے "مراتب" کا پتہ تھا۔ خود بے غم عابدہ حسین کو اپنا لڑکی پیدا ہونا اتنا برا لگا کہ اپنی پیدائش کے ایک سال بعد تک انہوں نے کسی سے بات نہ کی' مگر بڑی ہو کر وہ عابدہ حسین کی بجائے عابد حسین بن گئیں۔ یہاں تک کہ جب مارچ 1971ء میں بھٹو صاحب نے انہیں خواتین کی نشست پر الیکشن لڑنے کے لیے کہا تو انہوں نے انکار کر کے پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ 1988ء میں جب بے نظیر قائد حزب اقتدار تھیں' بے غم صاحبہ کو کہا گیا کہ آپ لیڈر آف دی اپوزیشن بن جائیں تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ خاتون کا مقابلہ کرنا کوئی مردانگی نہیں۔ وہ پہلی خاتون ہیں جو ڈسٹرکٹ کونسل جھنگ کی چیئر "مین" رہیں۔ یہی نہیں وہ شادی میں بھی فخر امام کو بیاہ کر اپنے گھر



لائیں۔ مردوں کے ساتھ مردوں جیسا سلوک کرتی ہیں۔ یہی نہیں عورتوں کے ساتھ بھی مردوں جیسا سلوک کرتی ہیں۔ شیر افضل جعفری صاحب نے ان کی "بڑائی" بیان کرتے ہوئے کہا: "کرنل عابد حسین کی یہ بیٹی کئی بیٹوں پر بھاری ہے۔" جنہوں نے بے غم صاحبہ کو دیکھا ہے' وہ کہتے ہیں۔ فقرہ یہ تھا: "کرنل عابد حسین کی یہ بیٹی کئی بیٹوں سے بھاری ہے۔"

وہ سیاست میں بے حیثیت عورت نہیں' بحیثیت سیاست دان آئیں۔ ہمارے ہاں ہر بار ایسے سیاست دان جیت کر اسمبلی میں پہنچتے ہیں' جس سے ان کی سیاست دانوں کی اہلیت سے کہیں زیادہ عوام کے حافظے کا پتہ چلتا ہے۔ جی ہاں عوام کے کمزور حافظے کا۔ بے غم صاحب پہلی بار جب گھر سے اسمبلی آئیں تو برقع پہن کر۔ پھر اسمبلی میں گھر کر گئیں۔ اب تو اسمبلی میں یوں پھرتی ہیں جیسے گھر میں پھر رہی ہوں۔ سنا ہے وہ جھنگ کے لوگوں کو بہت کم نظر آتی ہیں۔ حالانکہ ہم نے تو انہیں جب بھی دیکھا' بہت نظر آئیں۔ چہرے کے نقوش سے تو ماہنامہ "نقوش" لگتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ "بھری" بیٹھی ہیں۔ چہرے اور دروازے پر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا بورڈ لگا ہوتا ہے۔ ہاتھ ایسے نرم کہ ایک صحافی خاتون نے پوچھا: "آپ ہاتھوں کو ایسا رکھنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟" کہا: "ان کو ایسا رکھنے کے لیے ہی تو میں کچھ نہیں کرتی۔" بچپن میں اپنے پاؤں اٹھا کر مور کی طرح زمین پر رکھتیں۔ یہی نہیں پاؤں بھی مور ہی کی طرح کے رکھتی ہیں۔ بچپن میں اپنی کلاس کی نمایاں طالبہ تھیں۔ کلاس کو جتنے فاصلے سے دیکھا جاتا' یہی نمایاں نظر آتیں۔ بچپن ہی سے سیاست دان بننے کی صلاحیت موجود تھی' یعنی ہر سال اپنی جماعت بدل لیتیں۔ جب کہ ہمارے دوست "ف" تو ایک ہی جماعت سے اتنے کمیٹڈ ہوئے کہ آج کل ان کا ساتویں میں آٹھواں سال ہے۔ غصے میں ایسی انگریزی بولتی ہیں کہ لگتا ہے انگریزی پر انہیں مکمل گرفت نہیں' انگریزی کو ان پر مکمل گرفت ہے۔ کمرے میں انگریزی کتابیں رکھتی ہیں کہ کبھی بندے کا پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ اردو کتابیں بھی رکھتی ہیں کہ کبھی بندے کا دل پڑھنے کو نہیں چاہتا۔

وہ بڑی ہو کر بے نظیر بننا چاہتی ہیں' حالانکہ وہ صرف "چھوٹی" ہو کر یہ بن سکتی ہیں۔ ان میں اور بے نظیر میں وہی فرق ہے جو دونوں کے والدوں میں تھا۔

سیاست میں امام وہ نہیں ہوتا جس کی مرضی پر پیروکار چلیں' بلکہ وہ ہوتا ہے جو پیروکاروں کی مرضی پر چلے۔ فخر امام صاحب پنج وقتی آئینی ہیں۔ ان سے کہو چاند بہت

خوبصورت لگ رہا ہے تو کہیں گے: "ہاں۔ لگتا تو آئین کے مطابق ہی ہے۔" 1985ء میں
اسمبلی کے سپیکر بنے، مگر پھر تحریک عدم اعتماد میں انہیں 72 ووٹ ملے اور وہ ہار گئے، تو کسی
نے کہا: "امام کے ساتھ 72 ہی ہوتے ہیں۔" فخر امام بے غم صاحب کو اپنی "دنیا" کہتے ہیں،
کیوں کہتے ہیں؟ یہ بات "گول مول" ہے۔ فخر امام صاحب کے لیے وہ فخر بھی ہیں اور امام
بھی۔ وہ مرد عورت کی برابری کی قائل ہیں۔ کہتی ہیں مرد اگر باصلاحیت ہو تو وہ عورت کی
برابری کر سکتا ہے۔ اگر کوئی مرد ایسا نہ ہو تو اسے برابر کر دیتی ہیں۔ وہ تو تجارتی بنیادوں پر
افزائش نسل کے لیے مرغیاں خریدیں تو بھی جتنی مرغیاں خریدیں گی، اتنے ہی مرغے لیں
گے۔ ویسے ہم سمجھتے ہیں صرف ایک کام ایسا ہے جو دو مرد تو مل کر کر سکتے ہیں مگر عورتیں
دس مل کر بھی نہیں کر سکتیں۔ وہ ہے چپ رہنا۔ بے غم صاحبہ اس موضوع پر بھی بات
کر دیتی ہیں جس پر سرگوشی ہی کی جا سکتی ہے۔ جو بات نہ سننا چاہیں، اس کے لیے اپنے کان بند
نہیں کرتیں، کہنے والے کی زبان بند کرتی ہیں۔ دوران گفتگو دوسرے کو اپنی سطح پر نہیں
لاتیں اور نہ دوسرے کی سطح پر اترتی ہیں۔ بلکہ اپنی سطح پر رہ کر گفتگو کرتی ہیں۔ جھوٹ نہیں
بولتیں۔ اس لیے عمر پوچھو تو جواب نہیں دیتیں۔ وہ بول رہی ہوں تو لوگ دیکھ رہے ہوتے
ہیں، کیونکہ سیاسی خاتون اور گلوکارہ کی یہ خوش فہمی ہی ہوتی ہے کہ لوگ اسے صرف سننے
آتے ہیں۔

جس کلچر پر وہ ایگری ہیں، وہ ایگری کلچر ہے، لیکن کہتی ہیں: "میں جاگیردارنی
نہیں ہوں۔" ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ جاگیردارنی نہیں ہیں، جاگیردار ہیں۔ علاقے کے لوگ ان
کو سلام بھی کریں تو لگتا ہے معافی مانگ رہے ہیں۔ گھڑ دوڑ پسند ہے۔ اکثر اس میں حصہ لیتی
ہیں۔ یہی نہیں جیتتی بھی ہیں۔ اس قدر مصروف کہ ان کے پاس دن بھر کی مصروفیات کی
لسٹ دیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی ان کی خوشی کا راز ہے۔ فارغ رہتیں تو اپنے وزن کے
بارے میں سوچ سوچ کر پریشان رہتیں۔ نارمل گفتگو بھی کر رہی ہوں تو لگتا ہے ڈانٹ رہی
ہیں۔ اس لیے ڈانٹ بھی رہی ہوں تو لگتا ہے نارمل گفتگو کر رہی ہیں۔ ویسے بھی بادل
بارش ہوتی ہی برسنے کے لیے ہے۔

عورت کے تخلیقی کاموں کے اس قدر خلاف ہیں کہ جو تخلیقی کام قدرت نے عورت
کے ذمے لگایا، اسے روکنے کے لیے "منصوبہ بندی" کرتی رہیں۔ یوں پاکستان میں جو عورتیں



ضبط تولید کی گولیاں کھاتیں، وہ ترقی پسند خواتین کہلاتیں اور جو یہ گولیاں نہ کھاتیں، وہ مائیں
کہلاتیں۔ جتوئی صاحب کے دور میں وزیر اطلاعات رہیں۔ ویسے اطلاعات کا شعبہ پیدائشی
طور پر خواتین ہی کا ہے۔ آج کل امریکہ میں پاکستانی کلچر کی نمائندہ ہیں۔ پہلے پاکستان میں
امریکی کلچر کی نمائندہ تھیں۔

وہ ڈپلومیٹ ہیں۔ ایک سیاست دان نے کسی کو بتایا کہ میں ڈپلومیٹ ہوں تو دوسرا
بولا "اچھا میں تو تمہیں غیر شادی شدہ سمجھا تھا۔" لیکن اس کے باوجود وہ امریکہ میں کسی کو اپنے
گھر دعوت نہیں دیتیں۔ کہتی ہیں یہاں کون سی میری بیوی ہے جو مہمانوں کو پکا کر کھلائے۔
امریکی گفتگو اور لباس میں اختصار سے کام لیتے ہیں۔ یہ اختصار میں بھی تفصیل سے
کام لیتی ہیں۔ انہیں تو بندہ کہہ دے کہ مجھے مونچھیں پسند ہیں تو کہیں گی، مرد کی یا عورت
کی۔ جب حکومت ان کی نہیں ہوتی، یہ حکومت کی ہوتی ہیں۔ سیاست میں آنے سے پہلے
تصویریں بناتیں۔ سیاست دان اور مصور میں یہ فرق ہے کہ مصور کی صرف تصویروں کو
لٹکایا جاتا ہے۔ ان عورتوں سے زیادہ تیز ہیں جو ان سے کم تیز ہیں۔ غصے میں منہ کھلا
رکھتی ہیں اور آنکھیں بند۔ وہی باتیں چھپاتی ہیں جو وہ نہیں جانتیں۔ ایسی بارعب شخصیت
کہ کچھ نہ بھی کہہ رہی ہوں، تب بھی لگتا ہے کہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ مسز تھیچر سے خاوند
کو ان سے ملنے سے پہلے محترمہ کے پی اے سے ٹائم لینا پڑتا ہے۔ ایک بار کسی نے تھیچر کے
خاوند سے پوچھا: "مارگریٹ تھیچر آپ کی بیوی ہیں؟" تو اس نے کہا: "آپ کو اس شبے پر
[illegible] ہے۔"

جھنگ کے لوگ انہیں اپنا ہیرو کہتے ہیں۔ سنا ہے کچھ "عزیز" انہیں "چاند" بھی
کہتے ہیں، جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ چاند مذکر ہوتا ہے۔ بہر حال جب تک وہ سفیر بن کر
باہر نہیں گئی تھیں، لوگوں کو شک تھا کہ پاکستانی سیاست میں بے نظیر واحد خاتون ہیں۔
اب [illegible] نہیں رہا۔

# شکاری

وہ پاکستان کے ویران صوبے کے آباد سرکار ہیں۔ شکل سے بلوچ نہیں، پورا بلوچستا
لگتے ہیں۔ مونچھیں اتنی نوکیلی کہ ان سے کسی کو زخمی کیا جاسکتا ہے۔ چیتے کی پھرتی، عقاب
نظر، اونٹ کی دشمنی اور شیر سی ہلاشیری ہی نہیں، ان میں اور بھی کئی جانوروں والی خو
موجود ہیں۔ وہ بگٹی قبیلے کے سردار ہیں۔ یہ اس قدر جنگجو قبیلہ ہے کہ ان کے ہاں جس دن
باہر کسی کو مار کر نہ آئے، اس دن بچے کو مارتے ہیں۔ لوگ اپنے ذہن میں خدا کا تصور بنا
کے لیے سردار کو دیکھتے ہیں۔ معاف نہ کرنا اور حکم دینا اکبر بگٹی کو ورثے میں ملا ہے۔ دوسر
کی بات یوں سنتے ہیں جیسے بادشاہ کسی کی فریاد سن رہا ہو۔ خود کو اپنے قد سے بھی اونچا سمجھتے ہیں
ویسے ان کا قد ایسا ہے کہ بندہ ان کے پاؤں سر تک پہنچے تو موسم بدل چکا ہوتا ہے۔

دوران تعلیم کوئی پوچھتا: "آپ کس کلاس میں ہیں؟" تو کہتے: "اپر کلاس میں۔" ا
پوچھتا: "ہوم ورک کیا ہے؟" تو کہتے: "ہمارے ہاں ہوم میں ورک نوکر کرتے ہیں۔"
معاملے میں خود کو دوسرے سے بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ تو دس سال کی عمر میں بھی تیس سال
لوگوں سے خود کو بڑا سمجھتے۔ ایچی سن کالج میں ان کی تعلیم کے دوران جب چیانگ کائی
دورے پر آیا تو بچوں کو لائن میں کھڑا کر کے ان سے ہاتھ ملانے کو کہا گیا۔ جب معزز مہ
موصوف تک پہنچے تو یہ پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوگئے۔ اب بھی جب کسی "معزز مہمان" کو
دیکھتے ہیں، ایسے ہی کرتے ہیں۔

لمبی بات نہیں کرتے۔ بات اتنی مختصر ہوتی ہے کہ جونہی دوسرا متوجہ ہوتا ہے،
ختم ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ اتنی مختصر ہوتی ہے کہ اس کے لیے منہ بھی ہلانا نہیں پڑتا۔
بات میں زور پیدا کرنے کے لیے زور سے نہیں بولتے، بلکہ چپ ہو جاتے ہیں۔ اس



صاف گو کہ بچپن میں بھی اس وقت تک کسی نے ان کے منہ سے جھوٹ نہ سنا جب تک وہ
باتیں نہ کرنے لگے۔ انگریزی ادب اس قدر پسند ہے کہ جس کا ادب کرنا چاہیں، انگریزی
میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: "انگریزی پر میری گرفت ہے۔" واقعی ان کی انگریزی قابل
گرفت ہے۔ سنا ہے جب وہ اردو کے خلاف ہوں تو اردو نہیں بولتے، حالانکہ جب وہ اردو
بولتے ہیں تو یہی لگتا ہے کہ وہ اردو کے خلاف ہیں۔

مجلس میں کوئی ایسی گفتگو یا واقعہ نہیں سناتے جس میں ان کی حیثیت ثانوی ہو۔ اس لیے
وہ قیام پاکستان پر گفتگو نہیں کرتے۔ وہ تو اپنے بیٹے کی شادی میں بھی تقریب کے دولہا خود ہی
ہوتے ہیں۔ وہ کام نہیں کرتے، جو سب کر سکیں۔ وہ کتاب تک نہیں پڑھتے، جسے سب پڑھ
لیں۔ سیاست دانوں میں بیٹھے ہوں تو ان کی آنکھوں میں ایسی مستعدی ہوتی ہے جیسے مچان
پر بیٹھے ہوں۔ ان سے پوچھو: "کس کا شکار پسند کرتے ہیں؟" تو کہیں گے: "شکاری کا۔"
نواب اکبر بگٹی ایک بار نصر اللہ خان سے ناراض ہوئے تو کہا: "آپ میں اور مجھ میں یہ فرق
ہے کہ آپ نواب زادہ ہیں اور میں نواب ہوں۔"

خود کو اپنی جماعت کا حصہ نہیں سمجھتے، جماعت کو اپنا حصہ سمجھتے ہیں۔ وہ کسی جماعت
میں کھپ نہیں سکتے۔ جس جماعت میں جائیں، وہاں کھپ پڑ جاتی ہے۔ ہمارے ہاں مخلوط
حکومتیں ہی نہیں، حکمران بھی مخلوط ہوتے ہیں لیکن کسی مس کا لیڈ کرنا موصوف کے نزدیک
مس لیڈ کرنا ہے۔ حکومت آسان اور حکمرانی مشکل ہے اور وہ حکمرانی کرتے ہیں، حکومت
نہیں۔ ہمیشہ اپنا سر اونچا رکھا۔ وہ تو سوتے وقت بھی سر اونچا رکھتے ہیں، چاہے اس کے لیے دو
تکیے کیوں نہ استعمال کرنا پڑیں۔ کسی کی تعریف بھی یوں کرتے ہیں جیسے اس کا مذاق اڑا رہے
ہوں۔ بھٹو مرحوم نے انہیں بلوچستان کے تخت پر یوں بٹھایا جیسے ہمارے ہاں چھوٹوں کو پاؤں
پر بٹھایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سے پوچھو: "دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟" تو وہ کہے گا: "ہوتے تو چار ہیں
آپ فلاں کنسلٹنٹ سے سیکنڈ اوپینین لے لیں اور فلاں فلاں ٹیسٹ کروالیں۔" سیاست
دان سے پوچھو: "دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟" تو وہ کہے گا: "آپ کتنے چاہتے ہیں۔" مگر اکبر
بگٹی کے علاقے میں دو اور دو اتنے ہی ہوتے ہیں جتنے موصوف کہیں۔ وہ تو قبیلے کے کسی فرد
کو قتل کرنے کا حکم دیں تو لوگ پھر بھی کہیں گے: "دفن تو کیا مگر اتنے رحم دل ہیں کہ
نہیں کیا۔" وہ دونوں ہاتھ جیب میں ڈال کر بھی آپ پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔ ذہین و

"خنین" اکبر بادشاہ کی آنکھوں میں ماضی کے ذکر سے چمک آجاتی ہے' جس سے لگتا ہے اب وہ جوان نہیں ہے۔ ویسے بندہ تب بوڑھا ہوتا ہے جب اسے پتہ چلے کہ پچاس کا ہوگیا' لیکن انہوں نے آج تک خود کو یہ پتہ نہیں چلنے دیا۔

Mathematics اتنی کمزور کہ ایماڈنکن نے ان سے پوچھا: "آپ نے اپنے ہاتھوں سے کتنے لوگوں کو قتل کیا؟" تو انہوں نے کہا: "مجھے گنتی یاد نہیں۔" ہوسکتا ہے انہوں نے اس عمر میں قتل کرنے شروع کردیئے ہوں جب ابھی گنتی سیکھنا شروع بھی نہیں کی تھی۔ انہیں موت کے بعد زندگی پر ایمان نہیں۔ ان سے مل لو تو موت سے پہلے زندگی پر بھی ایمان نہیں رہے گا۔ ان میں ایک خوبی وہ بھی ہے جو کسی سیاست دان میں نہیں ہوتی۔ جس میں ہو وہ سیاست دان نہیں' وہ ہے اپنی رائے کے غلط ہونے کا سرعام اعتراف کرنا۔ وہ بزدل سیاست کے بہادر سیاسّت دان ہیں۔ کہتے ہیں: "میں کسی سیاسی پارٹی میں نہیں آسکتا۔ مجھ میں کئی سیاسی پارٹیاں آسکتی ہیں۔" دشمنی میں وہاں تک چلے جاتے ہیں جہاں تک دشمنی جاسکتی ہے۔ کہتے ہیں: "میں جو سوچتا ہوں' وہ کرتا ہوں۔" حالانکہ وہ جو کرتے ہیں اس سے تو یہ نہیں لگتا کہ وہ سوچتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ آپ کی بات سن رہے ہیں یا نہیں' آسان طریقہ ہے۔ اگر آپ ان کا ذکر کر رہے ہیں تو وہ سن رہے ہیں۔ اگر نہیں کر رہے' تو وہ نہیں سن رہے۔ سیاست دان تو لوگوں کے مسائل کو وسائل بنا کر جیتے ہیں اور وسائل کو لوگوں کے لیے مسائل بنا دیتے ہیں۔ مگر ان کا ذریعہ روزگار سیاست نہیں۔ ان کے تو قبیلے کے لوگ کبھی روزگار کی تلاش میں کہیں نہیں گئے۔ روزگار ان کی تلاش میں سوئی کے مقام پر آیا۔ یہ Suiside موصوف کی اجازت کے بغیر Suicide ہے۔ ان کی پسندیدہ شخصیت ہٹلر ہے مگر یہ بات اس طرح بتاتے ہیں جیسے وہ ہٹلر کی پسندیدہ شخصیت ہوں۔ کہتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی میں خود سے بڑا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ واقعی جو ان سے بڑا نکلا' اسے دیکھا بھی نہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی ذات پر پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔

کہتے ہیں سوسنسار کی ایک سردار کی۔ اگرچہ سردار اتنے سیاست میں نہیں ہوتے' جتنے لطیفوں میں ہوتے ہیں۔ ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ سردار کتنا ہی سیانا کیوں نہ ہو' لوگ پھر بھی اسے سردار جی ہی کہہ کر بلاتے ہیں۔ وہ بلوچ ہی نہیں بے لوچ سردار بھی ہیں۔ سیاست میں اپنے بچوں کے والد کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔



غیر سنجیدگی کا مظاہرہ بڑی سنجیدگی سے کرتے ہیں۔ کسی افواہ پر یقین نہیں کرتے' جب تک سرکاری طور پر اس کی تردید نہ ہوجائے۔ ان کے کئی محافظ ہیں جن کا دعویٰ ہے جب تک موصوف کی زندگی ہے' ہم انہیں مرنے نہیں دیں گے۔ موصوف بے اختیار اپنے اختیار کی بات کرتے ہیں۔ کسی کی تعریف بھی یوں کرتے ہیں جیسے اس کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ کھانوں میں انہیں مرچیں پسند ہیں۔ ان کے کھانے میں مرچیں نہیں ڈالی جاتیں' مرچوں میں کھانا ڈالا جاتا ہے۔ بڑوں میں انہیں چھوٹے پسند ہیں۔ ان کے غسل خانے کے باہر میڈونا کی تصویر دیکھ کر ایماڈنکن نے پوچھا: "آپ نے یہ تصویر غسل خانے کے باہر کیوں لگائی؟" کہا: "غسل خانے کے اندر گیلی ہوجاتی ہے۔" اس قدر تنہائی پسند کہ قوالی ناپسند ہے کیونکہ اس میں گانے والا تنہا نہیں ہوتا۔ ویسے وہ گانا سنتے ہی نہیں' دیکھتے بھی ہیں۔ گانے والے کو داد یوں دیتے ہیں جیسے تسلی دے رہے ہوں۔ کہتے ہیں بھٹو صاحب میرے کلاس فیلو تھے۔ واقعی بھٹو کا تعلق بھی اسی کلاس سے تھا جس سے ان کا ہے۔ ان کا سیاسی کہنہ سالی کا ذکر کرو تو ناراض ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ کہنہ سالی کہنے پر ناراض تو سالی کو ہونا چاہیے۔ کہتے ہیں یہ فخر کی بات ہے کہ اے۔کے۔بروہی مجھے پڑھاتے رہے' مگر کہتے اس انداز سے ہیں جیسے یہ اے۔کے۔بروہی کے لیے فخر کی بات ہو۔

جو شخص کچھ نہیں جانتا' مگر سمجھتا ہے' وہ سب جانتا ہے۔ اس کے لیے سیاست بہترین پیشہ ہے۔ موصوف بھی یہی پیشہ کرتے ہیں۔ ہم نے تو ہر کام صفر سے شروع کیا۔ یہاں تک کہ عمر بھی صفر سے شروع کی' لیکن وہ سردار ہیں اور سرداروں کا صفر بھی بارہ سے شروع ہوتا ہے۔ آپ یہ دعویٰ تو کرسکتے ہیں کہ آپ اس کے دوست ہیں' مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ آپ کے دوست ہیں۔ اتنا کم سوتے ہیں کہ پوچھو نیند کب آتی ہے؟ تو کہیں گے: "جب سویا ہوا ہوں۔"

خوشامد غور سے سنتے ہیں کہ خوشامد کرنے والا دراصل وہی کچھ کہہ رہا ہوتا ہے جو وہ کہنا چاہ رہے ہوتے ہیں۔ اتنا وہ نہیں بولتے جتنا ان کی تصویریں بولتی ہیں۔ ویسے مرد خاموش ہو تو آپ اس کی مکمل تصویر نہیں بنا سکتے اور عورت جب تک خاموش نہ ہو' آپ اس کی مکمل تصویر نہیں بنا سکتے۔

وہ مولوی خولیا کے مریض ہیں۔ مذہبی معاملات پر یوں گفتگو کرتے ہیں جیسے لطیفہ سنا رہے ہوں۔ دین کے بارے میں ان کا نظریہ وہی ہے جو شہنشاہ اکبر کا تھا۔ البتہ ان دونوں حکمرانوں میں یہ فرق ہے کہ شہنشاہ اکبر کے پاس نورتن تھے اور ان کے پاس No رتن ہیں۔

# مختصر ترین ہیروئن

کمر جتنی پتلی ہو اتنی ہی دور سے نظر آتی ہے۔ ایسے ہی مختصر ترین ہیروئن بڑی بڑی تفصیلی ہیروئنوں سے زیادہ نمایاں ہے۔ لوگ پہلی ہی نظر میں اسے پسند کرنے لگتے ہیں جس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ وہ پہلی نظر میں ہی آخر تک نظر آجاتی ہے۔ قد ایسا کہ ہر کسی کو اس سے جھک کر ملنا پڑتا ہے اور بقول دلدارا اسے دیکھ کر لگتا ہے دس کنال کی کوٹھی دس مرلے میں بنائی گئی ہے۔ اس کا قد چار فٹ گیارہ انچ ہے اور انا گیارہ فٹ چار انچ۔

یوں ڈرائیونگ کرتی ہے جیسے حادثے کی ریہرسل کر رہی ہو۔ گلبرگ اس کے گھر سے سٹوڈیو تک چند منٹوں کا راستہ ہے لیکن پھر بھی وہ ٹریفک کانسٹیبل کو ضرور پیچھے لگواتی ہے لیکن میرا دوست "ف" کہتا ہے "کانسٹیبل اس کے پیچھے اس لیے نہیں آتا کہ اس نے ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہوتی ہے بلکہ جب یہ اپنی بڑی گاڑی میں گزرتی ہے تو کانسٹیبل پریشان ہو کر یہ جاننے کے لیے اپنی کار اس کی کار کے پیچھے لگا دیتا ہے کہ یہ گاڑی بغیر ڈرائیور کے کیسے چل رہی ہے......؟"

وہ اس ادھوری بات کی طرح ہے جسے ہر کوئی مکمل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بات آنکھوں سے کہہ دیتی ہے جس کے لیے شاعر پورا دیوان لکھ مارتے ہیں تعلق اسی اونچے خاندان سے ہے جس کی زمین بھی چھت سے شروع ہوتی ہے۔

کہتی ہے میں کئی قسم کے رقص جانتی ہوں' اسی لیے رقص کر رہی ہو تو لگتا ہے کئی قسم کے رقص کر رہی ہے۔ اس میں نسوانیت اداکار فیصل سے زیادہ اور مردانگی اداکارہ سلمیٰ آغا سے زیادہ ہے۔ لباس پر زیادہ توجہ دیتی ہے دیکھنے والے بھی زیادہ اس کے لباس ہی کو توجہ دیتے ہیں۔

اس کی پسندیدہ بک چیک بک ہے۔ ہر زبان میں چھپنے والے تصویری رسالے پڑھ لیتی



ہے۔ انگریزی بولتے وقت اسے ذرا دشواری پیش نہیں آتی بس سننے والوں کو آتی ہے۔

ہمارے ہاں عورتیں عمر کے بارے میں اس قدر حساس ہیں کہ میں نے ہمیشہ بڑا آدمی ہی سنا۔ آج تک بڑی عورت نہیں سنا مختصر ترین ہیروئن بھی اگر کسی اداکارہ کو خود سے بڑی سمجھتی ہے تو یقین کر لیں وہ اسے عمر میں بڑی سمجھتی ہے۔

اگرچہ ہمارے ہاں فلم انڈسٹری میں ہیروئن سے اس کے والد کا نام پوچھنا بداخلاقی سمجھا جاتا ہے پھر بھی کچھ فلمی اداکارائیں اپنے نام کے ساتھ والد کا نام لگاتی ہیں' یہ ان میں سے ایک ہے۔ مختصر ترین ہیروئن کے نام کے پہلے حصے میں اتنی مردانگی ہے جتنی کسی مرد میں اس سے زیادہ ہو سکتی ہے اور نام کا دوسرا حصہ وہ ہے جو کہہ کر آج تک کسی نے کسی فلمی ہیروئن کو نہیں بلایا۔

فلم میں ماں بننے سے اتنا ہی ڈرتی ہے جتنا حقیقت میں۔ جس کی وجہ میرا دوست "ف" بتاتا ہے کہ وہ جنت کا اس قدر احترام کرتی ہے اور نہیں چاہتی کہ ایسی مقدس جگہ اس کے پاؤں تلے آئے۔

اکیلی رہ رہ کر تنہائی کی اس قدر عادی ہو گئی ہے کہ کوئی ساتھی مل جائے تو پریشان ہو جاتی ہے۔ آؤٹ ڈور شوٹنگ پر بھی اکیلی ہی جائے گی حالانکہ ہماری دوسری ہیروئنوں کی روزانہ استعمال کی چیزوں میں ان کی سعادت مند مائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ ساتھ چیزیں اٹھانے کے لیے ایک ملازم بھی رکھتی ہیں کیونکہ ہیروئنوں نے تو اپنا بوجھ بمشکل اٹھا رکھا ہوتا ہے۔

فلم میں اگر ہیرو کے چہرے کی طرف دیکھ کر ڈائیلاگ بول رہی ہو تو لگتا ہے چھت کی طرف دیکھ کر بول رہی ہے۔ سکرین پر پیاری لگتی ہے۔ کہتے ہیں اگر اسے سامنے ڈائریکٹر نظر آئے تو اور بھی پیاری لگے کیونکہ جس کو دیکھا جائے اس کا حسن بھی دیکھنے والے کے چہرے پر آجاتا ہے۔ وہ ڈوب کر اپنا کردار ادا کرتی ہے حالانکہ اکثر ہیروئنوں کو یہ کچھ کردار ملنے کے بعد کرنا چاہیے۔

ہر وقت کسی نہ کسی شوٹنگ میں جتی رہتی ہے۔ اس بے پناہ مصروفیت کا فائدہ یہ ہے کہ اپنے قد کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان نہیں ہوتی۔ اپنے پورے بدن سے دیکھتی ہے اور ہر بار یوں دیکھتی ہے جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ فلموں میں آج کل جیسے رول کر رہی ہے اس سے لگتا ہے آئندہ اسے بطور ہیرو کاسٹ کیا جائے گا۔ جس دن شوٹنگ کینسل ہو جائے یوں خوش

ہوتی ہے جیسے بچے سکول سے چھٹی پر ہوتے ہیں۔

وہ اپنے فن میں یکتا ہے اور اسے ایسے ہی لوگ پسند ہیں جو اپنے شعبے میں ماہر ہوں' اس لیے اس نے اپنی پہلی شادی اس سے کی جس کا شادیوں کا تجربہ اس کے اس فن میں یکتا ہونے کا "شاہد" تھا۔ بہت ذہین ہے جو کام دوسری عورتیں ایک سال میں سیکھتی ہیں یہ ایک ماہ میں سیکھ لیتی ہے' اسی لیے دوسروں کی زندگی کا ایک سال گزرتا ہے تو اس کا ایک مہینہ۔

ہمارے ہاں فلمی اداکاراؤں کے خاوند ان کے گھر کے فرنیچر کا حصہ لگتے ہیں مگر یہ تو گھر میں بیٹھی ڈیکوریشن پیس لگتی ہے۔ ایسی عورت جس کے پاس بیٹھ کر آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ مرد ہیں جب تک وہ نہ بتائے۔ اسے دیکھ کر بندے کو اس سے محبت کم اور شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ ایوارڈ دے بھی رہی ہو تو یہی لگتا ہے لے رہی ہے۔ سٹوڈیو میں یوں آتی ہے جیسے اچھے دل میں برا خیال یعنی خاموشی سے۔

زندگی میں جو دن اچھے بسر کیے انہیں ہی بار بار بسر کرتی رہتی ہے۔ زندگی کے جو دن اچھے نہیں تھے انہیں اپنی عمر میں شامل نہیں کرتی۔ جب غصے میں ہوتی ہے خود کو کمرے میں بند کر لیتی ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو دوسروں کو یہ کچھ کرنا پڑتا ہے جب ڈیپریشن ہو تو لندن چلی جاتی ہے اور جو یہاں کیا ہوتا ہے لندن جا کر اس کا "نتیجہ" نکال آتی ہے۔

شادی کے بعد نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور ہماری ہیروئنیں ہر سال نئی زندگی شروع کرتی ہیں۔ وہ بھی اپنے لیے پھر ایک خاوند بیاہ کر لانا چاہتی ہے۔ ایک سٹوڈیو کے مالک کے بیٹے سے عشق کیا' اسے شادی کرنے کو کہا تو اس نے فوراً شادی کر لی' کسی اور سے۔

صورت ایسی بنائے رکھتی ہے کہ بے اختیار نصیحت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ دیکھتی کم اور دکھتی زیادہ ہے۔ اس قدر محتاط کہ جس دن پیاز کھایا ہو فون اٹینڈ نہیں کرتی۔ ہیرو سے اظہار محبت کر رہی ہو تو لگتا ہے اس سے ٹافیاں مانگ رہی ہے جبکہ دوسری ہیروئنیں محبت کر رہی ہوں تو لگتا ہے گھر کا کام کر رہی ہیں۔ اسے نت نئے لباس پہننے کا شوق ہے' اسی لیے اس کا گھر لانڈری لگتا ہے وہ جو لباس ایک بار پہن لے بعد میں لباس "فاخرہ" بن جاتا ہے۔

دن رات فلمیں کرتی ہے ذرا آرام نہیں کرتی۔ فلمیں ہی اس کی آخری آرام گاہ ہیں۔ فلموں میں سب سے پہلے اس نے "بھول" کی۔ عام زندگی میں اسے دیکھ کر شک بھی نہیں ہوتا کہ یہ اداکارہ ہے بلکہ فلموں میں بھی اسے دیکھ کر شک نہیں ہوتا کہ وہ اداکاری کر رہی ہے۔



# راسپوٹین

شکل وصورت ایسی کہ ٹی وی پر کوئی بچہ دیکھ لے تو بھاگ کر اپنی امی سے کہے کہ امی امی نہیں امرتسر کتنا کلیئر آ رہا ہے۔ سیلف میڈ آدمی ہے اور اس کی حالت دیکھ کر اس کا یقین ی ہو جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے اس کی پوری شخصیت آنکھوں میں سمٹ آتی ہے بلکہ جسے دیکھتا ے اس کی پوری شخصیت بھی اس کی آنکھوں میں سمٹ آتی ہے۔ آج کل داڑھی میں منہ ھپائے پھرتا ہے۔ اب تو داڑھی سے اتنا تھوڑا چہرہ بچا ہے کہ یہ جاننے کے لیے کہ وہ خوش ے یا ناراض' اسی سے پوچھنا پڑتا ہے۔ آہستہ آہستہ چل رہا ہو تو لگتا ہے کسی کا تعاقب کر رہا ے' تیز ہو تو لگتا ہے اس کا تعاقب ہو رہا ہے۔

عمر کے اس حصے میں ہے جہاں آدمی کو اپنے ناک سے آگے نظر نہیں آتا مگر اسے نظر ی اپنی ناک کے بعد شروع ہوتا ہے۔ چھوٹی سی بات پر پریشان ہو جاتا ہے اور اس وقت پریشان رہتا ہے جب تک کوئی بڑی بات نہ ہو جائے۔ اپنی تعریف سے گھبراتا ہے مگر ید سے نہیں ڈرتا کیونکہ یہ کام تو تنقید کرنے والے کا ہے۔

زندگی میں معمولی لغزشوں سے غیر معمولی نتائج نکالتا ہے۔ اکثر نتائج پہلے نکال لیتا لغزشیں بعد کے لیے رکھ لیتا ہے۔ بات غیر شعری نہیں ہونے دے گا چاہے غیر شرعی جائے مگر خود اس قدر شرعی ہے کہ مجال ہے بغیر کسی شرعی وجہ کے کبھی نہایا ہو وہ ان وں سے زیادہ مذہبی ہے جو اس سے کم مذہبی ہیں۔

لفظوں ہی کی نہیں اعضاء کی شاعری بھی کرتا ہے۔ اکثر دوسروں کی شادیوں پر ایسا ص کرتا ہے کہ وہ شادی کم اور عرس زیادہ لگتی ہے۔ جس جس کی شادی پر اس نے رقص ا اس نے پھر کبھی شادی نہیں کرائی۔ رونا آنکھوں کو غسل دینا ہے تاکہ بندہ کسی کو میلی

آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ وہ اس کام کو اچھا سمجھتا ہے مگر کرتا یوں ہے جیسے برا کام کر رہا ہو یعنی چھپ چھپ کر۔ اس کی کتاب "مندر میں محراب" چھپی تو اس قدر پڑھی گئی ہے کہ اس کے مخالفین نے اس کی کاپیاں خرید خرید کر دوسروں کو پڑھوائیں۔ یہ ہندوستان کا سفر نامہ ہے جسے پڑھ کر لگتا ہے اس نے اپنے اندر کا سفر کیا ہے۔ ایسی صحت افزا باتیں کرتا ہے کہ سننے والا کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اس کا چہرہ انار کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔ دوران بحث موضوع گرفت میں آئے نہ آئے مخاطب ضرور اس کی گرفت میں ہوتا ہے۔ اس کی تعریف کردو تو اسے ساری عمر یاد رہے گا اور اگر مخالفت کردو تو آپ کو ساری عمر یاد رہے گا۔

فقرہ یوں زور لگا کر ادا کرتا ہے جیسے ڈلیور کر رہا ہو۔ اچھے فقرے کے بعد اسکے چہرے پر شرم اور خوشی کی وہی لہر ہوتی ہے جو مشرقی عورت کے چہرے پر بچہ جنم دینے کے بعد ہوتی ہے۔

معاشرے میں مرد کی برتری کا قائل ہے وہ تو عورت کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ مرد ہوتی تو کیسا ہوتی۔ نظر اتنی تیز کہ اسے دور سے آتی لڑکی نظر آجاتی ہے اور جاتی ہوئی تو اور دور تک دکھتی ہے۔

اس کی خوراک اتنی کہ کوئی اس کے سامنے آدھا چرغہ کھالے تو اسے ہاضمے کی دوا کھانا پڑتی ہے۔ اس کا پیٹ ہمیشہ بھوک سے ہی بھرا رہتا ہے۔

جس لباس میں سوتا ہے اسی میں کلاس میں چلا جاتا ہے۔ کہتا ہے "میں نے کلاس روم اور بیڈ روم کا فاصلہ ختم کر دیا۔" اس کی باتیں سن کر ایسا ہی لگتا ہے۔

کہتے ہیں شاعری کرنا بات کہنے کا ہنر نہیں بات چھپانے کا فن ہے وہ یہ فن جانتا ہے وہ ڈکشن اور ڈیکوریشن کا شاعر ہے۔ اس کے پاس بیٹھ کر سب جونیئر سینئر ایک جیسے ہو جاتے ہیں یعنی سب خود کو ایک دوسرے سے سینئر سمجھنے لگتے ہیں۔

تنہائی میں عبادت کرتا ہے ویسے جن دوستوں میں یہ پھرتا ہے ان کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا تنہا ہونا عبادت کرنا ہی ہے۔ عاشق مزاج بندہ ہے لیکن اگر اس سے پوچھو کہ آج کل کس سے عشق چل رہا ہے تو فوراً گھبرا کر کہے گا کیا مطلب؟ عورت سے اور کس سے؟ بری بات اس طرح کرتا ہے کہ وہ اتنی بری نہیں لگتی اچھی بھی ایسے ہی کرتا ہے۔ اس کے مزاج شناس اسے اجمل نیازی کی بجائے ا--- جمل نیازی لکھتے ہیں۔ ادب میں اس کے



فرمان اتنے ہی مشہور ہیں جتنے تاریخ میں رنجیت سنگھ کے۔ وہ ادب و صحافت پر حکومت کرتا ہے اور سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے چاہے وہ کوئی مرد ہی کیوں نہ ہو۔

وہ حساب کے سوال کی طرح ہے اگر صحیح ہے تو پھر پورے سو نمبر اور اگر آپ کے ساتھ صحیح نہیں تو پھر آپ کا صفر۔ دوستی یوں کرتا ہے جیسے اس کے علاقے میں لوگ دشمنی کرتے ہیں یعنی پکی اور عمر بھر کی۔ مصیبت کے وقت دوست کی مدد کو یوں فوراً پہنچتا ہے جیسے اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ ویسے اگر کوئی اس کو بچانا چاہے تو اسے دوستوں سے بچا دے۔ دشمنوں سے وہ خود بچ جائیگا۔

# بم خان

وہ چپ بھی ہوں تو تب بھی لگتا ہے کہ بول رہے ہیں۔ ایک بار بولیں تو کئی بار سنائی دیتے ہیں۔ لہجہ ایسا کہ کانفرنس کو بھی خانفرنس کہتے ہیں۔ پشتو سے اس قدر محبت کہ انگریزی تک پشتو میں بولتے ہیں۔ بولتے وقت کان' لفظ اور غصہ بہت کھاتے ہیں۔ اگر ان کی بات بہت طویل ہو جائے تو سمجھ لیں وہ اپنی بات کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔ انہیں اپنی ہر بات پر اس قدر یقین ہوتا ہے کہ خود کو "ولی" کہتے ہیں۔ بات کے اس قدر پکے کہ جو بات آج کہیں گے' بیالیس سال بعد بھی وہی کہیں گے۔ شاید اس لیے آج بھی وہی بات کر رہے ہیں جو بیالیس سال پہلے کیا کرتے تھے۔ وہ تو جو لطیفہ ایک بار سنا دیں' پھر جب بھی لطیفہ سنائیں گے' وہی سنائیں گے۔ ضیا کے مارشل لاء لگانے پر یہ لطیفہ سناتے کہ ایک شخص گدھے پر چوڑیوں کی گٹھڑی لیے جا رہا تھا۔ ایک سپاہی نے روکا اور ڈنڈا مارتے ہوئے پوچھا: "اس میں کیا ہے؟" تو اس شخص نے کہا: "اگر آپ نے ایک بار پھر یہ ڈنڈا مارا تو پھر اس میں کچھ نہیں ہے۔" وہ زبان سے سوچتے ہیں۔ اس لیے جب بول رہے ہوں تو سمجھ لیں سوچ رہے ہیں۔ غصے میں بول رہے ہوں تو یہی لگتا ہے فائرنگ کر رہے ہیں۔ سنا ہے وہ غصے میں اپنے علاوہ کسی کی بات نہیں سنتے۔ یہ غلط ہے۔ وہ غصے میں اپنی بھی نہیں سنتے۔

اس خاندان میں آنکھ کھولی جس نے ابھی تک آنکھ نہیں کھولی۔ جیسے میرا دوست "ف" کہتا ہے' مجھ سے تمیز سے بات کرو۔ میرے سات بھائی ہیں اور ان میں سے ایک کشمیری بھی ہے۔ یہ کہتے ہیں' مجھ سے سیاست کی بات ہوش سے کرو۔ میرا باپ "گاندھی" بھی رہا ہے۔ پہلے نیشنل عوامی پارٹی کو بیگم نسیم ولی خان سمجھتے' آج کل نسیم ولیخان کو نیشنل عوامی پارٹی سمجھتے ہیں۔ ان کے والد کی اتنی بڑی ناک تھی کہ دھوپ میں انہیں چھتری کی



ضرورت نہ پڑتی۔ ناک منہ پر سایہ کیے رکھتی۔ غل خان کی بھی ایسی خوب ناک ہے کہ وہ ناک کی اوٹ میں چھپ سکتے ہیں۔ ان کی تو چھوٹی انگلی بھی بڑی ہے۔ دونوں باپ بیٹوں میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ یہ کہ باپ عمر میں بڑا تھا۔ ان کے کان دیکھ کر بندہ سوچتا کہ قدرت کتنی فیوچرسٹک ہے۔ اس نے اس وقت ایسے کان بنانے شروع کر دیئے جب ابھی انسان کے ذہن میں عینک بنانے کا خیال تک نہ آیا تھا۔ اس عمر میں ہیں جس میں وگ کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں' لیکن بال سفید ہوئے تو کیا ہوا' عینک تو سیاہ ہے۔ ہم تو یہی کہہ سکتے ہیں' یا اللہ ایسی چشم بینا عطا فرما کہ دیکھنے کے لیے عینک کی ضرورت نہ پڑے۔ ان کی نظر گاندھی آشرم میں لاٹھی لگنے سے خراب ہوئی۔ تب سے پاکستان کو اسی خراب نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ کام جو دل لگا کر کرنے چاہئیں' وہ کام بھی عینک لگا کر کرتے ہیں۔ نہرو جیکٹ پہنتے ہیں' جو اپنی حالت سے واقعی نہرو کی ہی لگتی ہے۔ طویل عرصہ خان قیوم خان اور آشوب چشم میں مبتلا رہے۔ تاہم اب بھی صحت کا پوچھو تو کہیں گے: "Fit For Fighting ہوں۔" ویسے بھی جس پٹھان کا لڑنے کو دل نہ چاہے' یقین کر لیں وہ فٹ نہیں ہے۔ ڈاکٹروں کو اپنی آنکھیں دکھا دکھا کر یہ حالت ہو گئی ہے کہ اب تو جو بھی ملے' اسے آنکھیں دکھانے لگتے ہیں۔ یادداشت کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ یادداشتہ لگتی ہے۔ جب کہ نسیم ولی خان کا حافظہ تو اتنا کمزور ہے کہ ان کے اپنے بیٹے بھی تھے' سوتیلے بیٹے بھی مگر اب ان سے پوچھو کہ سوتیلا کون سا ہے تو کہیں گی: "میں بھول گئی ہوں۔"

پاکستان بننے سے پہلے وہ کانگریس کے رکن تھے۔ پاکستان بننے کے بعد سے کانگریس ان کی رکن ہے۔ گاندھی جی سے بہت متاثر ہیں۔ گاندھی جی کو غریب رہنے کے لیے بہت خرچ کرنا پڑتا۔ ایسے ہی انہیں چپ رہنے کے لیے بہت بولنا پڑتا ہے۔ اپنی پارٹی کو اپنی ذات سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کی پارٹی پر فقرہ کسو تو سمجھتے ہیں کہ ذاتیات پر اتر آئے ہیں۔ ان کی تو پارٹی میں کوئی دوسرا آ جائے تو اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے گھر میں کوئی دوسرا آ گیا ہو۔ وہاں تو شیر باز مزاری بھی شیر ہوتا ہے نہ باز' بس مزارعی ہوتا ہے۔ کسی کو معاف نہیں کرتے۔ انہوں نے تو کبھی خود کو بھی معاف نہیں کیا۔ کبھی کبھی اپنی پارٹی کو سیر کرانے لاہور لاتے ہیں مگر وہ ان کے واپس چارسدہ پہنچنے سے پہلے ہی چارسدہ پہنچ چکی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں: "میں تا حکم ثانی محب وطن ہوں۔" اپنی سیاسی اہلیت و اہلیہ کی وجہ سے پاکستان میں اہم مقام رکھتے ہیں' اور یہ

اہم مقام چارسدہ ہے۔ والد سے سیاست سے زیادہ باغبانی کا شوق ورثے میں ملا۔ وہ تو باغ ہا...
ہونا سے مراد دو باغ ہونا لیتے ہیں۔ ولی باغ میں رہتے ہیں مگر یوں جیسے باغی باغ میں رہنے
والے کو ہی کہتے ہیں۔ وہ کسی مہمان کے سامنے چائے کے ساتھ بسکٹ رکھ دیں تو مہمان کو
یقین ہو جاتا ہے کہ یا تو یہ بسکٹ اصلی نہیں یا یہ اصلی "غل خان" نہیں۔ وہ سانپ پر لاٹھی
نہیں مارتے' لاٹھی پر سانپ مارتے ہیں۔ تقریر میں ضرب الامثال یوں لگاتے ہیں جیسے
امثال کو ضرب لگا رہے ہوں۔ کوئی بات سمجھ نہ آئے تو اس کے لیے نسیم اللغات نہیں' بیگم
نسیم کو دیکھتے ہیں۔ ان کی پارٹی کا نصف بہتر ان کی نصف بہتر ہے۔ گفتگو میں "جی" بہت زیادہ
استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ فقرے کے آخر میں جی لگائیں تو سمجھ لیں گھر سے باہر گفتگو
کر رہے ہیں۔ گھر میں وہ فقرے سے پہلے جی لگاتے ہیں۔

وہ بیگم نسیم ولی خان کا مردانہ روپ ہیں' لیکن وہ بیگم صاحبہ سے بڑے سیاست دان
ہیں۔ پندرہ سولہ سال بڑے ہیں۔ انگلینڈ جا کر جم کر لکھتے ہیں' جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ
وہاں اتنی سردی پڑتی ہے کہ بندہ نہ لکھے' پھر بھی جم جاتا ہے۔ اپنے بھائی عبدالغنی خان کی
طرح تخلیقی آدمی ہیں۔ وہ تو تاریخ بھی لکھ رہے ہوں تو لگتا ہے تخلیق کر رہے ہیں۔ البتہ ان
کی آپ بیتی کم اور اپنے آپ بیتی زیادہ لگتی ہے۔ جیل میں تنہائی اور فرصت کا فائدہ اٹھاتے
ہوئے انہوں نے خدائی خدمت گار تحریک کے دو حصے مکمل کر لیے اور کہا جونہی پھر تنہائی اور
فرصت میسر آئی' کتاب کا آخری حصہ بھی مکمل کر لوں گا۔ اس اعلان کے بعد کسی حکومت
نے انہیں جیل نہیں بھیجا۔ یاد رہے خدائی خدمت گار اتنی مذہبی پارٹی رہی کہ اس کے سربراہ
کا انتخاب براہ راست خدا کے ہاتھ میں ہوتا۔ جس کو سربراہ کی کرسی سے اٹھاتا' خدا ہی اٹھاتا۔

لائبریری اچھی جگہ ہے بس وہاں کتابیں نہ ہوں۔ ویسے کتاب سے رشتہ تب شروع
نہیں ہوتا جب آپ کتاب شروع کرتے ہیں بلکہ تب سے شروع ہوتا ہے جب آپ کتاب
ختم کرتے ہیں۔ غل خان کتابوں کے پرانے رشتے دار ہیں۔ چپل اور چپل کباب پسند ہیں۔
بڑھاپے میں اتنے جوان ہیں' پتہ نہیں جوانی میں کتنے بوڑھے رہے ہوں گے۔ انہیں غصہ
بہت آتا ہے۔ کبھی تو اس بات پر غصہ آ جاتا ہے کہ مجھے فلاں بات پر غصہ کیوں نہیں آتا
ہے۔ غصہ اتنا غضب ناک کہ وہ تو اپنے ہی غصے سے ڈر کر کانپنے لگتے ہیں۔ بقول پیر پگاڑہ "ایک
تو ولی جو ہوتا ہے گرم ہے اور اوپر سے پٹھان یعنی بہت ہی گرم۔" قابل کو کابل کہتے ہیں۔ بھٹو



...اس لیے ناپسند نہیں کہ اس کی وجہ سے انہیں اندر جانا پڑا بلکہ اس وجہ سے کہ بیگم نسیم کو
... آنا پڑا۔ تب سے بیگم نسیم ولی خان باہر ہیں اور خان صاحب اندر۔ کہتے ہیں: "بھٹو دور
... تقریر پر پابندی تھی۔" حالانکہ یہ درست نہیں' تقریر پر کب پابندی تھی۔ مقرر پر تھی۔
...ت سے اس کی زبان میں بات کرتے ہیں جب کہ پاکستان سے پشتو میں بات کرتے ہیں۔
... بار حکومت نے انہیں بھارت میں پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجنا چاہا تو بھارت کی حکومت نے
... "آپ کسی پاکستانی کو بھیجیں۔"

ارسطو نے کہا ہے' انسان ایک سیاسی جانور ہے۔ پتہ نہیں یہ بات انہوں نے جانوروں
... ملنے کے بعد کہی یا سیاست دانوں سے۔ تاہم غل خان ایسے سیاست دان نہیں۔ ایک
...ست دان کو پتہ چلا کہ غل خان پان کھاتے ہی نہ سگریٹ پیتے ہیں' شراب سے دلچسپی ہے نہ
...اب سے تو اس نے کہا: "آپ نے یہ کچھ کرنا ہی نہیں تو پھر سیاست کیوں کر رہے ہیں؟"
...ی پسند نظریات کی وجہ سے چل رہے ہیں۔ قوم پرست ہیں۔ ہر وقت آہ و افغان کرتے
... ہیں۔ وہ بیگم نسیم ولی کے مزاجی خدا ہیں۔ ان کا مزاج اس پٹھان کی طرح ہے جو ہینگ
... کر آیا اور چلا چلا کر کہتا: "اینگ لے لو۔" جو چپ کر کے گزر جاتا' اسے کچھ نہ کہتا۔ اگر کوئی
... دیتا کہ مجھے ہینگ نہیں چاہیے تو خان غصے میں آ کر کہتا: "خو تم اینگ کیوں نہیں لیتا۔ ام
...مہارے باپ کا نوکر ہے جو تمہاری واسطے اتنی دور سے اینگ لایا ہے۔"

غل خان لوگوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھیں نہ رکھیں' جس رگ پر ہاتھ رکھیں وہ
... درد کھنے لگتی ہے۔ وہ ان سیاست دانوں میں سے ہیں جن کے پاس ہر حل کے لیے ایک ہی
... ہوتا ہے۔ وہ ہے انا۔ سرحد میں پیدا ہی نہیں ہوئے' سیاست کے لحاظ سے بھی ہمیشہ
...حد پر ہی رہتے ہیں۔ پٹھانوں کا تو محبت کرنے کا انداز بھی اپنا ہوتا ہے۔ وہ تو کہتے
... "خاناں وہ ہم کو اتنا اچھا لگتا ہے کہ دل چاہتا ہے اسے گولی مار دوں۔" سردی گرمی ہر موسم
... گرم۔ ایک زمانہ تھا وہ لطیفہ بھی سنا رہے ہوتے تو لگتا دھمکی دے رہے ہیں۔ مگر اب یہ
...ال ہے کہہ دیں بم ماروں گا تو لگتا ہے لطیفہ سنا رہے ہیں۔ ہم انہیں لطیفہ تو نہیں کہتے مگر وہ
...ات کے بم خان ہیں۔

# پکاسو کی بیوی

پاکستان بننے سے قبل سکھوں کے شہر ننکانہ میں ایک لڑکا ہاتھ میں ڈانگ لیے گزرتا تو ہر طرف سے آوازیں آنے لگتیں: "بابا ڈانگ' بابا ڈانگ۔" یہ بچہ ہر وقت ہاتھ میں ڈانگ اس لیے رکھتا کہ اس کے ددھیال والے اس کی ماں سے اچھا سلوک نہ کرتے۔ اسے اپنی امی سے اتنا پیار تھا کہ جب وہ بڑا ہو کر مصور بنا تو تصویر پر اس نے اپنا جو نام لکھا' اس میں بھی امی آتا تھا۔ وہ تھا "رامی" یہ الگ بات ہے کہ تصویر دیکھ کر لوگوں نے نام کو یوں ادا کرنا شروع کیا کہ احتیاطاً رامی کی بجائے رامے لکھنے لگے۔ وہ اداکار جتندر کے ہم عمر اور بچپن کے ساتھی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کل رامے پچاس سے اوپر ہیں' جب کہ جتندر پچیس سے اوپر کے۔ ویسے بھی اداکار' بیوی اور کار جب پرانی ہو جائے تو چالیس سے اوپر نہیں جاتی۔ بہر حال ان دونوں دوستوں نے اداکاری کے لیے مختلف فیلڈ چنے اور کامیاب رہے۔

والدہ انہیں بچپن میں جھوٹ بولنے سے منع کرتیں۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ بیٹا بڑا ہو کر سیاست دان بنے گا۔ رامے صاحب جب کسی واقعہ پر حیران ہوں تو انہیں چپ لگ جاتی ہے۔ اپنی پیدائش کے تین سال بعد تک نہ بولے۔ چھوٹے تھے تو کئی سال بعد بولنا آیا۔ بڑے ہوئے تو کئی سال چپ ہوتا نہ آیا۔ فلسفے میں داخلہ لیا۔ ہر گتھی سلجھالی۔ جو گتھی سلجھنے کی بجائے الجھنے لگی۔ اس سے شادی کر لی۔ ماں اور بیوی نے ان کی شخصیت پر ایسا اثر ڈالا کہ آج بھی وہ 50 فیصد ماں اور 50 فیصد بیوی ہیں۔ ڈاکٹر مبشر حسن پنجاب کی زنانہ آواز' عابدہ حسین پنجاب کی مردانہ آواز اور رامے صاحب پنجاب کی درمیانہ آواز ہیں۔ جوان کی آواز ایک بار سن لے' پھر وہ انہیں محترم نہیں' محترمی کہہ کر ہی بلاتا ہے۔



سیاست اور محبت میں جو کرتے ہیں' وہ جائز ہوتا ہے۔ صرف وہ ناجائز ہوتا ہے جو دوسرے کرتے ہیں۔ پہلے سیاست دان کرپٹ ہوتے تھے' آج کل کرپٹ سیاست دان ہو گئے ہیں۔ رامے خود کو اس سیاست کا باغی کہتے ہیں۔ انہیں مل کر باغی سے مراد باغ میں آنے جانے والا ہی لیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں میں مڈل کلاس سے ہوں۔ ہم نے سنا ہے' مڈل کلاس سے تو غلام حیدر وائیں صاحب تھے۔ رامے تو ایم اے ہیں۔ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے مڈل کلاس کی نمائندگی کی ہے تو یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ ہم خود مڈل کلاس کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ مڈل کلاس میں ہم مانیٹر تھے۔

1957ء میں "نصرت" نکالا۔ بعد میں نصرت پیپلز پارٹی کا ترجمان بنا۔ اب تو نصرت پیپلز پارٹی کی ترجمان ہیں۔ بھٹو دور میں رسالے "نصرت" پر اپنے نام سے پہلے "طابع" لکھتے مگر اسے "تابع" پڑھتے۔ سولہ ماہ وزیر اعلیٰ ہاؤس میں اور سولہ ماہ شاہی قلعے میں قید رہے۔ لوگ ان سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ جب وہ وزیر اعلیٰ تھے تو لوگ وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے جا کر کہتے: "وزیر اعلیٰ کو رہا کرو۔" لیکن یہ آج تک یہی سمجھتے ہیں کہ عوام کہتے تھے: "وزیر اعلیٰ رہا کرو۔" آج بھی نام کے ساتھ وزیر اعلیٰ یوں لکھتے ہیں جیسے ڈاکٹر اپنے نام کے ساتھ ایم بی بی ایس لکھتے ہیں۔

روزنامہ "مساوات" سے نکل کر مساوات پارٹی بنائی۔ دونوں میں یہ فرق تھا کہ روزنامہ "مساوات" میں کارکن زیادہ تھے۔ پارٹی کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب کہیں باہر جاتے تو ہمسائیوں کو کہہ کر جاتے کہ اس کا خیال رکھنا' آ کر لے لوں گا۔ ریٹرن ٹکٹ پر سفر کرتے ہیں۔ وہ تو الیکشن میں بھی ریٹرن ٹکٹ پر ہی Suffer کرتے ہیں۔

مصوری فطرت کی عکاس ہوتی ہے۔ جی ہاں مصور کی فطرت کی۔ پینٹنگ دیکھنے کا اصول یہ ہے 'خود نہ بولو' پینٹنگ کو بولنے دو۔ رامے صاحب نے تجریدی مصوری کو بہت اہمیت دی۔ ویسے بھی تجریدی مصوری اتنی توجہ مانگتی ہے کہ مصور کا ذرا دھیان ادھر ادھر ہو جائے' تو بھول جاتا ہے۔ کہ کیا بنا رہا تھا۔ سکھوں کے شہر میں پیدا ہوئے' مگر اپنی گفتگو میں اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے۔ ان کی تصویروں سے پتہ چلتا ہے بدصورتی کو بڑی خوبصورتی سے پینٹ کرتے ہیں۔ مصوری میں وہ پکاسو کی بیوہ ہیں۔ کسی تصویر کو کپڑے پہنا دو تو اس کی طرف یوں دیکھیں گے جیسے کوئی سخی کسی ننگے کو لباس پہنانے کے بعد دیکھتا

ہے۔ بچپن میں ٹریس کر کے تصویریں بناتے اور مار کھاتے۔ ہمارے تو ایک جاننے والے مصور نے ٹریس کر کے تصویر بناتے ہوئے بیوی سے مار کھائی کیونکہ وہ ایک ماڈل حسینہ سے تصویر ٹریس کر رہے تھے۔

جہاں بلند بولنا ہو' وہاں سرگوشی کریں گے۔ جہاں سرگوشی کرنا ہو' وہاں خاموشی کریں گے۔ انہیں تو ایک آدمی سے بات کرنے کے لیے بھی مائیک چاہیے۔ اس قدر آہستہ بولتے ہیں کہ زور لگا کر سننا پڑتا ہے۔ ان کا چہرہ ایک بار دیکھ لو تو ایک بار ہی یاد رہتا ہے۔ بار بار دیکھو گے تو بار بار بھولے گا۔ انہیں ہر مشکل پسند آتی ہے۔ وہ تو مشکل کو مہ شکل سمجھتے ہیں۔

انہوں نے اپنی آواز کبھی بیوی کے قد سے بلند نہیں ہونے دی۔ ان کی پسندیدہ شخصیت ان کی بیوی کا شوہر ہے۔ ہر بیوی کے جذبات کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ اگر انہیں پتہ ہو کہ مجھے آج مرنا ہے تو وہ سب سے پہلے جو کام کریں گے' وہ یہ ہوگا کہ اپنی بیوی کو تعزیتی کارڈ ارسال کریں گے۔ سکول میں ان کی نرم طبیعت' قوت برداشت اور صبر کی وجہ سے ایک بار سکول ٹیچر نے کہا تھا: "یہ مستقبل کا مستقل شوہر ہوگا۔" آج کل دنیا کی سپر پاور امریکہ ہے۔ رائے صاحب کی "دنیا" کی سپر پاور بھی آج کل ایک امریکن ہی ہے۔

کہتے ہیں اقتدار کا بھولا شام کو پارٹی میں آ جائے تو بھولا نہیں کہلاتا۔ البتہ اگر وہ رات کو پارٹی میں آئے تو اور بات ہوگی۔ انہیں اگر ڈاکٹر کہے کہ آپ کی صحت کے لیے تبدیلی ضروری ہے تو صبح تک پارٹی بدل لیں گے۔ کہتے ہیں: "میں نے زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ دیکھی ہے' وہ سورج ہے۔" واقعی چڑھتے سورج کو ان سے زیادہ کس نے دیکھا ہوگا۔ استاد تھے تو طبیعت میں شاگردی تھی۔ طبیعت میں استادی آئی تو سیاست میں آ گئے۔ انہیں ہر وقت ایک بندہ چاہیے جس کی تعریف کر سکیں۔ اگر کوئی نہ ملے تو شادی کا سوچنے لگتے ہیں۔ کافی اس قدر پسند ہے کہ صرف وہی چیز لیتے ہیں جو کافی ہو۔ ہم تو کہتے ہیں مشروبات ہیں ہی دو طرح کے۔ ایک کافی اور دوسرے ناکافی۔

صاحب! جس نے کبھی عورت سے محبت نہیں کی' وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اور جس نے عورت ہی سے محبت کی۔ وہ بھی قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ ادب نے ان کا قد بحیثیت سیاست دان کم کیا اور سیاست نے ان کا قد بحیثیت ادیب کم کیا۔ کہتے ہیں' میری تحریروں میں



لم و فضل کی کمی نظر آئے تو ادیب سمجھ کر معاف کر دیں۔

محمد حنیف رامے وہ تصویر ہیں جو انہوں نے خود بنائی ہے۔ کبھی انہوں نے اسے ایک یاست دان وزیر اعلیٰ کی شکل دی' کبھی ترقی پسند صحافی کی' کبھی "پنجاب کا مقدمہ" لڑنے الے ادیب کی' کبھی مقرر اور کبھی دانشور کا روپ دیا اور کبھی ان سب پر خط تنسیخ پھیر کر ہاتھ ں برش پکڑ کر خود تصویر کی جگہ آ کھڑے ہوئے۔ یہ وہی بابا ڈانگ ہے جو خود تو وہی کا وہی رہا ر اس کی ڈانگ گھستے گھستے قلم اور برش ہو گئی۔

# افریقہ کا بٹ

جیسے کسی بچے اور سردار جی کے بارے میں یہ پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اگلے لمے کیا کرے گا ایسے ہی دلدار بھٹی کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اگلے لمحے کیا کہے گا۔ کہتے ہیں اسے بولنے کی بیماری ہے حالانکہ وہ چپ ہو تو اس کا یقینی مطلب یہ ہے کہ وہ بیمار ہے۔ دوران گفتگو کسی کی سننا تو درکنار وہ اپنی بھی نہیں سنتا۔

لڑتے وقت دلدار بھٹی سے دلا بھٹی بن جاتا ہے۔ اگر کسی سے زیادتی کرے تو معافی مانگ لیتا ہے اسی لیے کسی سے لڑ پڑے تو اسے دل کھول کر ذلیل کرتا ہے کہ کل معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ چھوٹے منہ کی بڑی بات کو بڑے حوصلے سے برداشت کر جاتا ہے مگر بڑے منہ کی چھوٹی بات پر میں نے اس کو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا ہے۔

دلدار دیکھنے میں ریڈیو کا آدمی لگتا ہے یعنی صرف سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ رنگ ایسا کہ نہا کے آرہا ہو تو لگتا ہے نہانے جارہا ہے۔ کہتا ہے اگر افریقہ میں ہوتا تو لوگ مجھے بٹ صاحب کہہ کر بلاتے۔

وہ پیدائشی نیوز کاسٹر ہے یعنی بچپن ہی سے اپنے باپ کے ساتھ اس اعتماد سے جھوٹ بولتا تھا کہ اس اعتماد سے نیک طینت سچ نہ بولتے ہوں گے شاید اسی لیے وہ اسے وکیل بنانا چاہتے تھے مگر وہ کسی دیوانی عدالت کی بجائے اپنے دیوانوں کی عدالت میں پہنچ گیا۔

عورتیں اسے دلدار' مرد بھٹی اور جنہیں کام ہو بھٹی صاحب کہتے ہیں۔ دلدار عورتوں کو دلدار کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے نئے نئے لباس خریدنے کا بہت شوق ہے جس کی وجہ میرا دوست "ف" یہ بتاتا ہے کہ وہ نئے نئے لباس آزماتا ہے کہ شاید کوئی اسے اچھا لگے اپنے طور پر بڑا دھلار دھلا یار ہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کوئی ساتھ ہو تو میلا میلا لگتا ہے۔



وہ بُرے دنوں کی طرح آتا ہے اور جاتا بھی ایسے ہی ہے یعنی اس کے جانے کے گھنٹہ بعد تک یہی لگتا ہے جیسے ابھی اٹھ کر گیا ہو۔ مخالفین کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو مخالفین اس کے ساتھ کرتے ہیں۔

بلا کا تیز ہے جو کام دوسرے ہفتوں میں کرتے ہیں یہ دنوں میں کر لیتا ہے یعنی جتنی غلطیاں دوسرے ہفتے میں کرتے ہیں یہ ایک دن میں کر جاتا ہے۔ گاڑی اس امید پر چلاتا ہے کہ مخالف سمت سے آنے والا خود ہی بچا لے گا حالانکہ ہمارے ہاں مخالف سمت سے آنے والا بھی اسی امید پر ہوتا ہے۔

کسی کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھتا اسی لیے اس کے فقروں سے چھوٹے بڑے مساوی طور پر غیر محفوظ ہوتے ہیں زنانہ لباس کی طرح ہے یعنی جو اس کے اندر ہوتا ہے سب پر ظاہر کر دیتا ہے۔

دلدار بھٹی نے بڑے بڑے بدتمیزوں کو مہذب بنایا ہے یعنی وہ اس کے پاس بیٹھے ہوں تو مہذب لگتے ہیں۔ وہ پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرتا یہ کام وہ سامنے کرتا ہے۔ اپنا کسی سے تعارف نہیں کراتا۔ کہتا ہے جو مجھے پہچانتے نہیں ان سے تعارف کروانے کا کیا فائدہ اور جو جانتے ہیں ان سے تعارف کی کیا ضرورت۔ نتیجہ یہ کہ اب لوگ اسے تعارف کے بغیر برا بھلا کہنے لگتے ہیں اس کا فنی قد ایسا ہے کہ آپ پاکستان کے کسی بھی کونے میں کھڑے ہو کر اسے پتھر مار سکتے ہیں۔

تانک جھانک کا اسے بچپن ہی سے شوق تھا۔ آج کل ٹی وی کی کھڑکی سے لوگوں کے گھروں میں جھاتیاں مارنے لگا ہے۔ کمپیئرنگ یہ جاننے کا فن ہے کہ کب چپ ہونا ہے۔ جسے یہ نہ آتا ہو اسے ٹی وی کمپیئر کہتے ہیں۔ راحت کاظمی کمپیئرنگ کر رہا ہو تو مہمان اس کا مد مقابل لگتا ہے۔ وہ اردو یوں بولتا ہے جیسے اس پر احسان کر رہا ہو۔ طارق عزیز مائیک پر یوں چلاتا ہے جیسے فٹ پاتھ پر منجن بیچ رہا ہو۔ وہ جانتا ہے سچ کا بول بالا ہوتا ہے اسی لیے بلند آواز میں بولتا ہے اور وہ بھی یوں کہ لگتا ہے لہجے' الفاظ اور تلفظ پر تشدد کر رہا ہے۔ نعیم بخاری اپنی انکساری کے باعث سیٹ کا حصہ لگنے لگتا ہے۔ یوں بولتا ہے جیسے بخار میں بول رہا ہے۔ مہتاب چنا تو کبھی ہو تو سنائی دیتی ہے۔ خوش بخت شجاعت تو عورتوں کی طارق عزیز ہے۔ انور مقصود کھنکھار کر کے آتا ہے بات بعد میں کرتا ہے داد طلب نگاہوں سے سامعین کو پہلے دیکھتا

ہے۔ سلمٰی بیگ بولتی ہوئی لگتی ہے معافیاں مانگ رہی ہے۔ دلدار کمپیئرنگ کم اور مداری زیادہ کرتا ہے۔ اس میں لفظی بازی گری نہیں زندگی کا بلہ گلہ ہے۔ دوسرے لکھا ہوا بولتے ہیں اس کا بولا ہوا لکھا جاتا ہے۔

اس کی اس قدر صلاحیتیں دیکھ کر لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بیک وقت زنانہ اور مردانہ صلاحیتیں بخشی ہیں۔ دلدار بھٹی کی ان صلاحیتوں کا سب سے بڑا دشمن دلدار بھٹی ہی ہے وہ ایک جینئس کمپیئر ہے جسے اس نے مار دیا وہ منفرد کالم نگار بھی ہے جسے اخبار والوں نے مار دیا وہ اعلیٰ درجے کا اداکار ہے جسے پتا نہیں کس نے مارا ہے اور یوں وہ بڑا آدمی بننے سے بال بال بچا ہوا ہے۔



# ڈاکٹر بُلّھے شاہ

اسے جتنے بلھے شاہ کے شعر یاد ہیں شاید اتنے تو خود بلھے شاہ کو یاد نہ ہوں گے۔ جس سے خوش ہو اسے بلھے شاہ کا شعر سنائے گا ناراض ہو تو دو سنائے گا۔

کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا پرنسپل ہونا اس کے لیے باعث "افتخار" ہے۔ طلباء کو ماں کی نظر سے دیکھتا ہے مگر سلوک باپ والا کرتا ہے۔ وہ بھی اسے وہی اہمیت دیتے ہیں جو آج کل کی اولاد باپ کو دیتی ہے۔ طلباء کا محبوب استاد ہے' اسی لیے طلباء اس کے وعدے کو محبوب کا وعدہ سمجھتے ہیں۔ طلباء کو دوست سمجھتا ہے اس میں اتنی برائی نہیں مسئلہ یہ ہے کہ طلباء بھی اسے دوست سمجھتے ہیں کوئی طالب علم اس کے آفس چلا جائے تو اسے بھی چائے پلا کر بھیجے گا اسی لیے اکثر لیڈر قسم کے طلباء کینٹین کی بجائے اس کے آفس میں زیادہ ملتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد لڑکوں میں بیٹھا ان کی عمر کا لگتا ہے اور بوڑھوں میں بیٹھا ہو تو بوڑھے اس کی عمر کے لگنے لگتے ہیں۔ چال پاکستان جیسی اور چال چلن بھی ایسا ہی یعنی حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ۔ لباس ایسا کہ کوئی اور بھی پہنتا تو ایسا ہی لگتا۔ کوٹ پر لگا پھول اتنا تازہ ہوتا ہے کہ لگتا ہے لگا نہیں اگا ہوا ہے۔

بڑے دل کا آدمی ہے مگر میڈیکل میں بڑا دل ہونا بیماری ہے۔ تاہم اتنا اچھا ہے کہ کوئی نا آدمی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اس قدر ہنستا مسکراتا رہتا ہے کہ شادی شدہ نہیں لگتا مگر اس کی جیب دیکھ لو تو فوراً یقین ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر افتخار کے ہاں سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں آیا۔ کچھ نہ دے سکے تو دعا ضرور دیتا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر کی دعا اور بیوی کی چپ کبھی اچھا شگون نہیں رہا۔ ہمارے ہاں جو ایک بار اس ڈاکٹر سے دوائی لے لے پھر ایک سال تک کسی کلینک پر نظر نہیں آتا ہاں ایک سال بعد

اس کے پاس اتنے پیسے ہو جاتے ہیں کہ دوبارہ ڈاکٹر کے پاس جاسکے۔ اس کے پاس بھی اکثر مریض اتنی دیر کے بعد ہی آتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے وہ ادھار دوائی ہی نہیں اس سے واپسی کا کرایہ بھی لے کر گئے ہوتے ہیں۔ سنا ہے وہ بڑا سخی ہے۔ وہ سخی نہ ہو غنی ضرور ہے کہ سخی کو پیسے جانے کا دکھ نہیں ہوتا اور غنی کو پیسے آنے کی خوشی نہیں ہوتی۔

اس کا ماٹو ہے "زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا" اوروں کو یہی کہہ کہہ کر اس نے زندگی کا مقصد حاصل کیا ہے۔

کبھی اتنی اچھی باتیں کرتا ہے کہ یقین نہیں آتا کہ وہ ڈاکٹر ہے اور کبھی ایسی کہ پھر بھی یقین نہیں آتا۔ بڑے سے بڑے مسئلے کا فیصلہ ہاں یا ناں میں کر دے گا۔ جب تک مسئلہ غیر اہم نہ ہو اس پر زیادہ گفتگو نہیں کرتا۔ ایک منٹ بولنا ہو تو پانچ منٹ سوچے گا پانچ منٹ بولنا ہو تو ایک منٹ سوچے گا۔

اس کے دفتر میں کوئی بھی چلا جائے اس کی یوں خاطر کرے گا جیسے انتخابی امیدوار کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ خاطر کبھی الیکشن سے پہلے والی ہوگی اور کبھی بعد والی۔

ہر کاغذ اچھی طرح پڑھ کر اس پر دستخط کرتا ہے۔ ایک بار اس نے بغیر پڑھے ایک کاغذ سائن کیا تھا' نکاح نامہ' پھر ساری زندگی کبھی ایسا نہیں کیا۔

دشمنوں کے معاملے میں بڑا محتاط ہے۔ دوست بنانے کے لیے کسی کی صلاحیتیں دیکھے نہ دیکھے دشمن بنانے کے لیے ضرور دیکھے گا کیونکہ اس کی یہ ترقی اس کے دشمنوں ہی کی مرہون منت ہے۔ اس نے اپنی تربیت دوستوں کی بجائے دشمنوں سے کرائی ہے۔ وہ اس کی شخصیت میں جو خامیاں نکالتے یہ انہیں شخصیت سے نکال دیتا۔ دوستوں کے ساتھ سلوک اپنی توفیق کے مطابق کرتا ہے جبکہ دشمنوں کے ساتھ ان کی توفیق کے مطابق۔ جو اسے دوسروں سے محتاط رہنے کے لیے کہے اس سے محتاط رہنے لگتا ہے۔

اپنے گھر کے علاوہ ہر جگہ مہمان خصوصی ہوتا ہے۔ رائے مانگو تو فیصلہ دے گا اور فیصلہ مانگو تو رائے۔ کلاس روم میں ہر موضوع پر اتنا اچھا لیکچر دیتا ہے کہ اس کی ہر بات سمجھ میں آرہی ہوتی ہے۔ بس ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کس موضوع پر لیکچر دے رہا ہے۔ جس کے ساتھ تعلقات ہوں وہ سمجھے گا اس کے سب سے اچھے تعلقات میرے ساتھ ہی ہیں جس کا کام نہ کرے وہ سمجھتا ہے اس نے صرف میرا کام نہیں کیا۔

ایک بار ایک طالب علم نے اس کی کار کو ٹھوکر مار دی۔ سرجری کے ایک پروفیسر نے



دیکھ لیا اور اس لڑکے کو پکڑ کر ڈاکٹر صاحب کے آفس میں لے آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے طالب علم کو ڈانٹا اور پروفیسر موصوف کو خوش کیا۔ جونہی وہ پروفیسر گیا اس طالب علم کو چائے پلائی اور باتوں سے اسے بھی خوش کر دیا اور ساری زندگی یہی کیا۔ وہ ہر کسی کو خوش رکھنا چاہتا ہے جو ایسے ہی ہے جیسے بندہ بیک وقت ہوائی' بحری اور بری سفر کرنا چاہے۔ اس نے جسے بھی خوش کیا خوش کرنے کی کوشش میں کیا۔

وہ ایک آدمی نہیں ایک اجتماع ہے جس میں صوفی' شاعر' آرٹسٹ' مقرر' ڈاکٹر' استاد' سیاستدان' شاگرد' دوست' دشمن' پنجابی' پاکستانی اور پتا نہیں کون کون شامل ہے۔ ایک وقت میں وہ ان سب میں سے ایک ہوتا ہے۔ مگر یہ کسی کو پتا نہیں ہوتا کہ کسی وقت کون ہے؟

وہ آنکھ' دل' زبان اور جوتے کبھی میلے نہیں ہونے دیتا ہر پانچ منٹ بعد صاف کرتا رہتا ہے۔

کہتے ہیں جو موسیقی سنتا ہے وہ ظالم نہیں ہو سکتا۔ واقعی آج کل کی موسیقی سن کر یقین ہو جاتا ہے کہ اسے سننے والا ظالم نہیں مظلوم ہی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر بلھے شاہ کو بھی موسیقی سے لگاؤ ہے۔ جوانی میں آدمی کی سب سے کمزور چیز اس کی قوت سماعت ہوتی ہے' اسی لیے نوجوانوں کو گانے سننے کے لیے ٹیپ ریکارڈر فل آواز میں لگانا پڑتی ہے اور موسیقی سنتے وقت ڈاکٹر بلھے شاہ بھی نوجوان لگتا ہے۔ اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ اس کا سلوک درمیانہ ہوتا ہے کیونکہ عورتوں سے مردوں والا سلوک کرو تو گھر سے نہ آئیں گی اور اگر ان سے عورتوں جیسا برتاؤ کرو تو بیوی آپ کو گھر سے نہ آنے دے گی۔

وہ پروفیسر ہے' شاید اسی لیے حیران کرتا رہتا ہے۔ آپ اس کے پاس کوئی کام لے کر جائیں اور آپ کو یقین ہو کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتا مگر وہ کام کر کے آپ کو حیران کر دے گا۔ اگلی بار آپ جائیں اور آپ کو یقین ہو کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ اس بار بھی وہ آپ کو حیران کر دے گا۔ اس سے تو ملاقات کر کے نکلو تو لگتا ہے بندہ ڈرامے کی قسط دیکھ کر نکلا ہے۔ اگلی ملاقات میں کیا ہو گا اس میں وہی سسپنس ہوتا ہے جو اگلی قسط میں ہوتا ہے۔

اپنی طبی صلاحیتوں کی وجہ سے اس نے بہت سے آدمیوں کو جنت جانے سے روکا اور اپنی طبعی صلاحیتوں سے بہت سوں کو جنت کی راہ دکھائی۔

ڈاکٹر بلھے شاہ مستقبل کا وہ لمحہ ہے جس کے بارے میں آپ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے مگر ہر شخص اس سے پرامید ضرور ہوتا ہے۔

# گلابوں والی گلی والی

اس وقت کی بات ہے جب لڑکیاں آج کے زمانے سے زیادہ لڑکیاں ہوتی تھیں، شعبہ نفسیات پنجاب یونیورسٹی کی طالبہ نیلم کاغذ پر کچھ لکھ رہی تھی' اچانک احمد بشیر اس کے پاس آیا اور کہا "یہ بعد میں لکھ لینا پہلے ذرا شادی کر لو" اور حیران دیکھتی رہی۔ احمد بشیر کو حیران کرنے کی بری عادت ہے' یہاں تک کہ لوگ نیلم' سنبل' بشریٰ انصاری اور اسماء وقاص کو اس کی بیٹیاں سمجھتے رہے۔ چاروں ادب و ثقافت میں آئیں تو بیٹا نکلیں۔

نیلم احمد بشیر کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اسے لگا کہ وہ گھر میں نہیں' لائبریری میں پیدا ہوئی ہے۔ وہ سب بہنوں سے بڑی تھی اور اب تک بڑی ہے۔ بچپن میں اس سے چھوٹی سی غلطی ہو جاتی تو احمد بشیر کہتا "تمہاری یہ جرأت! چھوٹی سی غلطی تو آج تک ہمارے خاندان میں کسی نے نہیں کی۔" صبح اٹھ کر ناشتہ تیار کر کے ماں کہتی کہ اب آپ اٹھ جائیں' میں نے آپ کے دانت صاف کر دیئے ہیں۔

شکل و صورت ایسی کہ منٹو کو پڑھ رہی ہو تو لگتا ہے' بہشتی زیور پڑھ رہی ہے۔ ویسے وہ اتنی معصوم نہیں جتنی شکل سے لگتی ہے' اس سے زیادہ ہے۔ اپنے ہاتھ سے کیے کام کو اچھا سمجھتی ہے۔ وہ تو اپنے ہاتھ سے ابالے پانی کو بھی دوسروں سے زیادہ گرم سمجھتی ہے۔ بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نہیں نکالتی' منہ سے نکالتی ہے۔ بولنے کا اس قدر شوق ہے کہ اس کی بیشتر کہانیاں واحد متکلم میں ہوتی ہے۔ سوچتی انگریزی میں' بولتی پنجابی اور لکھتی اردو میں ہے۔ لیکن سمجھتی کسی زبان میں بھی نہیں۔

اس قدر نرم دل کہ ٹی وی ڈرامے میں کسی جاننے والے کو بیمار دیکھ لے تو اس کے گھر عیادت کرنے چلی جائے گی اور اگر کوئی سچ مچ بیمار ہو تو اس قدر پریشان ہو گی کہ اس کا چہرہ



...لیہ کر بیمار کو اپنے بچنے کی کوئی امید نہ رہے گی۔ یادداشت بہت بری ہے۔ آپ پوچھیں گے' کیا ہر بات بھول جاتی ہے؟ جی نہیں! ہر بات یاد رکھتی ہے۔ دوسروں کے دکھ سکھ میں اس قدر شامل ہوتی ہے کہ موچ کسی کے پاؤں میں آتی ہے اور چلا اس سے نہیں جاتا۔

مشہور گلوکارہ بننے کے لیے جو کچھ چاہیے' اس کے پاس ہے۔ گا بھی لیتی ہے پینٹنگ بھی کرتی ہے۔ ویسے تو ہر خاتون بنیادی طور پر پینٹر ہوتی ہے لیکن "ف" کہتا ہے کہ یہ ضروری بھی نہیں' کچھ خواتین میک اپ نہیں بھی کرتیں۔ اداکاری کا بھی شوق ہے۔ بشریٰ انصاری اور اسماء وقاص نے تو یہ شوق پورا کرنے کے لیے ٹی وی ڈراموں میں کام کیا اور اس نے شادی کر لی۔ اس لحاظ سے وہ اپنی ذات میں انجمن ہے۔ مگر جنہوں نے اسے دیکھا اور "انجمن" کو بھی دیکھا ہے' وہ نہیں مانتے۔

صبح گھر سے نکلتے وقت پہلے گاڑی تک آئے گی۔ اسے ہی پتہ ہوتا ہے کہ وہ چابیاں تلاش کر رہی ہے۔ محلے والے سمجھتے ہیں' جوگنگ کر رہی ہے۔ کہتے ہیں جس دن نوکرانی پر غصہ آئے تو اسے کچھ کہنے کی بجائے گھر کا سارا کام خود کرنے لگے گی۔ اس حساب سے تو ہر وقت غصے میں رہتی ہے۔ کہتی ہے میں نے ایک دن نوکرانی کو کہہ دینا ہے "میرے سے اب اتنا کام نہیں ہوتا تم کوئی اور مالکن رکھ لو۔" مالی ہر مہینے والد کی وفات کا بہانہ کر کے ایڈوانس اور چھٹی لے جاتا ہے اور یہ ہر ماہ سخت دل کر کے فیصلہ کرتی ہے کہ اللہ کرے اب اس کا والد فوت نہ ہو۔ اگر ہو گیا تو اب ایڈوانس اور چھٹی نہیں دوں گی۔

اس کے گھر میں ہر قسم کا ساز و سامان ہے۔ میں نے اکثر سنا ہے' والدین نے بیٹی کو جہیز میں بڑا ساز و سامان دیا تاکہ اسے نیا گھر چلانے میں آسانی ہو۔ سامان کی تو سمجھ آ جاتی ہے' ساز کیوں دیتے ہیں؟ اس کا پتہ نہیں۔ بہر حال اس کے پاس بڑی انٹیک چیزیں ہیں جو اس نے اس وقت خریدیں جب ابھی نئی تھیں۔

پندرہ برس امریکہ اس گھر میں رہی' جہاں اس قدر سردی ہوتی کہ کار اور گفتگو اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں گھنٹوں لگ جاتے' تب کہیں جا کر کار اسٹارٹ ہوتی۔ امریکی معاشرہ تو وہ ہے جہاں ایک شادی کی تقریب میں ایک خاتون نے نئی آنے والی مہمان سے پوچھا کہ آپ دولہے کی کون ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں دولہے کی بہن ہوں۔ تو پہلی عورت نے کہا "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی میں دولہے کی والدہ ہوں۔" پندرہ سال اس معاشرے میں

رہنے کے بعد اس کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دن میں دو بار بھی ملے تو ہر بار یوں ملے گی
پندرہ سال بعد مل رہی ہو۔

کہتی ہے مجھے بچپن ہی سے ادب سے لگاؤ تھا اس لیے جب سائنس ٹیچر نے کہا "
پھیلتا ہے" تو اس نے فوراً اٹھ کر تذکیر و تانیث کی غلطی نکال کر کہا "مادہ پھیلتی ہے۔"
نہیں وہ تو مادہ پرست بھی شادی شدہ کو سمجھتی ہے۔ نیلم کی عمر کے معاملہ میں ان سے بہت
عمر ہے جو اس سے زیادہ عمر کی ہیں اور ان سے تھوڑی سی بڑی ہے جو اس سے بہت کم عمر ہیں۔

دس سال کا بچہ بھی اس سے گھنٹہ گفتگو کر لے تو وہ خود کو چالیس سال اور اسے
سال کا سمجھنے لگے گا۔ غلطی کرنے کے باوجود اسے پتہ نہیں چلتا کہ اس نے غلطی کی ہے
تو شادی کے کئی سال بعد جا کر پتہ چلا کہ شادی شدہ ہے۔

نیلم پندرہ سال امریکہ میں نامکمل کاغذ ہاتھ میں پکڑے حیران کھڑی دیکھتی رہی۔
بہرحال ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے اس دوران کچھ نہیں کیا' ماشاءاللہ تین بچوں کی ماں
ہے۔ گزشتہ دو سالوں میں اس نے پندرہ سال پہلے کا خالی کاغذ رنگوں سے بھرا تو اس کا نام
"گلابوں والی گلی" رکھا۔ کہتی ہے میں نے علامتی افسانے لکھے ہیں' غلط کہتی ہے۔ ایک
امتحان میں ممتحن نے "ف" سے پوچھا کہ انور سجاد کے اس علامتی افسانے کا مطلب کیا ہے؟
"ف" نے کہا "سر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے فیل کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے سنا
"گلابوں والی گلی" بڑی ننگی کتاب ہے۔ جب نیلم نے یہ کتاب مجھے دی تو واقعی ننگی تھی
بغیر ٹائٹل کور کے البتہ اس پڑھ کر میں خود کو ننگا محسوس کرنے لگا۔ مجھے لگتا ہے کہ نیلم
لوگ آج احمد بشیر کے حوالے سے جانتے ہیں' ایک وقت آئے گا کہ احمد بشیر کو لوگ نیلم
حوالے سے جانیں گے۔



# حسینہ ایٹم بم

اسے شاید ایٹم بم اس لیے کہتے ہیں کہ جو ہیرو اس کے ساتھ ایک گانا فلما لے' وہ پھر
ہیرو کم اور ہیروشیما زیادہ لگنے لگتا ہے۔ وہ فلم انڈسٹری کے قابل دید مقامات میں سے ایک
ہے۔ بچپن ہی سے اس میں اداکارہ بننے کی صلاحیتیں تھیں یعنی دن کا کام رات کو کرتی۔
سال کی عمر میں ہی اس کی آواز اتنی بدل گئی کہ وہ ناں کہتی تو ہاں لگتا البتہ کہتی نہ تھی'
کرتی تھی۔

تعلق اس خاندان سے جہاں مائیں بیٹیوں کو اتنا چیک نہیں کرتیں' جتنا چیک سمجھتی
ہیں۔ اس کی نانی کے دور میں ایک حکمران نے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تو انہوں نے
ان کی پشتوں کو کشتے لگا دیئے۔ اس کی والدہ کی باتیں حکمت بھری ہوتی ہیں یعنی ہر چند فقروں
کے بعد معجونوں اور مربوں کا ذکر ہوتا ہے۔ البتہ یہ خود مربے کو مربعے کہتی ہیں۔ عمر کے
بارے میں ان کے ہاں کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کی والدہ سے عمر پوچھو تو کہے گی "تیس کے
اوپر ہوں۔" اور وہ واقعی ٹھیک کہتی ہے اس کی عمر تیس سے اوپر ہے یعنی ستر سال ہے۔ گھر
میں سینہ ایٹم بم کی اپنی والدہ کے ساتھ تصویر ہے' جب اس کی والدہ ابھی دس بارہ سال کی
تھی۔ حسینہ ایٹم بم ڈبے کے دودھ پر پلی جس کی وجہ اس کی والدہ یہ بتاتی ہے کہ ڈاکٹر نے
کہا تھا "بچی کے منہ میں جو کچھ ڈالو' اسے پہلے ابال لو۔" بچپن میں جب شام کو اسے ٹیوشن
پڑھانے والا ٹیچر پوچھتا کہ گیارہ کے بعد کیا آتا ہے' تو کہتی "ماسٹر صاحب گیارہ کے بعد کوئی
نہیں آتا' بے شک قسم لے لیں۔"

سال میں چند مہینے شادی شدہ رہتی ہے کہتی ہے "میرے تین بچے ہیں' ایک پہلے
خاوند سے' ایک تیسرے سے اور ایک میرا اپنا ہے۔" پوچھو کہ جب تیسرا بچہ پیدا ہوا اس

سے کافی عرصہ قبل تمہارا شوہر فوت ہو چکا تھا۔ کہے گی "وہ فوت ہوا تھا' میں تو فوت نہیں ہوئی تھی۔" جو بچی پہلے اسے ماں کہتی' اب یہ اسے یوں ملتی ہے جیسے اس کی بہن ہو یوں اس نے رویے سے اس کی ماں بہن ایک کر دی ہے۔ کہتی ہے' پہلا خاوند اس قدر شکی تھا کہ میں نے مری کی پہاڑیوں پر بیٹھ کر اسے تصویر بھیجی اور لکھا میرا سارا دن مری کی پہاڑیوں پر تمہارے بغیر یوں تنہا گزرتا ہے تو وہ بجائے محبت کا جواب محبت سے دیتا' اس نے آگے سے یہ لکھ بھیجا کہ تم تنہا تھی تو پھر یہ تصویر کس نے کھینچی؟ پہلے گھر ایسا تھا کہ اسے پہلو بدلنے کے لیے بھی خاوند کو باہر بھیجنا پڑتا۔ جوں جوں گھر بڑا ہوتا گیا' خاوند چھوٹا ہوتا گیا۔ بعد میں گھر اتنا بڑا ہو گیا کہ اسے خاوند سے بھی بات کرنے کے لیے ٹیلیفون استعمال کرنا پڑا۔ پھر ایک روز وہ سٹوڈیو جاتے ہوئے نوکروں سے کہہ گئی کہ میری واپسی تک وہ تمام چیزیں جنہیں میں استعمال نہیں کرتی' گھر میں نہیں ہونی چاہئیں اور وہ اس کے گھر واپس آنے سے پہلے ہی گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

دوسری شادی دو دن ہی چلی۔ اس کے جاگیردار عاشق نے شادی سے اگلی صبح جب وہ بغیر میک اپ کے سوئی ہوئی اٹھ کر سویرے سویرے اخبار پڑھ رہی تھی اسے ساس سمجھ کر گفتگو شروع کر دی جو طلاق پر جا کے ختم ہوئی۔ اس نے خاوند کی زندگی پر جو انمٹ نقوش چھوڑے' ان میں سے ایک اس کے ماتھے پر بھی تھا۔ کہتی ہے "تیسرے خاوند سے پہلی لڑائی کی صلح اس مولوی نے کرائی جو ان کا نکاح پڑھانے آیا تھا۔" ایک بار خاوند نے لڑ کر قسم کھائی کہ مہینہ تمہیں منہ نہ دکھاؤں گا۔ بہت پریشان ہوئی۔ ایک فلمساز نے تسلی دیتے ہوئے کہا' پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ چٹکی بجاتے مہینہ گزر جائے گا۔" تو کہنے لگی "اسی لیے تو پریشان ہوں۔" کہتی "میں کئی کئی دن اس کے ساتھ باوفا رہتی لیکن پھر بھی وہ شادی کی سالگرہ پر پانچ منٹ کی خاموشی اختیار کرتا۔ چوتھی سالگرہ پر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔"

دنیا میں بندہ آتا ہے تو ننگا ہوتا ہے اور جب جاتا ہے' سفید لٹھے میں ملبوس ہوتا ہے گویا قیام دنیا کا وقفہ اتنا ہی ہے جتنا ننگے کا لباس پہننا۔ حسینہ ایٹم بم وہ لباس پہنتی ہے جو دیر سے شروع ہو اور جلدی ختم ہو جائے۔ لباس پہنا ہو تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ لباس کے اندر ہے اور باہر نکلنا چاہتی ہے یا لباس سے باہر ہے اور اندر جانا چاہتی ہے۔ بیٹھی ہوئی تصویر لگتی ہے۔



کہ "کہتا ہے "وہ تصویر تو ہے مگر اوور ایکسپوزڈ اور اوور ڈیویلپڈ۔" اس کا لباس اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ پاس کھڑے شخص کا سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔

پشاور کی رہنے والی ہے اور کہتے ہیں' پشتو فلموں کو پسند کرتی ہے۔ حالانکہ بھری محفل میں اس سے پشتو فلم کا ذکر کر دیا جائے تو منہ پھیر کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ البتہ اپنے علاقے کے مردوں کا اس قدر احترام کرتی ہے کہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑی نہیں ہوتی۔

امریکہ میں رہی۔ ایک صحافی نے پوچھا "وہاں آپ صبح سویرے اٹھ کر سب سے پہلے کیا کرتی تھیں" کہنے لگی "سب سے پہلے اٹھ کر میں واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آتی۔" دوران گفتگو اپنے بارے میں "ہم" استعمال کرتی ہے۔ پہلی شادی کے وقت سہیلیوں کے درمیان بیٹھی تھی تو مولوی صاحب نے پوچھا "آپ کو فلاں بن فلاں قبول ہے۔" تو شرما کر کہا "ہم کو قبول ہے" تو مولوی صاحب نے فوراً ٹوکا "بی بی! صرف اپنی بات کریں۔"

کسی نے پوچھا "آپ کو سب سے پہلے جس نے پیار کیا آپ نے اسے کیا کہا؟ بولی "اس کو میں نے کیا کہنا تھا' کیونکہ اس وقت تک تو میں نے ابھی بولنا شروع نہیں کیا تھا۔" جس جسم پر تکیہ تھا' اب وہ خود تکیہ لگتا ہے۔ پہلے اس کی گردن صراحی جیسی تھی اب تو یہ خود صراحی لگتا ہے جو بہت سراہی گئی۔ خاندان تو وہ ہے جس میں بیٹی کو ماں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے مگر اسے دیکھ کر لگتا ہے' اس نے اپنا بوجھ اتنا اٹھایا نہیں' جتنا لٹکایا ہوا ہے۔ اس کا بدن قوسوں سے مل کر بنا ہے مگر ہر قوس کوس کوس کی ہے۔ جلد اتنی پتلی کہ جھکے تو لگتا ہے ابھی جسم کا کوئی حصہ ڈھلک کر نیچے اتر پڑے گا۔ بازو اتنے لمبے کہ فلم میں انگڑائی لے تو سکرین سے باہر نکل آتے ہیں۔

اس کا گھر دیکھ کر بندہ گھبرا جاتا ہے مگر وہ پھر بھی گھیر لیتی ہے۔ سلمنگ سنٹر جاتی رہی' جس سے آہستہ آہستہ اس کا لباس سلم ہوتا گیا۔ مگر جسم اب بھی ایسا ہے کہ صرف کھڑے ہونے کے لیے اسے ایک بندے کی جگہ آگے اور ایک ہی کی پیچھے خالی رکھنا پڑتی ہے۔"

چائے کے ساتھ سکینڈل پسند کرتی ہے کہ اس سے چائے میں چینی ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کہتی ہے "جوان وفادار ہونا چاہتا ہے مگر ہو نہیں سکتا اور بوڑھا بے وفا ہونا چاہتا ہے مگر ہو نہیں سکتا' یوں وہ بہانے بہانے خود کو جوان ثابت کرتی رہتی ہے۔"

اس کی اداسی بھی ایک ادا۔سی ہوتی ہے۔ پوچھو "محبت کیسے شروع ہوتی ہے؟" تو کہے

گی "محبت م سے شروع ہوتی ہے۔" کسی نے کہا کہ میاں بیوی کے جھگڑوں میں ثالث نہیں
ہوتے ہیں تو کہنے لگی بالکل غلط' میاں بیوی کے جھگڑوں میں ثالث رات ہوتی ہے۔ کہتی ہے
"مرد اور عورت کی سوچ ایک جیسی ہوتی ہے' عورت مرد سے سونا مانگتی ہے اور مرد بھی
بدلے میں سونا ہی چاہتا ہے۔"

اس قدر بولتی ہے کہ صرف "نہیں" کہنے میں تین گھنٹے لگا دیتی ہے۔ البتہ "ہاں" کہنے
میں سکینڈ نہیں لگاتی۔ کہتی ہے' اب اتنی عمر کی نہیں رہی' جتنی پندرہ سال پہلے تھی' پانچ سال
بڑی ہو چکی ہوں۔ صحافیوں سے ناراض رہتی ہے کہ یہ کچھ کا کچھ لکھ دیتے ہیں۔ "بولی ایک بار
میں نے کہا میرا چہرا دیکھ کر وقت رک جاتا ہے تو انہوں نے اگلے دن یہ چھاپ دیا کہ میں اپنے
چہرے سے چلتا ہوا کلاک روک سکتی ہوں۔"

ایک دفعہ اس کے کسی پرستار نے سٹوڈیو سے لوٹتے ہوئے اس کا زبردستی ہاتھ پکڑ لیا تو
اس نے غصے سے کہا "اگر تم نے آدھ گھنٹے کے اندر اندر میرا ہاتھ نہ چھوڑا تو میں پولیس کو بلا
لوں گی۔" ہلکی پھلکی کتابیں پسند کرتی ہے۔ کہتی ہے' ہلکی پھلکی ہوں تو انہیں ایک جگہ سے
دوسری جگہ لے جانے میں آسانی رہتی ہے۔ ایک دفعہ "ف" اسے ملنے گیا تو وہ ننگے پاؤں
دروازہ کھولنے آئی۔ اس کے پاؤں ٹھوڑی تک ننگے تھے۔ کہتی ہے "اگر کوئی اداکارہ کو لباس
کے بغیر دیکھ کر خوش نہ ہو تو یقین کر لیں' وہ جیب کترا ہے۔" وہ دنیا کے ہر مرد سے محبت
کرنا چاہتی ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتی ہے۔ صبح
اٹھ کر جب تک میک اپ نہ کر لے خود اپنی شکل نہیں دیکھتی۔ کہتی ہے "مجھے لپ اسٹک
لگانے کے بیس طریقے آتے ہیں۔" "ف" نے کہا "ہمیں تو ایک طریقے کا پتہ ہے' لپ
اسٹک ہونٹوں پر ملو" تو بولی "ایکس!" لپ اسٹک لگائے بغیر تو وہ ٹیلیفون پر بات نہیں کرتی۔
ایک بار اس کی والدہ اس قدر بیمار ہوئی کہ بستر پر چادر کی طرح بچھ گئی کسی نے کہا "اللہ سے دعا
کرو۔ ان کی حالت سے تو لگتا ہے کہ موت کا فرشتہ آنا چاہتا ہے" اس نے فوراً متوجہ ہو کر
پوچھا "کون آنا چاہتا ہے؟ ذرا میری لپ اسٹک دینا۔"



# آدھا شیعہ

وہ شخص جس کے گھر والوں کے علاوہ شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ منیر احمد قریشی کون ہے؟
اور یہی وہ شخص کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جو یہ نہ جانتا ہو کہ منو بھائی کون ہے؟ دیکھنے میں اس کا
کچھ بھی اپنا نہیں لگتا۔ سر کسی بوڑھے کا' عینک کسی بڑھیا کی' چہرہ بھائی کا اور دل دوست کا۔
ڈھنگ ایسا کہ گوروں میں کھڑا ہو تو گورا نہیں لگتا۔ کالوں میں کھڑا ہو تو کالا نہیں لگتا' جیسے میں
بلاؤں میں کھڑا ہوں تو کھڑا نہیں لگتا۔ لوگوں کا قلم زبان کی طرح چلتا ہے' اس کی زبان قلم کی
طرح چلتی ہے یعنی فل اسٹاپ اور کومے لگاتی ہوئی۔ جس رفتار سے سوچتا ہے' اس سے
آدھی سے بولتا ہے۔ جیسے کشور ناہید جس رفتار سے بولتی ہے' اس سے آدھی سے سوچتی
ہے۔ کھانے کا اس قدر شوق ہے کہ دوران گفتگو لفظ کھاتا رہتا ہے۔ کالم نگاری کہے تو الم
نگاری سنائی دیتا ہے۔ یہی نہیں "لیٹ آئیں گے" کہے تو لگتا ہے "لٹائیں گے" کہہ رہا ہے۔

پہلے دید شنید کے نام سے کالم لکھتا تھا۔ پھر اس سے توبہ کر لی۔ شاید رفیق ڈوگر کا دید
شنید پڑھ لیا ہوگا۔ تب سے اپنا "گریبان" تھامے ہوئے ہے۔ اس کے عنوان کالم پر یوں کسے
لگتے ہیں جیسے زنانہ بدن پر لباس۔ مرنے والوں کے بارے میں کالم لکھ لکھ کر یہ عالم ہو گیا
ہے کہ اب کسی زندہ کے بارے میں کالم لکھ دے تو تعزیتی جلسے کرنے والی انجمنیں اس شخص
کو امید سے دیکھنے لگتی ہیں۔ انتظار حسین کہتا ہے "منو بھائی کا کالم پڑھ کر بے اختیار مرنے
کو دل چاہتا ہے۔" یہ ہے بھی ٹھیک۔ کئی لوگ اس کے کالم پر مرتے بھی ہیں۔ بقول
ماہ شاہین "کسی دوست کی موت پر لکھتا ہے تو لگتا ہے جیسے منو بھائی وفات پا گیا ہے۔" اس
کے قاری اسی اخبار کو خریدتے ہیں' جس میں اس کا کالم ہوتا ہے۔ یوں انہیں ہر ہفتے اخبار بدلنا
پڑتا ہے۔ دوسروں کے دکھ میں خود کو اس قدر انوالو کر لیتا ہے کہ عزت کسی لڑکی کی لٹتی ہے'

شرم کے مارے گھر سے یہ نہیں نکلتا۔ یہی نہیں' شادی کسی دوست کی ہوتی ہے' لوگ
مبارکباد اسے دے رہے ہوتے ہیں۔ اسی کی سیریلز "جزیرہ" اور "جھوک سیال" اتنی پاپولر
ہوئیں کہ ان کی وجہ سے کئی ٹی وی سیٹ بکے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "اس کی حالیہ سیریلز
"خاموش" اور "جھیل" کی وجہ سے بھی کئی ٹی وی سیٹ بکے۔ میں نے خود اپنا ٹی وی بیچا۔"

شخصیت ایسی کہ جو اس سے نہیں ملا' وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے ملا ہوا ہے
کیونکہ وہ بھی اس کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہے' جتنا اس کو ملنے والے۔ اگر آپ اس کے گھر
بغیر بتلائے چلے جائیں تو آپ کو دیکھ کر اس قدر حیران اور شرمندہ ہوگا جیسے وہ آپ کے گھر
بغیر بتلائے آیا ہو۔ دیکھنے میں لگتا ہے بزرگ لڑکوں میں بیٹھا ہے۔ سننے میں لگتا ہے "لڑکا
بزرگوں میں بیٹھا ہے۔ آپ ادیبوں شاعروں کے پاس پانچ منٹ بیٹھ جائیں (اگر بیٹھ سکتے
ہیں)...... تو ان کی عمر کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس کے پاس بیٹھ جاؤ تو اپنی عمر کا پتہ نہیں چلتا۔ کبھی
آپ پورا ہفتہ اسے ملیں گے اور وہ ایک بات نہ کرے گا اور کبھی ایک بات کر دے گا اور آپ
اسے پورا ہفتہ نہیں ملیں گے۔

دودھ پیتے بچوں کی طرح رات کو جلد نہیں سوتا بلکہ رات کو اس وقت سوتا ہے' جب
دوسروں کے اٹھنے کا وقت ہوتا ہے۔ حافظہ ایسا کہ اسے ہمیشہ یاد ہوتا ہے کہ کیا بھولنا ہے۔
دوستوں کی بات پر اس قدر یقین رکھتا ہے کہ اگر کوئی کہے منو بھائی تمہارے پیٹ میں درد ہے
تو وہ پیٹ کی بجائے ڈاکٹر کو دیکھے گا۔ تصویریں یوں کھینچواتا ہے جیسے مغل شہنشاہ کھینچواتے
تھے۔ بس فرق یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ میں گلاب کی جگہ سگریٹ پکڑے ہوتا ہے۔

منیر احمد قریشی نے سب سے پہلے مشاعرے میں جو شعر پڑھے' وہ اس کے اپنے نہیں
تھے' شفقت تنویر مرزا کے تھے۔ اب بھی جو پڑھتا ہے' اس کے اپنے نہیں ہوتے' منو بھائی
کے ہوتے ہیں۔ مشاعروں میں ہر بار پہلے والی نظم سناتا ہے۔ اکثر سننے والے بھی پہلے والے
ہی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان کے لیے نئی ہوتی ہے۔ دوستوں کے معاملات میں
مع لات آ جاتا ہے۔ مشورہ مانگو تو فوراً مشورہ دے دیتا ہے۔ کچھ اور مانگو تو پھر بھی مشورہ ہی دیتا
ہے۔ یاور حیات کہتا ہے "منو بھائی وہ تالہ ہے جسے سب چابیاں لگ جاتی ہیں مگر صرف تالہ ہی
کھلتا ہے۔" آج کل گریبان میں اس کی تصویر کے ساتھ کوئے کی تصویر بھی ہوتی ہے۔ بقول
یوسف کامران: "منو بھائی نقلی چوکیدار بھی ہے اور کوا بھی۔" اور کوا چاہے بارہ برس ہنس



والے پھر بھی کاں کاں ہی کرے گا۔ لیکن شریف کنجاہی نے کہا ہے: "اس کے لب کی بات
سب کی بات ہے۔" وہ کچھ نہیں بدلتا۔ پرنسٹن کے سگریٹ پیتا ہے اور دھواں بھی پرنسٹن کا
ہی چھوڑتا ہے۔

مخالف کی بات مان لیتا ہے بشرطیکہ وہ صنف مخالف ہو۔ جتنے اعتماد سے وہ بات
دوسروں کی بیویوں کو کہہ دیتا ہے' اتنے اعتماد سے تو بندہ اپنی بیوی سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن
اس کا نام ایسا ہے کہ اپنی بیوی بھی لے لے تو بیوی نہ رہے اور کوئی غیر لے لے تو غیر نہ رہے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں چہرے پر آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ پوچھو تم دوسری
عورتوں کو کس نظر سے دیکھتے ہو تو کہتے گا اپنی نظر سے دیکھتا ہوں۔ روحی بانو کو دنیا کی
خوبصورت عورت سمجھتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلے نہ چلے کہ وہ خوبصورتی کو کیا سمجھتا ہے' یہ
پتہ چل جاتا ہے کہ وہ دنیا کو کیا سمجھتا ہے۔ اس کی پسندیدہ اداکارہ ٹرین ہے جو اس کے ہر
ٹرپ کی ہیروئن ہوتی ہے۔ سب اسے مانتے ہیں اگر کوئی عورت کہے کہ میں منو بھائی کو
نہیں مانتی تو یاد رہے اس کا اشارہ منو کی طرف نہیں بھائی کی طرف ہوگا۔ اسے ہیرا اچھی لگتی
ہے مگر اسے ہیر سننے کا کہو تو کہے گا ہیر کا تعلق سننے سے نہیں دیکھنے سے ہے لیکن وہ ہیر کو دیکھ
کر رانجھا نہیں بنتا وارث شاہ بن جاتا ہے۔

# شوبوائے

اس کا دل سیاح کا' دماغ صحافی کا' بولنے میں شاعر اور سننے میں شوہر ہے۔ آواز میں تعلقات کی کھنک' چال میں شہرت کا خمار اور چال چلن ویسا ہی جیسا ایک مرد کا یہ سب شے کے بعد ہوتا ہے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی اس میں صحافی بننے کی صلاحیتیں اجاگر ہونے لگیں یعنی کھانے کی تقریبات میں ایسا لباس پہن کر جاتا جس کی جیبیں بڑی بڑی ہوتیں۔

مقامی کالج میں اقبالیات پڑھاتا ہے اس کے لیکچر سن کر پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال اپنی تصویروں میں اس قدر پریشان نظر کیوں آتے ہیں۔ آج کل سو فیصد شاعر ننانوے فیصد احمق ہوتا ہے اور یہ ننانوے فیصد عقلمند ہے اصلی شاعر ہے کیونکہ آدمی کی اصل کا پتا اس بات سے چلتا ہے کہ وہ کس بات پر خوش ہوتا ہے اور حسن رضوی صرف مشاعرے کے ذکر پر خوش ہوتا ہے۔ مشاعرہ وہ جنگ ہوتی ہے جس میں لوگ منہ سے گولیاں چلاتے ہیں اور حاضرین واہ واہ سے چلانے والے کے نشانے کا پتا چلتا ہے۔ اسے روز یہ جنگ اور روزنامہ جنگ پڑھتے ہیں۔ ہمارے ہاں شاعری اچھی ہو تو آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ شاعری اچھی نہ ہو تو لوگ اسے بھول جاتے ہیں مگر وہ خود کو بھولا ہے نہ لوگ اسے بھولے ہیں۔

اس نے اپنی سب سے پہلی نظم ایک مشاعرے میں پڑھی اور سارے سامعین کو ہو کر دیا۔ ایک نظم اپنی تھی دوسرا ترنم بھی اپنا۔ ایسا مشاعرہ لوٹا کہ دوسرے شاعروں کے سامعین کے پاس ایک بھی ٹماٹر نہ بچا۔

اس نے ہر شہر میں بچپن گزارا۔ آج کل لاہور میں گزار رہا ہے البتہ جوانی کسی نہیں لہر میں گزاری۔ دو تین لڑکیوں سے منگنیاں کیں مگر توڑ دیں شاید وہ شادی پر



...ا گی۔ ہر کام میں منصوبہ بندی کا قائل ہے۔ اس نے شادی سے پہلے ہی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔

دلدار بھٹی کے ساتھ مختلف کالجوں میں تقریری مقابلوں کے لیے جاتا۔ دلدار اول اور یہ ہمیشہ دو نمبر رہا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دلدار بھٹی اس سے اچھا مقرر تھا دوسری وجہ یہ کہ صرف دو ہی مقرر مقابلے کے لیے جاتے۔ کالج میں اس کی ٹولی اجمل ...ی اور انوار اللہ قاضی پر مشتمل تھی۔ جس سے پورا اورنٹیل کالج گھبراتا۔ لڑکے ان کے پاس سے ہمیشہ ڈرتے ڈرتے گزرتے کہ کہیں یہ ادھار نہ مانگ لیں۔ شہر میں جہاں شادی ہوتی یہ وہیں ہوتے۔ لڑکی والے سمجھتے یہ لڑکے کے دوست ہیں اور لڑکے والے سمجھتے لڑکی کے۔ یہی نہیں بعد میں تو بات یہاں تک آ پہنچی تھی کہ بھانڈ اور میراثی اس سے آ کر پوچھتے کہ شاہ جی آج کہاں کہاں شادی ہے؟

شروع ہی سے جانتا تھا کہ مسجد جا کر آدمی پاک صاف ہو جاتا ہے اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے باقاعدگی سے مسجد جایا کرتا تھا۔ اب نہیں جاتا جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اب تو ماشاءاللہ گھر میں دو دو غسل خانے ہیں۔

بنیادی طور پر استاد ہے۔ ریڈیو پر خبریں پڑھنا شروع کیں تو یوں لگتا جیسے املا لکھوا رہا ہو۔ پہلے دن کی خبریں تھیں۔ دریائے راوی میں ایک گاڑی گر کر تباہ۔ پاک بھارت سرحدی جھڑپوں میں دو فوجی زخمی۔ اس نے یہ سب یوں پڑھا۔ دریائے توی میں ایک گاؤں گر کر تباہ۔ پاک بھارت سرحدی جھاڑیوں میں دو فوجی زخمی۔

اس نے ایک فلم میں بھی کام کیا۔ بہت اہم رول تھا اگر یہ نہ ہوتا تو ہیرو' ہیروئن کو نہ بچا سکتا۔ وہ اس طرح کہ جس کار میں وہ ہیروئن کو بچانے جا رہا تھا اس کار میں پٹرول اس نے ڈالا تھا۔

کہتے ہیں دونوں قسم کی استریاں اس وقت تک کام کی ہوتی ہیں جب تک گرم ہو سکیں۔ اجلا اجلا پریس شدہ لباس ایسا ہوتا ہے کہ بے اختیار دونوں استریوں کو داد دینا پڑتی ہے۔

میاں بیوی ایک ہی صورت میں خوش رہ سکتے ہیں کہ وہ سمجھیں ہم میاں بیوی نہیں یہ بھی بیوی کا اتنا خیال رکھتا ہے کہ لگتا ہے وہ ہونے والی بیوی ہے۔ گھر میں اس کی وہ ... بہت پسند کی جاتی ہیں جو یہ چیک بک پر لکھتا ہے۔ عورتوں سے زیادہ یوں

ملتا ہے جیسے عرب رخصت ہوتے ہیں۔

لڑائی میں ہمیشہ حق پر ہوتا ہے کیونکہ لڑنے والا ہمیشہ حق پر ہوتا ہے۔ حق ناحق
لڑانے والے ہوتے ہیں وہ اچھا دشمن نہیں اس لیے دشمن دار لوگ اسے دشمن بنانے
بجائے دوست بنا کر ہی کام چلاتے ہیں۔ وشمن سے ایسی دشمنی رکھتا ہے کہ کسی وقت
دوستی ہو سکے۔ دوست سے بھی ایسی ہی دوستی رکھتا ہے۔ جب آپ کو کوئی اچھا دوست
ملے اس کا مطلب ہے کہ آپ اچھے دوست نہیں اور حسن کو بڑے اچھے دوست ملے۔
عقلمند وہ ہے جو اپنے دوستوں سے ڈرتا ہے اور بے وقوف وہ جس سے اس کے دوست
ڈرتے ہیں۔ حسن رضوی دوستوں سے ڈرتا ہے یہ بات مجھے اس کے ایک دوست
ڈرتے ڈرتے بتائی۔

اس نے دولت سے صلاحیتیں پیدا نہیں کیں بلکہ صلاحیتوں سے دولت پیدا کی۔
تک بلکہ دور تک سوچتا ہے۔ سچ بولنا اتنا مشکل نہیں جتنا سچ سننا اور وہ سچ سن لیتا ہے۔ اپنی
بات منوا لیتا ہے۔ اس کی تنخواہ روک دو تو وہ اسے بحال کرانے جائے تو اس میں ہزار روپے
اضافہ کروا کے آئے گا۔ بہت اچھا افسر ہے کبھی اس کے ماتحت کو اس سے ڈرتے اور گھبراتے
نہیں دیکھا۔ صرف وہ گھبرائے ہوتے ہیں جن کا یہ ماتحت ہوتا ہے۔

کہتے ہیں مرد وہی ہے جو مصیبت میں نہ گھبرائے اگرچہ یہ خود کو مرد ثابت کرنے کا
ان سائنٹفک طریقہ ہے تاہم اس نے پوری جوانی خود کو مرد ثابت کرنے میں ہی گزاری۔
ایک ڈرا ہوا آدمی ہے۔ نڈر خود کو نقصان پہنچاتا ہے اور ڈرا ہوا دوسروں کو مگر اس نے
بھی کسی پروا رکیا خود کو بچانے کے لیے کیا۔

گروپ فوٹو میں اکثر درمیان میں یوں کھڑا ہوتا ہے جیسے دوسرے اس سے پناہ
رہے ہوں۔ معزز آدمی ہے اس کی خواہش ہوتی ہے ان کے پاس بیٹھے جو معزز ہوں۔
جن کے پاس بیٹھ جائے وہ بھی یہی خواہش کرنے لگتے ہیں۔

اگرچہ اس نے تھوڑے ہی وقت میں بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مگر اس کی کارکردگی
سے مکمل طور پر نہ وہ خود مطمئن ہے اور نہ شیطان۔



# پنجاب کا ہیرو

پنجاب 'دریا راوی' دریا چناب' دریا ستلج' دریا سندھ اور دریا دلی کی سرزمین ہے۔ یہاں
جو آدمی کسی عورت کو شادی سے پہلے بھگا لے جائے اسے مرزا اور جو شادی کے بعد بھگائے
اسے رانجھا کہتے ہیں جو یہ کام قصے کہانیوں میں کرے اسے ہیرو اور جو حقیقی زندگی میں کرے
ولن کہلاتا ہے۔ پنجاب کی ٹریجڈی یہ ہے کہ اس کے پاس جتنے اچھے عاشق ہیں سب مُردہ
ہیں۔ ہیر رانجھا بھی ان میں سے ہیں۔ کیدو ان کی کہانی کا مرکزی کردار ہے۔ اسے کیدو اس
لیے کہتے ہیں کہ اس کی زندگی کا اصول تھا' جو دیکھو سب سے کہہ دو۔

جس نے کسی سے محبت نہیں کی اس کے جاندار ہونے پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور جس نے
نفرت نہیں کی اس کے انسان ہونے پر کہ نفرت محبت کا سب سے طاقتور روپ ہے۔ پنجاب
کی لوک داستانیں پڑھ کر لگتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کی جوانی کا آغاز محبت سے اور اختتام بھی
محبت سے ہوتا ہے نئی نسل کو اس سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے نصاب میں شامل
کر دیا جائے۔ بڑھاپے میں آدمی کو اپنا سب کیا کرایا حماقت لگتا ہے اور محبت وہ حماقت ہے' جس
نے نہیں کی اس سے بڑا احمق روئے زمین پر نہیں۔ یوں ہیر رانجھا احمق نہیں تھے مگر ان کی
محبت کو بچانے کے لیے ان سے زیادہ کیدو کی عقل کام آئی۔ وہ چاہتا تھا کہ دونوں ہمیشہ محبت
کرتے رہیں اس لیے اس نے ان کی شادی نہ ہونے دی۔

کیدو کا چہرہ ایسا خبرناک تھا کہ دیکھتے ہی پتا چل جاتا کہ گاؤں میں کیا کیا ہوا ہے؟ اگر یہ نہ
بھی پتا چلتا تو یہ ضرور پتا چل جاتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ساری رات اس لیے جاگتا رہتا
کہ کہیں کوئی جاگ تو نہیں رہا۔ اس عمر کا تھا جس عمر کا کوئی شخص جنت میں نہ ہوگا لیکن میرا
دوست "ف" کہتا ہے کیدو بوڑھا نہیں تھا کیونکہ پنجابی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا اور جو بوڑھا ہوتا

ہے وہ پنجابی نہیں ہوتا۔ اس قدر نرم دل کہ اس نے کبھی کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا' زیادہ سے زیادہ
انگلی اٹھائی۔ کسی خاتون کو اس وقت تک نہ دیکھتا جب تک اسے اس پر شک نہ ہوتا یوں اس کی
نظر صحافی کی' دماغ فوجی کا اور دل پلسیئے کا تھا جبکہ حوصلہ اور جسم اس کا اپنا ہی تھا۔ چال شطر
کے گھوڑے کی طرح اور چال چلن اس کے بادشاہ جیسا۔

جارہا ہوتا تو لگتا آرہا ہے اور آرہا ہوتا تو لگتا ایک شریف آدمی جارہا ہے۔ صورت ایسی
جس نے اسے دیکھا سمجھو اس نے کچھ نہیں دیکھا۔ سیرت ایسی کہ جس کو اس نے دیکھا سمجھو
اسے پنجاب نے دیکھ لیا۔ وہ فرشتہ تھا کہ اس کے کام بھی فرشتوں والے تھے یعنی دوسرا
کے گناہوں اور برائیوں کا حساب رکھتا۔ وارث شاہ اسے شیطان کہتا ہے' لیکن شیطان بھی
فرشتہ تھا۔

عشق اور لڑائی میں یہ فرق ہے کہ عشق وہ لڑائی ہے جو انسان کے اندر ہوتی ہے
ان دونوں لڑائیوں میں سب جائز ہے۔ یوں ہیر اور ہٹلر سب نے جائز کام ہی کیے۔ کہتے
ہیں کیدو چوری چوری ہیر رانجھے کو دیکھنے آتا حالانکہ چوری چوری تو ہیر رانجھا ایک
دوسرے کو دیکھنے آتے۔ وہ تو ایسے آتا جیسے مغل بادشاہ آتے تھے کہ ان کا چوب دار
لاٹھی بجاتا آگے آگے چلتا اور وہ پیچھے پیچھے آتے بس فرق یہ تھا کہ یہ اپنی آمد پر لاٹھی
بھی خود ہی بجاتا تھا۔

کیدو نے خدا سے عزت' چوچک نے دولت اور رانجھے نے ہیر مانگی۔ ظاہر ہے
آدمی وہی کچھ مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کی محبت
نے انہیں جنت سے نکلوایا۔ جب وہ دنیا میں آئے تو ایسے ہی تھے جیسے نئے پیدا ہونے
والے بچے ہوتے ہیں یعنی پیدائشی سوٹ میں' آج بھی جب عاشق معشوق ملتے ہیں تو
ان معصوم بچوں کی طرح ہونا چاہتے ہیں لیکن رانجھے نے محبت کو محبت نہیں عبادت
سمجھا اور عبادت کے لیے ستر ڈھانپنا ضروری ہے۔ جس کو کبھی ایذا نہ پہنچے وہ سمجھ لے
کہ اس میں کوئی خوبی نہیں اور کیدو کو شروع ہی میں ہیر اور اس کی سہیلیوں نے اس کی
خوبیوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

آج کل کوئی عقلمند رانجھا بننے کی کوشش نہیں کرتا اور کوئی بے وقوف کیدو بننے
کی خواہش نہیں کرتا۔ اس کی شخصیت میں خامیاں ڈھونڈنے والے اپنی خامیاں بھی



ں میں شامل کر دیتے ہیں۔ خوبیاں ڈھونڈنے والے بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ عقلمند
پنی وجہ سے دوسروں کو قابل رحم بناتا ہے اور بے وقوف اپنی وجہ سے خود کو ایسا بنا
تا ہے اور وہ سب سے بے وقوف عقلمند تھا جیسے جو کبھی جاہل نہیں رہا وہ عالم نہیں
ہ سکتا ایسے ہی جو رانجھا نہیں رہا وہ کیدو نہیں ہو سکتا بلکہ کیدو وہ بوڑھا رانجھا ہوتا ہے
ں کے اپنے گھر لڑکی اتنی عمر کی ہو جائے کہ بندہ اسے دیکھ کر جوان ہو سکے۔ کیدو
رض عشق کی دوا تھا مگر ایسی دوا جس کی ڈیٹ ایکسپائر ہو چکی ہو۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے جیسے دیکھنے میں درد سر پنجابی فلم جیسا ہوتا ہے ایسے ہی اگر
پ جاننا چاہیں کہ دیکھنے میں غیرت کیسی ہوتی ہے تو کیدو دیکھ لیں وہ ٹھیک کہتا ہے کیدو
رت تو مگر ہے لنگڑی۔

# ٹیل مین

وہ سیاست کے "میاں" ہیں اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں۔ اس سے انہوں نے اپنا "لوہا" منوالیا ہے۔ وہ پاکستان کے واحد سیاست دان ہیں جن کا نام جو بھی لیتا ہے' انہیں شریف ضرور کہتا ہے۔ مہاتما گاندھی جب تک بولنے نہ لگتے' سیاست دان نہ لگتے۔ یہ بھی جب تک بولنے نہ لگیں "شریف" کے بیٹے لگتے ہیں' سیاست دان نہیں لگتے۔ چپ ہوں تو لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ انہیں سیاست کا کچھ پتہ نہیں۔ بولیں تو یہ شبہ دور ہوتا جاتا ہے۔ شکل و صورت ایسی کہ جب وہ کچھ بھی نہیں تھے' تب بھی کچھ تھے۔ کالج کے زمانے میں پروفیسر مشکور حسین یاد انہیں کلاس میں کھڑا کر کے کہتے: "مسٹر تم ہنس کیوں رہے ہو؟" تو یہ جواب دیتے: "سر میں ہنس تو نہیں رہا۔ میری شکل ہی ایسی ہے۔" اپنے پہلے ہی الیکشن میں اخباروں اور اشتہاروں میں ایسی رنگین تصویریں چھپوائیں کہ انہیں حکومت نہ ملتی تو فلمیں ضرور مل جاتیں۔ اتنے اچھے ماحول میں پرورش پائی کہ ان کے بڑے ہو کر سیاست دان بننے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس گھرانے میں تو پارٹی سے مراد بھی کھانے کی پارٹی لیا جاتا۔ وہ صنعت سے سیاست میں آئے اور سیاست صنعت میں آ گئی۔ ایسی صنعت جس میں لاکھ لگاؤ اور ساکھ کماؤ' ساکھ لگاؤ اور لاکھ بناؤ۔ سیاست کے لیے دولت ماں کا دودھ ہے۔ سمرسٹ ماہم نے کہا: "دولت چھٹی حس ہے' لیکن اس کے بغیر آپ دوسری پانچ حسوں کو بھی استعمال نہیں کر سکتے۔" میاں صاحب بڑے سے بڑا کیس بھی "بریف کیس" بنا دیتے ہیں۔ بقول ایماڈنکن: "نواز شریف تحریک استقلال میں بینک کی حیثیت رکھتے' ضیاء الحق نے اسے قومیا دیا۔ پہلے "فدا مسلم لیگ" پر فدا رہے' پھر مسلم لیگ ان پر فدا ہو گئی۔ بقول پیر پگاڑہ "ضیاالحق نے مارشل لاء دور میں جو وزیر اعلیٰ تخلیق کیے' یہ ان میں سے ایک ہیں۔"



پنجاب میں کبھی ٹوانہ خاندان سیاست میں اہم تھا' پھر ایسے جاگیردار رہ گئے ہیں جو آنہ ہی رہ گئے۔ میاں صاحب صنعت کار ہیں۔ یوں صنعت اور کار پر روانی سے بولتے ہیں۔ بقول ٹائم "وہ خارجہ پالیسی کی بجائے مرسیڈیز کاروں پر زیادہ روانی سے گفتگو کرتے ہیں۔" خدا نے انہیں بہت کچھ دیا' اور یہ بتانے کے لیے کہ خدا نے انہیں کیا کیا دیا ہے' خدا نے انہیں بہت کچھ دیا' اور یہ بتانے کے لیے کہ خدا نے انہیں کیا کیا دیا ہے' مشیر دیئے۔ یہ سب "اتفاق" کی برکت ہے۔ بھٹو مرحوم نے تو "اتفاق" کو ختم کرنا چاہا اور وہ ملک سے اتفاق ختم کرنے میں کامیاب بھی ہوئے مگر اتفاق سے ضیاء الحق آ گئے۔ تب سے ملک میں ہر طرف "اتفاق" ہی نظر آتا ہے۔ پنجاب کی دوستی' سندھ کی سادگی' سرحد کی دشمنی اور بلوچستان کی ویرانی مشہور ہے۔ لیکن اگر کوئی سیاست دان کی دوستی کی تعریف کر رہا ہو تو یقین کر لیں کہ وہ میاں صاحب کی تعریف کر رہا ہوگا۔ دوستوں کے ساتھ ملتے ہوئے دوست' تاجروں سے ملتے ہوئے تاجر' بچوں سے ملتے ہوئے بچہ اور حکمرانوں سے ملتے ہوئے حکمران ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں تو اسکندر مرزا جیسے حکمران بھی گزرے ہیں جو بیوی سے ملتے ہوئے بیوی ہوتے۔

وہ بات کھلے دل' منہ اور جیب سے سنتے ہیں۔ پہلے تقریر یاد کر رہے ہوتے تو لگتا' ان کا امتحان ہے۔ مگر جب وہ تقریر کرتے تو لگتا' امتحان سننے والے کا ہے۔ لکھی تقریر یوں کرتے جیسے فی البدیہہ کر رہے ہیں' یعنی بے ربط۔ اب وہ تقریر یاد کر کے نہیں کرتے' تقریر وہ کرتے ہیں' یاد لوگ کرتے ہیں۔ ان کی انگریزی سمجھنے کے لیے بندے کے لیے اردو جاننا ضروری ہے۔ کہتے ہیں گورنر میاں اظہر صاحب بی اے ہیں' مگر لگتے نہیں۔ غلام حیدر وائیں میٹرک پاس ہیں اور لگتے بھی ہیں جب کہ میاں صاحب ایم اے پاس نہیں ہیں' مگر لگتے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی میں بھی رہے۔ جی ہاں! چند گھنٹے وہاں رہے۔ وہ پاکستان کے سب سے مہنگے لیڈر ہیں۔ جلسوں میں اتنا خرچہ آتا ہے کہ ایک ایک لفظ کئی کئی لاکھ کا پڑتا ہے۔ ہمارے بوڑھے سیاست دان تو جوڑ توڑ اور جوڑ درد میں مبتلا رہے ہیں' لیکن میاں صاحب نوجوانی میں مبتلا ہیں۔ بندہ ان کے پاس جس مسئلے کے ساتھ جائے' جب واپس آتا ہے تو وہ مسئلہ نہیں ہوتا۔ اگر مسئلہ وہی ہو تو بندہ وہ نہیں ہوتا۔ وہ مخالفوں کی ہر بات کا جواب ترکی بہ ترکی ہی نہیں دیتے' ترقی بہ ترقی بھی دیتے ہیں۔

رنجیت سنگھ کے بعد پنجاب پر سب سے زیادہ حکومت کرنے والے حکمران ہیں۔
کہتے ہیں سکھ خالصتان ابھی تک اس لیے نہیں بنا سکتے کہ ان کے لیڈر بڑے سکھ ہیں' لیکن
میاں صاحب "ان سکھ" سیاست دان ہیں۔ رنجیت سنگھ تو ہر کسی کو ایک ہی آنکھ سے
دیکھتے' یہ تو ہر کسی کے لیے الگ آنکھ رکھتے ہیں۔ اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کام
کرتے ہیں۔ وہ متاثر کرنے کی کوشش نہیں کرتے' شاید اسی لیے متاثر کرتے ہیں۔ اپنے
دہن اور دھن کے پکے ہیں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب تھے تو لوگ انہیں لاٹ صاحب نہ کہتے' الاٹ صاحب کہتے۔ وزیر اعلیٰ
تھے تو پلاٹ یوں دیتے جیسے وزیر اعظم بن کر پیلی ٹیکسیاں دیں۔ دوستوں کو دیکھ کر بے اختیار
ان کی طرف نہیں لپکتے' با اختیار لپکتے ہیں۔

ہر وہ کام کرتے ہیں جس میں فائدہ ہو۔ وہ تو ہر کسی سے مسکرا کر بھی شاید اس لیے ملتے
ہیں کہ انہیں پتہ ہوگا' مسکرانے پر 15 مسلز کو کام کرنا پڑتا ہے۔' جب کہ تیوریاں چڑھانے
میں 65 مسلز لگتے ہیں۔ والد صاحب انہیں سخت سزا دینا چاہتے تو کتاب دیتے۔ ان کی
پسندیدہ بک چیک بک ہے۔ غلطی کرنا انسان کا کام ہے اور اسے دوسروں کے کھاتے میں ڈالنا
سیاست دان کا۔ صفائی کا اس قدر خیال رکھتے کہ جس کام کے پیچھے پڑتے' ہاتھ دھو کر پڑتے
ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں' ان کے بارے میں بری رائے رکھیں تو انہیں کبھی نہ ملیں اور اگر
آپ چاہتے ہیں' ہمارے بارے میں اچھی رائے رکھیں تو ہمیں کبھی نہ ملیں۔

کرکٹ پسند ہے۔ ہمیں یہ اس لیے پسند ہے کہ اس میں کئی "اوور" ہوتے ہیں۔ کرکٹ
میں کوئی "نوبال" کہہ دے تو برا مان جاتے ہیں کہ کھیل میں ذاتیات پر نہیں اترنا چاہیے۔
بچپن میں کرکٹ کھیلتے' محلے کی ٹیمیں ٹاس کرتیں۔ جو جیت جاتی' یہ اس کی طرف سے کھیلتے۔
حالانکہ ہمارے بچپن میں دونوں ٹیمیں ٹاس کرتیں' جو ہار جاتی۔ اسے ہمیں اپنی ٹیم میں شامل
کرنا پڑتا۔ عوامی سوٹ انہیں سوٹ کرتا ہے۔ دن میں کئی بار لباس بدلنے کی عادت ہے۔ یہ
تب سے ہے جب ابھی وہ چند ماہ کے تھے۔

وہ پیاس سے مرے جا رہے ہوں' تب بھی ان کے ہونٹ سوکھے نظر نہیں آئیں گے
اور اگر ان کے ہونٹ خشک ہیں تو وہ پیاسے نہیں ہیں۔ خوبصورتی میں وہاں تک چلے جاتے
ہیں' جہاں تک خوبصورتی جاتی ہے۔ برے کو ہی اس کے گھر تک چھوڑ کر نہیں آتے' اچھے کو



بھی اس کے گھر تک چھوڑنے جاتے ہیں۔ سیاست میں صحت مندانہ رجحان لانے کے لیے
صحت کو بہتر بنانے کا رجحان ہے۔ اگرچہ وہ تو اپنے سسرال میں قدم رکھیں تو دوسرا قدم
اکھاڑے میں پڑتا ہے۔ ویسے کشتی اور سیاست میں یہی فرق ہے کہ کشتی لڑنے والا اپنے
کپڑے خود اتارتا ہے۔ نوجوانی میں وہ دوستوں سے یوں گھل مل جاتے' لگتا مل نہیں رہے'
گھل رہے ہیں۔

اقتدار نے انہیں پروان چڑھایا۔ اب وہ اقتدار کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ ایسی شخصیت
ہیں کہ جس کاندھے پر ہاتھ رکھ دیں' وہ ان کو کاندھا دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ بڑے
حتمی اور حاتمی فیصلے کرتے ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر حکومت کی' جو مل کر گھوڑا بناتے' تو جو بنتا وہ
اونٹ ہوتا۔ انہیں گالی دی جائے تو وہ لوٹاتے نہیں۔ جس کی وجہ پیپلز پارٹی یہ بتاتی ہے کہ
بزنس مین ہیں' جو ملے گا واپس نہیں کریں گے۔ مصطفیٰ کھر کے بارے میں پوچھا جائے کہ وہ
آج کل پی پی پی میں ہیں یا این پی پی میں؟ تو اکثر جواب ملتا ہے' آج کل بیڈ روم میں ہیں جب
کہ میاں صاحب بیڈ روم میں بھی ہوں تو جواب ملتا ہے مسلم لیگ میں ہیں۔

انہوں نے کئی بندوں کو سیاست دان بنایا اور کئی سیاست دانوں کو بندہ بنایا۔ ویسے بھی
اقتدار کی کرسی پر چڑھنے کے لیے اپنے سے اوپر والے کے پاؤں کو سر سے اور نیچے والے کے
سر کو پاؤں سے ٹھوکر مارنا پڑتی ہے۔ بہر حال میاں صاحب وہ خاص آدمی ہیں' جو کبھی کبھی عام
آدمی بن کر وہی محسوس کرتے ہیں جو عام آدمی کبھی کبھی خاص بن کر محسوس کرتا ہے۔

# مسز مُسلم لیگ

ہم نے ایک دوست سے پوچھا: "جس شخص سے کہا جائے کہ آپ فوراً کچھ کر لیں آپ کا تختہ الٹا جا رہا ہے اور وہ آگے سے کہے 'اچھا سائیں! دیکھا جائے گا۔ آپ ایسے شخص کو کیا کہیں گے؟" تو دوست بولا: "میں اسے محمد خان جونیجو کہوں گا۔"

جونیجو صاحب ہمارے ملک کے دوسرے بڑے سیاست دان تھے۔ آپ پوچھیں گے: "پہلے بڑے سیاست دان کون ہیں؟" تو اس کا جواب ہے: "باقی سب۔" جونیجو صاحب کو پہچاننا بڑا آسان ہوتا۔ اگر دو سیاست دان گفتگو کر رہے ہوتے اور ان میں سے ایک بور ہو رہا ہوتا' تو دوسرا محمد خان جونیجو ہوتا۔ وضع قطع ایسی جو اتنی وضع نہ ہوتی جتنی قطع ہوتی۔ دیکھنے میں سیاست سے زیادہ ان کا تعلق محکمہ زکوٰۃ سے لگتا۔ انہوں نے سیاست سے پاک سیاست کی۔ سیاسی قد ایسا کہ انہیں دیکھنے والے کی پگڑی گر پڑتی' مگر یہ پگڑی اکثر آگے کو ہی گرتی۔ وہ سیاست میں شرافت کا "نمونہ" تھے۔ سیاست میں ایسے نمونے کہاں ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا' آپ کمزور سیاست دان ہیں تو انہوں نے کمزوری دور کرنے کے لیے دودھ گھی شروع کر دیا۔ بچپن ہی سے صحت ایسی تھی کہ پہلی بار جب ڈاکٹر دیکھا تو بمشکل دیکھا کیونکہ زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے نظر کمزور ہو چکی تھی۔

وہ بچپن میں اتنے تیز تھے کہ سکول سے ایک بجے چھٹی ہوتی تو پونے ایک گھر پہنچ جاتے۔ مگر بڑے ہو کر بڑے سست ہو گئے۔ اتنا لیٹ آنے لگے کہ انہیں ریلوے کا وزیر بنا دیا گیا۔ پیر پگاڑہ تو انہیں ریلوے بابو کہتے۔ ضیاء الحق نے انہیں وزیر اعظم کی نوکری دی تو وہاں بھی ان کی پوزیشن ہمیشہ انجن کی بجائے ڈبے کی ہی رہی اور آپ جانتے ہیں' جب ڈبے کو انجن کے آگے لگایا جائے تو پھر انجن اسے دھکیلتا ہے' کھینچتا نہیں۔ وہ وزیر اعظم تھے تو نئے آنے والے سے ان کا یہ کہہ کر تعارف کرایا جاتا کہ یہ وزیر اعظم صاحب ہیں۔ ان کے وزیر اعظم بننے پر



پاکستان کا ہر فرد خوش ہوا کہ اگر یہ بن سکتے ہیں تو میں بھی بن سکتا ہوں۔ ہمارے ایک محلے دار نے تو اس ڈر سے سیاست چھوڑ دی کہ اس حساب سے اگلی باری میری ہے۔ اور اگر میں وزیر اعظم بن گیا تو اتنا مشہور ہو جاؤں گا کہ صبح دہی لینے نکلوں گا تو شام کو کہیں گھر واپس آ سکوں گا' کیونکہ راستے میں ہر کوئی اپنا مسئلہ لیے بیٹھا ہو گا۔

ہمارے بیشتر سیاست دانوں نے وزیر اعظم بننے کی کوشش کی اور ناکام رہے۔ انہوں نے وزیر اعظم ہوتے ہوئے وزیر اعظم بننے کی کوشش کی اور ناکامیاب رہے۔ ضیاء الحق نے جب انہیں وزیر اعظم بنایا تو یہ یوں خوش تھے جیسے سیور رائفل ٹکٹ پر ان کا وزیر اعظم کا انعام نکلا ہو۔ پیر پگاڑہ صاحب کہتے ہیں: "ہم (سندھ) نے پاکستان کو دو وزیر اعظم دیئے' ان کی لاشیں ملیں۔ ہم نے ایک لاش دی تو اسے وزیر اعظم بنا دیا۔"

سندھڑی آم کی طرح میٹھی شخصیت محمد خان جونیجو نے 1932ء میں پہلی بار "سندھڑی" میں آنکھ کھولی۔ دوسری بار کب کھولی' پکا پتہ نہیں۔ لندن سے سینئر کیمبرج اور زراعت میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ لندن انہیں پسند تھا کیونکہ وہاں انگریز اپنا منہ صرف ماؤتھ ٹو ماؤتھ سانس دلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زبان بھی ناک میں ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تو ناک میں دم ہوتا ہے۔ جونیجو صاحب کا بھی منہ کھلا ہوتا تو لوگ سمجھتے' سانس لینے کے لیے کھولا ہو گا یا دوسرے کی بات سننے کے لیے۔ منہ سے الفاظ یوں نکالتے جیسے ریزگاری نکال رہے ہوں' یعنی گن گن کر۔ چلاتے تک سرگوشی میں۔ جس کام کے لیے دوسرے زبان ہلاتے' یہ خود کو ہلاتے۔ جب تک بلند آواز میں نہ بولتے' خود اپنی بات نہ سن سکتے۔ بیک وقت ہاں اور ناں یوں کہتے کہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہوتا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو پسینہ سکھانے کے لیے دھوپ میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی زیادتی کرتا' اسے اتنی جلدی معاف کر دیتے کہ لگتا انہیں پہلے ہی پتہ تھا کہ یہ زیادتی کرے گا۔

وہ پیر پگاڑہ صاحب کی دریافت ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں' وہ ان کی ایجاد ہیں۔ وزیر اعظم تھے تو ماتحتوں کے ٹیلیفون بل تک چیک کرتے۔ ان کے دور میں تو چائے منگوانے کے لیے لائل مود کرانا پڑتی۔ سابق وزیر جسونده سنگھ کی طرح وہ بہت بچت کرتے۔ جسونده سنگھ تو پٹرول یوں بچاتے کہ جس گاڑی میں دفتر آتے' اسے ڈرائیور کو دے کر واپس گھر بھجوا دیتے اور دفتر کے بعد خود پیدل گھر جاتے تاکہ پٹرول کی بچت ہو۔ پہلے جونیجو صاحب کے فیصلے بڑے دانشمندانہ

ہوتے، مگر بعد میں انہوں نے خود فیصلے کرنا شروع کر دیئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ آج کا کام کل
کرتے، وہ تو کل کا کام بھی آج کرتے۔ کبھی دوسروں کی غلطیوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ انہوں نے تو
کبھی اپنی غلطیوں سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اگر کسی کام میں جلدی کی تو وہ دیر کرنے میں۔ وہ تو جتنی دیر
میں شیو کرتے، اتنی دیر میں شیو پھر اتنی ہی ہو چکی ہوتی۔ وہ بارات میں شامل ہونے کے لیے گھر
سے نکلتے تو ولیمے پر پہنچتے۔ ایک بار انہیں صبح کی ایک تقریب میں پابندی وقت پر تقریر کرنا تھی
آپ تقریب میں پہنچے اور کہا: "گڈ آفٹر نون۔" اوجڑی کیمپ جب اجڑی کیمپ بنا تو انہوں نے کہا،
اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ واقعی جب یہ واقعہ ہوا، ان کے دونوں ہاتھ ان کی جیب میں
تھے۔ ان دنوں انہیں بہت کم نیند آتی، ہر چند روز کے بعد اٹھ پڑتے۔ ضیاء الحق نے جب اسمبلی
توڑی تو کسی نے ان سے پوچھا: "ایسا آپ کے ذہن میں تھا؟" کہا: "میرے ذہن میں تو کچھ نہیں
تھا۔" تو سننے والے نے کہا: "واقعی ذہن میں کچھ ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا۔"

وہ کاہل سہی مگر ان کا ذکر ممتاز کاہلوں میں نہیں ہو سکتا۔ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم بننا
چاہتے تھے۔ یہ جب وزیر اعظم تھے، ذوالفقار علی بھٹو بننا چاہتے تھے۔ بولتے یوں جیسے بھٹو
صاحب چپ ہوتے، یعنی دوسروں کو کچھ پتہ نہ ہوتا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ بھٹو صاحب
جیسی گاڑی اور وہی ڈرائیور ہی نہ رکھا، بلکہ گاڑی کی رفتار بھی وہی رکھی۔ مزاج ایسا تھا کہ جو
دروازہ بٹن دبانے سے کھلتا، اس کے کھلنے پر بھی "شکریہ" کہتے۔ صبح چھڑی لے کر یوں واک
کرنے نکلتے کہ لگتا چھڑی کو واک کرانے نکلے ہیں۔ پیر پگاڑہ صاحب کو ملنے جاتے تو جوتا پہلے
اتار لیتے۔ انہیں اس بات پر بھی غصہ آتا، جس پر جو غصہ نہ کرے، اس پر غصہ کرنا چاہیے۔
پرائم منسٹر تھے تو ان کے نام کے ساتھ P.M بھی لکھا ہوتا۔ تو لوگ اس سے مراد وقت ہی
لیتے۔ ان کا پانچ نکاتی پروگرام پانچ نقاطی پروگرام ثابت ہوا۔ اس قدر محتاط ہوتے کہ احتیاط
کرنے میں بھی احتیاط کرتے۔ وہ سیاست میں یک دم پیچھے سے آگے آئے اور اتنا آگے نکل
گئے کہ ان کے پیچھے دور دور تک کوئی نہ تھا۔ مسلم لیگ ان کی وہ کمزوری رہی جس میں ان کی
طاقت تھی، لیکن جب مسلم لیگ پوری ہوتی، وہ اس کے پورے صدر نہ ہوتے۔ جب وہ اس
کے پورے صدر ہوتے تو مسلم لیگ پوری نہ ہوتی۔ لوگ انہیں مسلم لیگ کی بیوہ کہتے، مگر
جب وہ نہ رہے تو مسلم لیگ بیوہ ہو گئی۔ ہر جگہ دیر سے پہنچنے والے محمد خان جونیجو نے صرف
اللہ کے پاس پہنچنے میں جلدی کی۔



# ملکہ معظّمہ

آپ نے لفظ "بڑا آدمی" اکثر سنا ہے کبھی "بڑی عورت" نہیں سنا ہو گا۔ کیونکہ یہ سننے
نہیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کتنی بڑی ہے۔ لیکن ملکہ معظّمہ وہ عورت ہے جو
لفظ میں بھی "بڑی عورت" ہے۔ اس میں بچپن ہی سے بڑی عورت بننے کی صلاحیتیں تھیں
لہٰذا جس عمر میں دوسری لڑکیاں ہوتی ہیں یہ اس عمر میں بھی عورت تھی، آج بھی ویسی
ہی جیسی چالیس سال پہلے تھی۔ اگر آپ کو اس میں کوئی تبدیلی لگتی ہے تو اس کی وجہ یقیناً
آپ کی عمر کی تبدیلی ہے۔ دیکھنے میں ان عورتوں سے کم بوڑھی ہے جو اس سے زیادہ بوڑھی
تھا۔ ہالی وڈ میں تو اس سے بڑی عمر کی اداکارائیں بھی اپنے ہیئر اسٹائل کی وجہ سے ہرگز
ادھی عورت نہیں لگتیں، بوڑھا مرد لگتی ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "ملکہ معظّمہ کی
ابھی کیا ہے؟ ابھی پچاس سال پہلے تو وہ صرف پانچ برس کی بے بی تھی۔" یوں بھی وہ شکل
سے پچپن برس کی ہرگز نہیں لگتی، چوّن برس کی لگتی ہے۔

صورت و سیرت میں اپنے آپ پر گئی ہے۔ رنگت ایسی، ذرا نقاب الٹ دے تو
اندھیرے کمرے میں پو پھوٹنے لگے اور دیکھنے والے کا دل چاہے کہ پورا دن نکل آئے۔
جتنا آپ سمجھتے ہیں اس سے ذرا زیادہ اور وزن جتنا آپ سمجھتے ہیں اس سے ذرا کم۔
ابا منٹو کے افسانے کی طرح، چال چلن بھی ویسا ہی۔ بقول "ف" ایک وقت ایسا بھی
تھا جب میڈیکل کالجوں کے طلبہ دل کی دھڑکنیں تیز کرنے والے عوامل گنتے تو ان میں
اس کا نام بھی ہوتا۔

قصور کے ایک محلے میں پیدا ہوئی جو دودھ دہی اور دھوکا دہی کے لیے مشہور ہے۔
لیکن اس خاندان سے جس سے ہر کوئی تعلق رکھ سکتا ہے۔ جہاں بیٹی کا بوجھ ماں، باپ اور

جوان بھائیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور گھروں کی دیواریں نہیں بس دروازے ہوتے ہیں۔ کھیل کود میں گزارا جس میں کھیل کم اور کود زیادہ تھی۔ پانچ سال کی عمر میں اس نے اسٹیج پر گانا گایا تو سننے والوں نے کہا یا تو جلد مرجائے گی یا پھر یہ کبھی نہیں مرے گی۔

موسیقی فرشتوں کی زبان ہے جس میں ہم اپنی خواہشات دراز کرتے ہیں۔ ملکہ کی زبانیں ہیں۔ پہلی دو آنکھوں میں ہیں، وہ گلے سے نہیں پورے جسم سے گاتی ہیں، ایسے ہی ہیں۔ وہ تو روتی بھی یوں ہے، لگتا ہے آنسو نہیں انترے نکل رہے ہیں۔

گانے کے دوران ساڑھی کا پلو انگلی پر لپیٹتی جاتی ہے۔ گانا فحش ہو تو انگلی پر لپیٹا پلو جاتی ہے۔ جو یہ کہے کہ میں نے کبھی ملکہ کی آواز نہیں سنی یا تو وہ جھوٹ بول رہا ہے یا ہے۔ دنیا میں خوبصورت عورتوں نے اتنا نہیں گایا جتنا عورتوں نے خوبصورت گایا ہے گا رہی ہو تو لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں "سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے اس کی آواز دکھا نہیں دے رہی!" نہ سنو تو بھی سریلی ہے۔

رقص اعضاء کی شاعری اور گلوکاری شاعری کا رقص ہے۔ کہتے ہیں بڑا گلوکار وہ ہوتا جسے گانے کے لیے کہیں تو وہ نہ گائے اور جب چپ ہونے کے لیے کہیں تو چپ نہ ہو۔ بڑے گلوکار گاتے تو جنگل میں آگ لگ جاتی، اب بھی گانے سے آگ لگ جاتی ہے جو رشتہ داروں اور دوسرے گلوکاروں کو لگتی ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "میں ملکہ آنکھیں بند کر کے پسند کرتا ہوں۔" حالانکہ اسے آنکھیں بند کر کے تو مہدی حسن کو کرنا چاہیے۔ وہ عطاءاللہ عیسیٰ خیلوی کا گانا سن کر بھی سر دھنتا ہے، میرا بھی دل عطاءاللہ کا سن کر اس کا سر دھننے کو چاہتا ہے۔ کہتے ہیں موسیقی پیدا کرنا ایسے ہی ہے جیسے بچہ پیدا کرنا۔ غلام فرید صابری کو گاتا دیکھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔

وہ موسیقی کو استادوں سے زیادہ جانتی ہے۔ وہ تو استادوں کو بھی ان سے زیادہ جانتی ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "جس میں میوزک سینس نہیں اسے پولیس میں بھرتی کرا دینا چاہیے اور جس کے پاس سینس کی میوزک نہیں اسے فوج میں بھیج دینا چاہیے۔" موسیقی روح کی غذا ہے، آج کل لوگ نہاتے وقت ضرور گاتے ہیں جس سے لگتا ہے موسیقی روح کا غسل ہے۔

ملکہ خیال ایسی گاتی ہے کہ ایک بار سن لو تو کسی اور کا خیال تک نہ آئے گا۔ جس طرح



سے چراغ جلتا ہے ایسے یہ کئی گلوکارائیں اس سے جلتی ہیں۔ عورت کو مرد کے جسم کا جو سب سے اچھا لگتا ہے وہ کان ہیں اور ملکہ ہر مرد کے کانوں میں بستی ہے۔ اس نے جتنے گانے گائے ہیں، بچے کو سنانا شروع کریں تو سنتے سنتے اس کے کئی بچے ہو جائیں گے۔

وہ اکیلی کئی عورتوں جتنا کام کرتی ہے۔ اسے میک اپ کرتے دیکھ کر اس کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی، اس لیے جو پریشان ہو اسے نہیں دیکھتی۔ وہ بات منہ پر کہہ دے گی جو کان میں کہی جاتی ہے۔ بندہ اس سے مل کر آئے تو لگتا ہے کئی عورتوں سے مل کر آ رہا ہے اور ملنے جائے تو لگتا ہے کئی مردوں سے ملنے جا رہا ہے۔ غصے میں مرد اور پیار میں پوری عورت ہوتی ہے۔ جنہیں نہیں جانتی انہیں یوں دیکھتی ہے جیسے وہ دیکھتے ہیں جو اسے جانتے ہیں۔

فلمی خواتین کی شہرت کی دو وجوہ ہوتی ہیں: "ایک اداکاری اور دوسری کاری۔" یوں بھی فلم انڈسٹری بغیر سکینڈل کے ایسے ہے جیسے مسجد بغیر نمازی کے۔ اداکاراؤں کو فلمی ستارے شاید کہتے ہی اسی لیے ہیں کہ دونوں قسم کے ستاروں کی قدر و قیمت بلکہ جس قدر قیمت ہوتی ہے رات کے اندھیرے میں ہوتی ہے۔ بقول "دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے کا محاورہ بنا ہی اداکاراؤں کے لیے ہے۔ عمر کے علاوہ ان کی ہر چیز بڑی ہوتی ہے۔ اپنی جو عمر بتاتی ہیں اس حساب سے اکثر اپنے والدین کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئیں۔ ان کا تلفظ ان کے چال چلن کی طرح ہوتا ہے۔ پیسہ کو پیشہ کہتی ہیں، وہ تو گھرانہ بھی یوں بولتی ہیں جیسے کہہ رہی ہوں گھر ہر کام اپنی مرضی سے کرتی ہیں، اکثر تو پیدا بھی اپنی مرضی سے ہوئیں، ماں باپ کی مرضی نہیں تھی۔ کہتے ہیں منصوبہ بندی کے بغیر فلمی ہیروئنیں ترقی نہیں کر سکتیں۔ یہاں منصوبہ بندی سے مراد وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ کشش شکل ہو تو ان سے زیادہ کشش ثقل شاید ہی کسی میں ہو۔ ان کا پاؤں اکثر ایسا ہی رہتا ہے جیسا رفتار رہتا ہے۔ ضرورت پڑے تو کچھ بھی کر سکتی ہیں، یہاں تک کہ شریف بھی بن سکتی ہیں۔ ضرورت کے وقت تو یہ والد کو بھی باپ بنا لیتی ہیں۔ ملکہ چونکہ خاندانی یعنی وہاں سے ہے جہاں سے یہاں کی ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ ہر لحاظ سے مکمل ہیروئن رہی مگر چار شوہر قبل اس نے فلموں میں اداکاری چھوڑ دی، گھر میں کرنے

لگی۔ یوں تو کسی اداکارہ کی زندگی میں اس کی غلطیوں کے علاوہ کوئی چیز اور یجنل نہیں ہوتی مگر ملکہ معظمہ نے پوری زندگی اور یجنل گزاری۔

کہتے ہیں عورت گالی دیتی اچھی نہیں لگتی۔ حالانکہ گالی سے عورت نکال دی جائے تو گالی بھی گالی نہیں رہتی۔ ملکہ معظمہ جس سے ناراض ہو اسے پاس بلا کر گالی دے گی اور جس سے خوش ہو اس کے پاس جا کر گالی دے گی۔ اس سے پوچھو کہ کون کون سے مہینے ہوتے ہیں تو کہے گی "پہلا' دوسرا' تیسرا' چوتھا' پانچواں' چھٹا' ساتواں' آٹھواں اور نواں مہینہ" کبھی رائے نہیں دی ہمیشہ فیصلہ دیا' کئی بار فیصلہ لیا بھی۔ ایک نظر میں پہچان لیتی ہے کہ آدمی اچھا ہے یا برا۔ جسے نہ پہچان سکے اس سے شادی کر لیتی ہے۔ ہر جگہ اسے وی۔ آئی۔ پی ٹریٹمنٹ ملتا ہے۔ اگر یہ سلوک نہ ہو تو سمجھ جاتی ہے کہ اب وہ اپنے گھر میں ہے۔ گھر میں وہ ملکہ ترنم کی بجائے ملکہ ترحم ہوتی ہے۔

اولاد کو کبھی نصیحت نہیں کی۔ جب بھی کی' اولاد نے کی۔ میک اپ اور زرق برق لباس میں خود کو اس قدر مصنوعی بنائے رکھتی ہے کہ اس سے پیار کرنا مصنوعات کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ پسندیدہ لباس ساڑھی ہے' یہ وہ مشرقی لباس ہے جس میں میٹروں کپڑے سے وہی کام لیا جاتا ہے جو ہالی وڈ میں ہیرو سے لیا جاتا ہے۔ یعنی خواتین پر لپیٹا جاتا ہے۔ یوں بھی یہ واحد لباس ہے جس میں کسی بھی لمحے یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ اس کو پہن رہے ہیں یا اتار رہے ہیں۔

شوکت حسین رضوی سے بھی اختلافات کی وجہ سے طلاق لی لیکن اب دونوں متفق ہیں کہ ایک صورت تھی جس سے بات کبھی طلاق تک نہ پہنچتی' وہ یہ تھی کہ شادی نہ ہوتی۔ ملکہ اس قدر مرضی چلاتی ہے کہ مرضی مرض کا مونث لگتی ہے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر کار ڈرائیو کرتی ہے۔ اسے دیکھ کر بے اختیار لوگ کھنچے چلے آتے ہیں۔ "ف" کہتا ہے "نہیں با اختیار بھی کھنچے چلے آتے ہیں۔" شیخ برادری سے ہے اس لیے آمدنی کے بارے میں کہتی ہے "پہلے 'مہینے کے دو سو ہو جاتے تھے' اب دو سو ہزار ہو جاتے ہیں۔"

اس کا چہرہ دیکھ کر آپ بے شک یہ نہ کہیں کہ خدا نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے' یہ کہہ سکتے ہیں کہ پلاسٹک سرجن نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ جس سے ناراض ہو وہ پریشان رہتا ہے کہ پتہ نہیں کیا کر دے' جس سے خوش ہو وہ بھی اس



لیے پریشان رہتا ہے۔ اسے ایسے لوگ اچھے نہیں لگتے جو آج یہاں ہیں تو کل پھر یہاں ہیں۔

اس کے بیٹوں سے ان کے والد کا نام پوچھو تو وہ اس کا بتائیں گے اور موصوفہ کے والد سے کوئی ان کے بیٹے کا نام پوچھتا تو وہ بھی اسی کا نام لیتا۔ منٹو نے اسے سرور جہاں لکھا۔ اگر نور اور سر کی جمع ہے تو وہ واقعی سرور جہاں ہے۔ راگ کی رگ رگ جانتی ہے اور اس کی رگ رگ میں راگ ہے۔ دیکھنے میں موسیقی یقیناً ملکہ جیسی ہی ہوگی۔ ہر سال اس کی عمر کئی سال کم ہو جاتی ہے۔ آج سے پچاس سال قبل اس کا گانا سن کر کسی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یا تو یہ جلد مر جائے گی یا پھر کبھی نہیں مرے گی۔

# بیوہ آدمی

لاہور کا وہ شخص جو کسی گھر میں نہیں رہتا اور جہاں رہتا ہے وہیں گھر کر جاتا ہے
اسے لوگ اس عمر میں مہاراج کہنے لگے تھے جس میں اگر کسی کے لیے مہا کا لفظ استعمال
بھی ہو تو یقین کر لیں وہ مہا سے ہی ہوگا۔ ہر کام اس کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے
کیونکہ دائیں ہاتھ میں تو چھڑی ہوتی ہے' جو صرف اس وقت دائیں ہاتھ میں نہیں ہوتی
جب بائیں ہاتھ میں ہوتی ہے۔ مگر لگتا نہیں اس نے چھڑی پکڑ رکھی ہے' لگتا ہے چھڑی
نے اسے پکڑ رکھا ہے۔

اس کی آج تک اپنی بیوی سے لڑائی نہیں ہوئی' جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بڑا صلح پسند
ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں لوگ سب کچھ شادی کے
لیے کرتے ہیں' مگر اس نے سب کچھ کیا شادی نہیں کی۔ وہ شادی شدہ مردوں کی نسبت
عورت کو زیادہ جانتا ہے اگر نہ جانتا ہوتا تو کب کا شادی کر چکا ہوتا۔

اس سے ملو تو لگتا ہے آپ بیک وقت عورت مرد دونوں سے مل رہے ہیں۔ جبکہ
فقیر حسین ساگا سے ملو تو پتہ ہی نہیں چلتا' آپ کس سے مل رہے ہیں؟ موسیقیت عورت
کے جسم میں نہ ہو تو وہ عورت نہیں ہوتی اور اگر مرد کے جسم میں آجائے تو وہ مرد نہیں
ہوتا' مرد ہوتی ہے۔ مہاراج ردھم کا اس قدر خیال رکھتے ہیں کہ پان کھا رہے ہوں تو لگتا
ہے دانتوں کا رقص ہو رہا ہے۔ خوشی میں سارا جسم ہلا کر بات کرتے ہیں۔ غصے میں بات
کر کے جسم ہلاتے ہیں۔ رقص مذکر کیوں ہے؟ اسے رقص کرتا دیکھ لیں تو وجہ سمجھ میں
آجاتی ہے۔

کوئی بھی تخلیق کار اپنی تخلیق کے زیادہ نمونے ویسے بناتا ہے جو اس کے نزدیک سب



ے بہتر ہوتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ عام آدمی بنائے ہیں۔ عام آدمی ہی اصل
یں آدمی ہوتا ہے اور خاص آدمی اتنا آدمی نہیں ہوتا جتنا خاص ہوتا ہے۔ مہاراج ایک
ر عام سا آدمی ہے' لباس میں دکھاوے کا ہرگز ہرگز شوق نہیں۔ جب کبھی ململ کا دوپٹہ
ایٹ کر رات برات چہل قدمی اور چہلیں کرتا ہے تو کیا مجال اس کے سوا کسی اور کو پتہ چلے کہ
ں نے کچھ پہن رکھا ہے۔ مولویوں کی جو چیز بڑھے تو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے' وہ ہے پیٹ'
پے اور بیویاں۔ مگر اس سے کوئی پوچھے کتنے بال بچے ہیں' تو کہے گا "آگے سے سر صاف
گیا' پیچھے سے بچے ہیں۔"

قبائلیوں کی زندگی سے دشمن کو نکال دیا جائے تو ان کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں
ہتا' اس کی زندگی سے رقص نکال دیا جائے تو کچھ نہیں رہتا۔ رقص اس وقت ہوتا ہے جب
چنے والے کی بجائے ناچ نظر آئے۔ جوانی میں اسے ہر طرف مور ناچتے نظر آتے۔ مور
ب بھی اس کے چاروں طرف ناچتے ہیں مگر وہ اس عمر میں ہے جہاں نظر صرف ان کے پاؤں
تے ہیں۔ اس کے اندر ایک عورت ہے' آدھے کام وہ اس عورت کو مطمئن کرنے کے لیے
تا ہے اور باقی آدھے اس عورت کے مطمئن ہونے کی وجہ سے۔ اس نے کبھی نیکی کو نیکی
ھ کر نہیں کیا' کام سمجھ کر کیا اور کام کو کام سمجھ کر نہیں عبادت سمجھ کر کیا۔ لوگ جوتے
ر کر اس کے سامنے جاتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارے معاشرے میں ناچنے گانے والوں کو
مے ہی لوگ جوتے اتار لیتے ہیں۔

پہلے لکھنؤ میں نظر آتا۔ اب لکھنؤ اس کے ہاں نظر آتا ہے اور لکھنؤ میں تو ادب آداب
ں قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ بندہ بچوں کے ختنے نہیں کرا سکتا۔ بچہ کہتا ہے "پہلے آپ'
ور پہلے آپ!"

جو دو منٹ اس کے پاس بیٹھ جائے اسے اٹھنے میں سال لگ جاتا ہے اور جو سال پاس
ا ہو دو منٹ میں اٹھ جاتا ہے۔ لہر میں چلے تو دایاں پاؤں وہاں پڑتا ہے جہاں بایاں پڑنا
ہے اور جہاں بایاں پاؤں پڑنا چاہیے وہاں وہ خود پاؤں پڑ جاتا ہے۔ پاس سرمایہ نہیں
ی مایہ ہے۔

کئی خواتین اسے بھائی سمجھتی ہیں اور جب تک مرد میں کوئی کمی نہ ہو' عورت اسے بھائی
ا کہتی اور جب تک کوئی خامی نہ ہو بھائی نہیں سمجھتی۔ دوسروں کی بیٹیوں اور بچیوں کے

ساتھ یوں پیش آتا ہے جیسے اس کی اپنی بیٹیاں اور بچیاں ہوں۔ دوسروں کی بیویوں کے سا
بھی ایسے ہی پیش آتا ہے۔ وہ بیگمات جن کے اشاروں پر کئی صاحب ناچتے ہیں' اس
اشاروں پر ناچتی ہیں۔ انہیں یوں نچواتا ہے کہ آنگن ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

سبز لمبا چوغا پہنتا ہے جو بیک وقت ستر پوشی اور فرش پوشی کے کام آتا ہے
دوسروں کی حاجت روا کرنے یوں جاتا ہے جیسے حاجت رفع کرنے جا رہا ہو۔ "ف"
ہے "اسے جانوروں سے بڑا پیار ہے کم از کم میں تو جب بھی اسے ملنے گیا مجھے یہی لگا
ہمیشہ اپنی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے کیونکہ اسے پتہ ہے سورج اور اپنی خامیوں پر بندہ زیادہ نظر
رکھے تو نظر نہیں رہتی۔

زیورات جمع کرنے اور پہننے کا شوق ہے۔ ایک بار ایک شخص نے اس کی سانسیں اور
زیورات چرانے کی کوشش کی مگر مہاراج نے اسے پکڑ کر سزا دینے کے لیے پولیس کے
حوالے نہ کیا۔ اپنے پاس رکھا اور اس نے ہمیشہ کے لیے ایسے کاموں سے توبہ کر لی۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے "رقص اعضاء کی شاعری ہے" حالانکہ وہ رقص کر رہا
ہو تو لگتا ہے یہ ایذا کی شاعری ہے۔ اس کے بقول رقص دنوں میں نہیں آتا شاید اس کے
خیال میں اس کے لیے راتیں بھی ضروری ہیں۔ بہر حال مہاراج کتھک نے رقص کے
لیے دن رات ایک کر دیا۔ کیونکہ کتھک تب مکمل ہوتا ہے جب اس میں "تھک" آئے
اس نے ڈراموں میں اداکاری بھی کی۔ بیوی تک کا رول کیا مگر کبھی وہاں بھی شوہر کا
کردار نہ کیا' جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ سائیلنٹ رول کی بجائے مکالموں والے کردار ادا
کرنا چاہتا ہے۔

چلتے پھرتے سارے کام پورے کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ نیند بھی اور یہ اسے نہیں
پتہ ہوتا ہے کہ وہ چلتا ہوا سو رہا ہے یا سویا ہوا چل رہا ہے۔ کسی جگہ کام جانا ہو تو بھول
جائے گا کس جگہ جانا تھا؟ اگر جگہ پر پہنچ جائے تو بھول جائے گا' یہاں کام کیا تھا؟
چالیس سال پہلے نیو دہلی مسلم ہوٹل انار کلی میں آیا تھا' سو ابھی تک وہیں بیٹھا سوچ رہا
ہے کہ یہاں کیوں آیا تھا؟

کان ایسے کہ اسے مردانہ آواز صاف سنائی نہیں دیتی۔ جو خاتون پہلی ملاقات میں اس
سے متاثر نہ ہو سمجھ لیں اس خاتون میں متاثر کرنے والی کوئی بات نہیں۔



اگر آپ چاہیں کہ زندگی میں کوئی مقابلہ نہ ہاریں تو اس کا سب سے آسان طریقہ یہ
ہے کہ آپ کسی مقابلے میں حصہ ہی نہ لیں۔ مہاراج بھی آج تک رقص کے کسی مقابلے میں
نہیں ہارا۔ سب سے اچھا رقاص خاوند ہوتا ہے کہ اسے بیوی کی انگلیوں پر ناچنا پڑتا ہے۔
مہاراج کتھک ساری عمر ناچتا رہا مگر شادی اس لیے نہ کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ فلاں کے
اشاروں پر ناچتا ہے۔ اس کی تو رگوں میں بھی خون دوڑتا نہیں رقص کرتا ہے۔ وہ ان لوگوں
میں سے ہے جو پیدا ہونے کے بعد پچاس سال زندہ رہیں تو مرنے کے بعد سو سال تک زندہ
رہتے ہیں۔ وہ پاکستان کا واحد رقاص ہے جو ابھی تک واحد ہے۔

# اُف شی

پہلے افشی کے۔ای۔میڈیکل کالج کے حوالے سے پہچانی جاتی تھی۔جب سے افشا ہوئی ہے کالج اس کے حوالے سے جانا جانے لگا ہے۔جب سے اس کی شہرت آؤٹ آف کالج ہوئی ہے کالج میں میرے دوست "ف" کے ملاقاتیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔وہ امریکہ سے حصول علم و اہل علم کی غرض سے آئی ہے۔صورت و سیرت میں اپنے ماں باپ پر گئی ہے۔یعنی شکل باپ کی طرح پاکستانی اور شغل ماں کی طرح امریکی۔

انگریزی اس قدر روانی سے بولتی ہے جیسے ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر گالی ہمیشہ اردو میں دیتی ہے تاکہ دوسروں کو بآسانی سمجھ آسکے۔اردو لکھنے میں فحش غلطیاں کرتی ہے۔یعنی اس کی غلطیاں دور ہی سے نظر آجاتی ہیں۔پورے بدن سے باتیں کرتی ہے اسی لیے وہ بات کر رہی ہو تو دوسرا کہتا ہے یار ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ مجھے اس کی آواز صاف دکھائی نہیں دے رہی۔اس کا سارا بدن دعا ہے یعنی ہر وقت خدا سے کچھ نہ کچھ مانگتا رہتا ہے' اسی لیے لوگ اسے افشی کم اور اف شی زیادہ کہتے ہیں۔وہ موسم کے مطابق لباس نہیں بدلتی بلکہ اپنے لباس سے کالج کا موسم بدلتی رہتی ہے۔جب جین پہن کر آئے تو لگتا ہے اس نے جین نہیں پہنی جین نے اسے پہن رکھا ہے۔اس نے کالج میں پردے کو رواج دیا یعنی جب سے وہ آئی ہے تمام لڑکیاں منہ چھپانے لگی ہیں۔جتنی عمر بتاتی ہے اس حساب سے اس نے پرائمری پیدا ہونے سے پہلے ہی پاس کرلی تھی اور لگتا ہے دس پندرہ سال بعد اسے عمر بتانے کے لیے مڈل بھی پیدا ہونے سے پہلے ہی کرنا ہوگا۔

اس کے خون کا گروپ اے بی پازیٹو (AB) ہے اور وہ محبت کے معاملے میں بھی اے بی پازیٹو (AB) ہی ہے۔اس کا رنگ اس جنتی پھل کی طرح ہے جس کی خاطر جدامجد نے خدا



کی نافرمانی کی شاید اسی لیے اسے دیکھ کر یہی کچھ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ہجر کی رات جیسے لمبے بال' ایسی ہی زبان۔چال ایسی کہ دیکھنے والے کی منت میں سانس پھول جائے۔کبھی اکیلی نہیں چلتی اس کے ساتھ پورا کالج چلتا ہے۔

قہقہے کے خلاف ہے۔کہتی ہے اس سے آواز دور تک جاتی ہے بس مسکراتی ہے وہ بھی ان باتوں پر جن پر لڑکیاں گھبراتی اور عورتیں شرماتی ہیں۔مسکراتے وقت ہونٹوں کے طول کو اتنا طویل کر دیتی ہے کہ وہ ایک لمبی سرخ لکیر بن جاتے ہیں۔پورا کالج اس لکیر کا فقیر ہے۔جب سے اس نے بلیک شیڈ کی لپ اسٹک استعمال کرنا شروع کی ہے کالج گیٹ پر رومال بیچنے والے کی بکری بڑھ گئی ہے۔وہ غمگین ہو تو لڑکے اپنے آنسو پونچھ رہے ہوتے ہیں۔اگر خوش ہو تو منہ۔برسات کے موسم کو برساتھ کا موسم کہتی ہے۔جب تک ہوسٹل میں رہی لان میں آکر یوں بیٹھتی کہ باہر سے آنے والا اسے دیکھ کر سمجھنے لگتا کہ وہ غلطی سے گرلز ہوسٹل کے بجائے سوئمنگ پول کی طرف آگیا ہے۔اس کی باتیں ایسی میٹھی کہ سننے والے کو ذیابیطس ہو جائے شاید اسی لیے اس کی باتیں سننے والوں کو بھی بار بار وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو اس مرض کے مریض کرتے ہیں۔

اس قدر رجعت پسند کہ ابھی تک بوائے فرینڈز کو کزن کہہ کر ان کا تعارف کرواتی ہے اور اکثر ان کے نام بھول جاتی ہے۔پھر کار کے نمبروں سے یاد کرتی ہے کہ کون ہے؟ کھیلوں میں کرکٹ اور کھانوں میں اسے ڈائیننگ پسند ہے۔اصناف ادب میں صنف نازک کا ادب پسند ہے۔یہاں تک کہ عصمت چغتائی کے "لحاف" کے بغیر سو نہیں سکتی۔

کیا مجال کہ کوئی بری بات منہ سے نکالے۔اس کام کے لیے آنکھوں کو زحمت دیتی ہے۔ورڈز ورتھ پر مرتی ہے۔کہتی ہے وہ بھی اسی کی وجہ سے مرا۔کسی بھی امتحان سے نہیں ڈرتی بس اس کے نتیجے سے ڈرتی ہے۔ہر "کمرہ امتحان" میں اس کے پاس سوائے اعتماد کے کچھ نہیں ہوتا۔

اسے سو سے کم تو گنتی بھی نہیں آتی' اسی لیے اس کی کار بھی اپنے آپ کی طرح اس کے قابو میں نہیں رہتی۔اگر کوئی غلطی سے نیچے آنے سے بچ جائے تو روک کر اسے ڈانٹے گی لیکن اس قدر رحم دل کہ کوئی زخمی ہو جائے تو اسے بالکل نہیں ڈانٹے گی بلکہ خاموشی سے چلی جائے گی۔جس دن کالج کا پارک سے انگریزی گانوں اور اردو چیخوں کی آوازیں نہ آئیں

سمجھ لیں وہ کالج نہیں آئی۔ اکثر کالج گیٹ کے اندر بائیں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے لیکن میرا
دوست "ف" کہتا ہے بالکل غلط وہ کالج گیٹ کے دونوں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے۔ ثبوت کے
طور پر کہتا ہے میں جب بھی کالج میں داخل ہوں وہ دائیں ہاتھ ہوتی ہے اور چاہے اسی وقت
باہر نکلوں تو وہ بائیں ہاتھ کھڑی ہوتی ہے۔ یوں وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔ افشی دور سے
مغرور' قریب سے بھرپور اور قریب ترین ہونے پر مشکور ہوتی ہے۔

اس کا خیال ہے کہ تمام موسم اگر سردیوں میں آئیں تو مزہ آ جائے۔ کہتی ہے پاکستان
کے کالجوں میں بڑی گرمی پائی جاتی ہے۔ کالج الیکشن میں ہر امیدوار (انتخابی) اپنے اسٹکر اسے
ضرور لگواتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھ سکیں۔

کلاس میں بہت کم جاتی ہے اکثر جہاں بیٹھی ہو کلاس وہیں آ جاتی ہے۔ بینچ پر یوں
بیٹھتی ہے جیسے SURFACE ANATOMY کی کتاب کھلی پڑی ہو۔ ایک دن ہمارا
ایک کلاس فیلو جس نے جسم کو کیدو کا اور دل رانجھے کا پایا ہے' گزرتے گزرتے اس کتاب کا
ورق الٹنے کی کوشش میں الٹا تھپڑ کھا بیٹھا جس بنا پر میرے دوست "ف" نے فتوی دے
دیا کہ افشی شریف لڑکی نہیں کیونکہ ایسی حرکت پر شریف لڑکیاں خود تھپڑ نہیں
مارتیں۔ اس واقعے کے بعد لڑکے اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے لڑکیاں لڑکوں کو دیکھتی ہیں
یعنی چھپ کر مگر تفصیل سے۔

"ف" کہتا ہے افشی اچھی بیوی ثابت ہوگی جس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ لیڈی ڈاکٹرز ہمیشہ
اچھی بیویاں ہوتی ہیں کیونکہ جتنی محنت سے وہ ایم بی بی ایس کرتی ہیں اس سے کہیں زیادہ محنت
انہیں شادی کرنے کے لیے کرنا پڑتی ہے۔ اسے خود پر اس قدر اعتماد ہے کہ ہر کسی پر اعتماد
کر لیتی ہے اور چیڑ کی لکڑی کی طرح ایک ہی وار میں الف سے لے کر ی تک چر جاتی ہے۔ اس
میں برائی یہ ہے کہ وہ ہر کسی کو اچھا سمجھتی ہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے اس کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ سب سے محبت کرتی
ہے لیکن میں سمجھتا ہوں یہی خامی اس کی خوبی ہے کیونکہ سرعام اور سب سے محبت تو بچے ہی
کرتے ہیں بلکہ ان کے جوان ہونے کا پتا تب چلتا ہے جب وہ یہی کام چھپ کر کسی ایک سے
کرنے لگیں۔ افشی سب سے سرعام محبت کرتی ہے۔ وہ ایک بچی ہی تو ہے جسے لڑکوں نے
آنکھیں مار مار کر جوان کر دیا ہے۔



# مُلّا نصر الدّین

ساری دنیا انہیں پیر سمجھتی ہے مگر وہ خود کو پیر نہیں' جوان سمجھتے ہیں۔ دیکھنے میں
سیاست دان نہیں لگتے اور بولنے میں پیر نہیں لگتے۔ قد اتنا ہی بڑا' جتنے لمبے ہاتھ رکھتے
ہیں۔ چلتے ہوئے پاؤں یوں احتیاط سے زمین پر رکھتے ہیں کہ کہیں بے احتیاطی سے مریدوں
کی آنکھیں نیچے نہ آ جائیں۔ اتنا خود نہیں چلتے' جتنا دماغ چلتا ہے۔ دور سے یہی پتہ چلتا ہے کہ
چل رہے ہیں۔ یہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا' آ رہے یا جا رہے ہیں۔ سیاست میں ان کا وہی مقام
ہے جو اردو میں علامتی افسانے کا۔ خاندان کے پہلے صبغتہ اللہ اول کے سر پر پگ باندھی گئی
اور وہ پہلے پاگارہ پیر کہلائے۔ یہ بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں' جس کی چشم بھی چراغ
ہے۔ بچپن ہی سے پردے کے اس قدر حق میں تھے کہ 1944ء میں جب کراچی ریلوے
سٹیشن سے انگلینڈ روانہ ہوئے تو پردے کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ جا رہے ہیں یا
جا رہی ہیں۔ 1952ء میں یوں پاکستان کو واپس آئے' جیسے پاکستان کو واپس لائے ہوں۔ کسی
نے کہا: "انگلینڈ وہ جگہ ہے جہاں سب سے زیادہ دھند ہوتی ہے۔" کہا: "اتنی دھند تھی کی جگہ
نظر ہی نہ آئی۔"

پہلے کالعدم مسلم لیگ کے صدر بنے' پھر مسلم لیگ کے کالعدم صدر بنے' پھر مسلم
لیگ بن گئے۔ اس لیے اب دوڑ وہ رہے ہوتے ہیں اور سانس مسلم لیگ کی پھولنے لگتی ہے۔
وہ بڑے پائے کے سیاست دان ہیں' جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں "چھوٹے پائے"
کے سیاست دان ہوتے ہی نہیں' حالانکہ چھوٹے پائے مہنگے ہوتے ہیں۔ وہ پاکستانی سیاست کی
اقوام متحدہ ہیں اور اقوام متحدہ وہ جگہ ہے جہاں دو چھوٹے ملکوں کا مسئلہ ہو تو مسئلہ غائب
ہو جاتا ہے۔ چھوٹی اور بڑی قوم کا مسئلہ ہو تو چھوٹی قوم غائب ہو جاتی ہے اور اگر دو بڑی

قوموں کا مسئلہ ہو تو اقوام متحدہ غائب۔

خود کو جی ایچ کیو کی کیو میں کھڑا کرتے ہیں۔ جی ایچ کیو انہیں اتنا پسند ہے کہ ہمیں تو "جی ایچ کیو" سے مراد "جی حضوری کرنا" لگتا ہے۔ وہ مسلم لیگ کے خادم نہیں، خاوند ہیں اور مسلم لیگ ان کی بیوہ ہے۔ ان کے بیان پڑھ کر لگتا ہے جیسے ان کا تعلق محکمہ بندی سے ہے۔ شاید وہ اسی لیے بار بار منصوبہ بندی پر زور دیتے ہیں کہ ابھی سات ماہ بھی نہیں ہوتے اور نئی مسلم لیگ کی ولادت ہو جاتی ہے۔

دوران گفتگو جہاں پتہ چلے کہ دوسرا ان کی بات سمجھ رہا ہے، فوراً بات بدل دیتے ہیں۔ آدھا دن وہ کہتے ہیں جو سننا چاہتے ہیں اور باقی آدھا دن وہ سنتے ہیں جو کہنا چاہتے ہیں۔ فقرہ یوں ادا کرتے ہیں جیسے بل ادا کر رہے ہوں۔ جس موضوع پر دوسرے ہائے ہائے کر رہے ہوتے ہیں، یہ "ہائے" کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ کسی کی بات کی پروا نہیں کرتے، مگر چاہتے ہیں ان کی بات پر، واہ کی جائے۔ لوگ ان کو ملنے سے پہلے وضو کرتے ہیں۔ وضو تو دوسرے سیاست دانوں سے ملنے والوں کو بھی کرنا پڑتا ہے مگر ملنے کے بعد۔ جانوروں کی حرکتوں سے بہت محظوظ ہوتے ہیں، اس لیے کسی کی حرکت سے محظوظ ہوں تو بندہ پریشان ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں مجھے کیا سمجھ رہے ہیں۔ ان کے پاس کئی گھوڑے ہیں جو اکثر ریس اور الیکشن جیتتے رہتے ہیں۔ اپنی تعریف سن کر خوش نہیں ہوتے، آخر بندہ چوبیس گھنٹے ایک ہی بات سن کر خوش تو نہیں ہو سکتا۔

مرید اپنی نگاہیں ان کے پاؤں سے اوپر نہیں لے جاتے، اس لیے اگر کوئی مرید کہے کہ میں نے پیر سائیں کو ننگے دیکھا تو مطلب ہوگا، ننگے پاؤں دیکھا۔ پیر صاحب منفرد بات کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ پیر صاحب آپ نے ایک جوتا اتارا ہوا ہے تو کہیں گے: "نہیں! ہم نے ایک جوتا پہنا ہوا ہے۔" ان کی تو چائے میں چینی کم ہو تو کہیں گے: "اس چینی میں چائے زیادہ ہے۔" وہ جس کے سر پر ہاتھ رکھ دیں، وہ سر ہاتھ پر رکھ لیتا ہے۔ جب وہ پیر جو گوٹھ سے لاہور آتے ہیں تو پیر جو گوٹھ بھی لاہور آ جاتا ہے۔ ان دنوں لاہور کہاں جاتا ہے؟ اس کا پتا نہیں۔ مرید انہیں اپنے ہاتھ سے کام نہیں کرنے دیتے۔ اس لیے پیر صاحب کے ہر کام میں کسی اور کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ان سے حور کا ذکر پوچھو تو شاید حر کہیں۔ جی ایم سید کے بقول پیر صاحب جھوٹ



نہیں بولتے۔ گویا وہ پیر صاحب کو سیاست دان نہیں مانتے۔ ویسے پیر صاحب کے الیکشن کے نتائج سے تو ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ ووٹر ان کا انتخاب نہیں کرتے، یہ ووٹروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ وہ پیر ہیں جو دن میں اتنی بار ماشاءاللہ نہیں کہتے، جتنی بار مارشل لاء کہتے ہیں۔ برتھ ڈے ضرور مناتے ہیں۔ دوسرے سیاست دان شاید اس لیے نہیں مناتے کہ برتھ ڈے تو اے کو پیدا ہونے والے ہی منا سکتے ہیں۔

ان کی باتوں میں اتنا وزن ہوتا ہے کہ سننے والا اپنا سر بھاری محسوس کرنے لگتا ہے۔ ان کا ہر فقرہ کئی کئی کلو کا ہوتا ہے۔ فقرے تو دوسرے سیاست دانوں کے بھی کئی کئی کلو کے ہوتے ہیں، جی ہاں کئی کئی کلو میٹر کے۔ دوسروں کے تو بیانوں کی بھی اتنے کالمی سرخی نہیں لگتی جتنے کالمی سرخی ان کی خاموشی کی ہوتی ہے۔ ستاروں کے علم پر ایسا عبور ہے کہ فلمی ستاروں کی گردش تک کی پس و پیش گوئیاں کرتے رہتے ہیں۔

بہت اچھے کرکٹر ہیں۔ بحیثیت امپائر کئی بار سنچریاں بنائیں۔ فوٹوگرافی کا شوق ہے۔ کہتے ہیں: "میں ہمیشہ خوبصورت تصویریں بناتا ہوں۔" حالانکہ وہ خوبصورت کی تصویریں بناتے ہیں۔ مخالفین تک پیر صاحب کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ ان کے سیاسی حریف پرویز علی شاہ یہ نہیں کہتے کہ میں نے متعدد بار پیر صاحب کو ہرایا۔ یہی کہتے ہیں، پیر صاحب نے مجھے ہر بار جتوایا۔ صحافی بھی ان سے سوال کر رہے ہوں تو یہ انہیں یوں دیکھتے ہیں جیسے پیر سوالی کو۔

پیر صاحب کو فرشتے بہت پسند ہیں۔ فرشتوں میں یہی خوبی ہے کہ وہ سوچتے سمجھتے نہیں، بس جو کہہ جائے، کرتے ہیں۔ پیر صاحب کو زمینی فرشتے الیکشن ہرواتے ہیں۔ زمین اور آسمانی فرشتوں میں وہی فرق ہے جو زمینی اور آسمانی بجلی میں ہے۔ آسمانی بجلی وہ ہوتی ہے جس کا بل نہیں آتا۔ پیر صاحب اس وقت کے تعلیم یافتہ ہیں جب ایک میٹرک پڑھا لکھا آج کے دس میٹرکوں کے برابر ہوتا تھا۔ یہی نہیں، اس زمانے کا تو ایک ان پڑھ آج کے دس ان پڑھوں سے زیادہ ان پڑھ ہوتا تھا۔

پیر صاحب کسی سیاست دان کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ جس کو سنجیدگی سے لیں، وہ مذاق بن جاتا ہے۔ وہ اتنے شگفتہ مزاج ہیں کہ ان کے کمرے کے گلدان میں پلاسٹک کے پودوں پر بھی پھول کھلنے لگتے ہیں، جب کہ ان کے مرید اور کالعدم وزیر اعظم محمد خان

جونیجو ایسے تھے کہ ان کے کمرے میں تو پلاسٹک کے پھول بھی مرجھا جاتے۔ پیر صاحب
چھٹی حس جانے والے حکمرانوں کا بتاتی ہے جب کہ باقی پانچ حسیں آنے والے کا۔
ہیں: "حکمرانوں کو آئین کی نہیں' آئینے کی ضرورت ہے۔" ٹھیک کہتے ہیں۔ خضاب
زیڈال بندہ آئین کی مدد سے تو نہیں لگا سکتا۔ ان کی طبیعت میں اتنی مستقل مزاجی
جتنی مستقل مزاحی ہے۔ سنجیدہ بات کو غیر سنجیدہ طریقے سے کہنا مزاح نہیں بلکہ
سنجیدہ بات کو سنجیدہ طریقے سے کہنا مزاح ہے۔ سوچتا ہوں اگر سیاست میں سنجیدگی آئی
پیر صاحب کیا کریں گے؟



# شوہرِ اعظم

وہ مرزا جٹ کی نسل سے ہیں۔ اس لیے جس خاتون کو بھی دیکھا اسے صاحبہ نہیں صاحباں ہی سمجھا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ جب چند گھنٹوں کے لیے فارغ ہوں اور کوئی کام نہ ہو تو شادی کر لیتے ہیں۔ تعلیم تو ان کی اتنی ہی ہے جتنی غلام حیدر وائیں صاحب کی ہے۔ اور وائیں صاحب اتنی دیر زیر تعلیم نہیں رہے' جتنی دیر وزیر تعلیم رہے ہیں۔ بہر حال شوہرِ اعظم ملک جی ایم غیر سید نے شادیوں پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کی شادی پر تو فوٹو گرافر پولورائیڈ کیمرے استعمال کرتے ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ جب تک تصویریں دھل کر آئیں' یہ نئی شادی کر چکے ہوں۔ وہ اگر کہیں کہ میں کئی سالوں سے پریشان ہوں تو لوگ سالوں سے مراد بھی مدت نہیں' رشتہ لیتے ہیں۔ ساری زندگی نمبر 2 رہے۔ بھٹو دور میں پی پی پی کے نمبر 2 لیڈر۔ این پی پی میں شامل ہوئے تو یہاں بھی دو نمبر لیڈر ہی رہے۔ یہاں تک کہ اپنی بیویوں کے بھی نمبر 2 خاوند رہے۔ قوم کا اس قدر غم ہے کہ 1990ء میں انہیں پتہ چلا کہ پاکستان میں 48 لاکھ لڑکیاں شادی کے انتظار میں بیٹھی ہیں تو انہیں اس وقت تک رات کو نیند نہ آئی جب تک انہوں نے اس تعداد میں ایک کی کمی نہ کر دی۔ سیانے کہتے ہیں کہ مطلقہ کی بجائے بیوہ سے شادی کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے کہ وہ مرد کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے' مگر جو مرد اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوتا ہے' وہ زندہ نہیں ہوتا۔ کھر صاحب کو تجربہ کار لوگ اتنے پسند ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ اس سے شادی کی جسے پہلے شادی کا تجربہ تھا۔ وہ مطلقہ کو ہی اپنے متعلقہ سمجھتے ہیں۔ انہیں تو ڈاکٹر تبدیلی آب و ہوا کا کہے تو سمجھتے ہیں' ڈاکٹر نے تبدیلی آب و حوا کا کہا ہے۔

جی ایم سید فٹوں میں سوچتے اور انچوں میں بولتے ہیں' جب کہ جی ایم غیر سید انچوں

میں سوچتے اور فٹوں میں بولتے ہیں۔ ملک جی ایم غیر سید خود کو پورا ملک سمجھتے ہیں۔ اس لیے اگر وہ کہیں' پورا ملک بھوکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے صبح کا ناشتہ نہیں کیا۔ جہاں تک ملک سے ان کی محبت کی بات ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ جو ایک فرانسیسی شاعر نے اپنی محبوبہ سے کہا تھا: "میں رات بھر تمہاری جدائی میں جاگتا رہا ہوں اور ساری رات خوابوں میں صرف اور صرف تمہیں دیکھتا ہوں۔"

ان کا تعلق کھرل قبیلے کی کھر شاخ سے ہے۔ تہمینہ درانی لکھتی ہیں: "کھرلوں کا ایک گروہ لاہور سے ملتان جا رہا تھا۔ راستے میں ملتان کے قریب انہوں نے گنے کے کھیت دیکھے تو انہیں کاٹ کر اپنی جھونپڑیاں بنانے لگے۔ کھیت کے مالک نے پوچھا' تم کون ہو؟ تو انہوں نے کہا' ہم تو کھرل ہیں۔ کھیت کے مالک نے کہا' حرکتوں سے تو تم خر لگتے ہو۔ یوں کھرل کے بعد وہ کھر کہلائے۔" شاید اسی لیے تہمینہ نے جی ایم غیر سید سے شادی کے بعد اپنے نام کے ساتھ بھی کھر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ کھر صاحب بڑے مادہ پرست ہیں۔ یہاں مادہ سے مراد وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

جب وہ گورنر تھے تو اکثر فور پیس میں ملبوس نظر آتے۔ کسی نے پوچھا: "تھری پیس سوٹ تو سنا ہے' فور پیس سے کیا مراد ہے؟" کہا: "تھری پیس تو پہنا ہوتا ہے اور ایک پیس ساتھ ہوتا ہے۔" خاتون کے ساتھ تصویر میں جی ایم غیر سید کو پہچاننا بڑا آسان ہوتا ہے جس نے چادر لی ہو' وہ موصوف ہوں گے۔ فرماتے ہیں' پنجاب کی کسی ماں نے مجھ سے بڑا نہیں جنا۔ جب کہ میرا دوست "ف" کہتا ہے' یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں خود دسویں ماہ کی پیدائش ہوں۔ نواب آف کالا باغ نے کہا تھا کہ جس عہدے کے آخر میں نر آئے جیسے گورنر' کمشنر' ڈپٹی کمشنر وغیرہ' ان سے ڈرو۔ جب کھر صاحب گورنر تھے تو لوگ ڈر کر انہیں شیر کہتے بلکہ چڑیا گھر کے شیر کو بھی ڈر کے کھر کہہ کر بلاتے۔ یہ شیر آدم خور نہیں بلکہ حوا خور ہے۔ پیر پگاڑہ سے کسی نے اس شیر کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے: "ہم اشرف المخلوقات سے رابطہ رکھتے ہیں' جانوروں سے نہیں۔"

جب گورنر تھے تو ان کی اپنی "ادا" تھی۔ اداکارائیں گورنر ہاؤس میں یوں آتیں جیسے سٹوڈیو میں آ رہی ہوں۔ یحیٰی خان کے دور میں اداکارہ ترانہ جب یحیٰی خان سے ملنے کے بعد باہر نکلی تو ایوان صدر کے چوکیدار نے اسے سیلوٹ کیا۔ کسی نے پوچھا' جب وہ آئی تھی تب تم نے سیلوٹ نہیں کیا تھا؟ کہا: "جب وہ آئی تھی تو صرف ترانہ تھی' جب کہ اب وہ قومی ترانہ ہے۔" کھر صاحب اگر وزارت عظمیٰ کے امیدوار بھی ہوں تو اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اس وزارت میں عظمیٰ بھی ہے۔ ویسے بھی کیا ہوا' اگر وہ وزیر اعظم نہ بن سکے' شوہر اعظم تو بن گئے۔ تہمینہ نے جس دن طلاق لی' اس شام انہوں نے کہا' تہمینہ نے میرا گھر برباد کر دیا' عزت اخباروں میں اچھالا' الزامات لگائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری آج کی شام برباد کر دی۔ ایک مشہور گلوکارہ کی ذہانت سے متاثر ہو کر اسے شادی کرنے کو کہا۔ وہ واقعی ذہین تھی' اس نے فوراً کسی اور سے شادی کر لی۔ انہیں انکار اچھا نہیں لگتا۔ ویسے بھی مردوں کو اگر کسی عورت کا "انکار" پسند آئے تو یقین کر لیں وہ پروین شاکر ہوگی۔

اقتدار میں تھے تو اپنا چہرہ سرخ رکھنے کے لیے لسی' مکھن' دودھ اور حنیف رامے کی تصویر استعمال کرتے۔ کوٹ ادوان کا وہ کوٹ ہے جسے وہ جس کو چاہیں' پہنا دیں۔ پڑھائی سے تو شغف ہے' ان کے سامنے رسالہ کہو تو وہ اسے کتاب کی بجائے فوج کا دستہ سمجھیں گے۔ بحیثیت گورنر انہوں نے ثابت کیا کہ وہ نواب آف کالا باغ لیول کے نواب آف سبز باغ ہیں۔

ان کی زندگی کی کہانی ایک فلمی کہانی ہے' جس میں فائٹیں اور بڑھکیں ہی نہیں گانے بھی موجود ہیں۔ پہلے صرف جاگیردار تھے تو کہتے میری کوٹھی کے آگے سے گاڑی ہٹاؤ۔ گورنر بنے تو کہنے لگے' میری گاڑی کے آگے سے کوٹھی ہٹاؤ۔ اب کہتے ہیں' کوٹھی کے آگے سے میری گاڑی ہٹاؤ۔ مزاج ایسا کہ اپنے دور اقتدار میں اگر کسی آرٹسٹ کو فائن کہتے تو ان کے والد سے اندازہ لگانا پڑتا کہ کہیں آرٹسٹ سے فائن لینا تو نہیں۔ معاملات میں ایسے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ کاروبار کرنا چاہیں تو پہلے اپنے وکیل سے مشورہ کریں۔ اگر وہ وکیل آپ کو اس کی اجازت دیتا ہے تو پھر آپ کسی اچھے وکیل سے مشورہ کریں۔

دنیا میں جو جھوٹ سب سے زیادہ بولا جاتا ہے' وہ ہے کہ حکومت آپ کے مسئلے حل کرنا چاہتی ہے' لیکن وہ ہر مسئلے کا حل نکال لیتے۔ ان کے دور اقتدار میں کچھ پارٹی ورکرز نے شکایت کی کہ ہمیں جاب نہیں ملتی تو انہوں نے فوراً ایک کمیٹی بنانے کو کہا جو یہ پتہ چلائے کہ انہیں جاب کیوں نہیں ملتی اور ان کو اس کمیٹی میں جاب دے دی۔ کسی بے وقوف کو اپنا نہیں بناتے' ہاں اپنے کو بے وقوف بنا لیتے ہیں۔ سیاست میں ان کا یہ اصول ہے کہ سیاست میں کوئی اصول نہیں ہوتا۔

گورمانی خاندان کو سیاسی طور پر دفن کرنے کے لیے سیاست میں آئے۔ حالانکہ گو...
اس خاندان کے نام میں پہلے ہی تھا۔ بھٹو اقتدار میں تھے تو یہ ان کے دائیں بائیں ہوتے...
اقتدار میں نہ رہے تو یہ دائیں بائیں ہو گئے۔ پیپلز پارٹی سے ان کو نکالا گیا مگر پیپلز پارٹی کو ان...
سے نہ نکالا جاسکا۔ واپس پی پی پی میں آئے تو انہیں کچھ نہ کہا گیا یعنی صدر کہا گیا نہ سیکرٹری...
1977ء کے بعد ملک چھوڑ دیا۔ اگر یہ ملک نہ چھوڑتے تو ملک انہیں نہ چھوڑتا۔ جان...
گلبرتھ کہتا ہے: "سیاست دان اتنا اچھا ہوتا ہے' جتنا برا اس کا حافظہ ہوتا ہے۔" ان کا حافظہ...
ایسا ہے کہ ایک صحافی نے بچوں کی تعداد پوچھ لی تو خود جواب دینے کی بجائے اپنے سیکرٹری کی
طرف دیکھنے لگے۔

بے نظیر کے سسر حاکم زرداری فرماتے ہیں' کھر بھٹو کا بریف کیس ہی نہیں' ان...
گھر کے جوتے بھی اٹھا کر لے جاتے۔ جس کا مطلب تو یہ ہے کہ بھٹو کا گھر ان کے لیے...
تھا۔ انہیں دن اچھا نہیں لگتا کہ صبح صبح چڑھ آتا ہے' البتہ رات پسند ہے کہ یہ اندھیرے میں...
آتی ہے۔ ناپسندیدہ دن 21 جون کہ اس کی رات بڑی چھوٹی ہوتی ہے۔ سگار پی رہے ہوں...
ساری دنیا ان کے لیے ایش ٹرے ہوتی ہے۔ یہ ہیں تو مرد آہن مگر آہن کا مسئلہ یہ ہے کہ...
اسے استعمال نہ کیا جائے تو اسے زنگ لگ جاتا ہے۔ وہ لاکھوں کے مجمع کو کنٹرول کر سکتے ہیں...
مگر خود کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔

ہر کسی کو غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو غلام نہ بنے' اسے آقا بنا لیتے ہیں۔ کہتے...
ہیں میں کبھی کسی کے آگے نہیں جھکا۔ حالانکہ تہمینہ کہتی ہیں' وہ اپنی بیویوں کے آگے جھکتے...
ظاہر ہے اتنا لمبا بندہ جھکے بغیر بیوی کے پیٹ میں گھونسا کیسے مار سکتا ہے؟ اچھے ڈرائیور ہیں...
آج تک جتنے حادثے کیے' سڑک پر نہیں گھر پہ کیے۔ گاڑی یوں چلاتے ہیں جیسے گھوڑا...
رہے ہوں۔ اس لیے بریکیں لگاتے وقت سٹیئرنگ یوں کھینچتے ہیں جیسے لگامیں کھینچ رہے
ہوں۔ اتنے تیز رفتار کہ جتنی دیر میں آپ ایک پل کراس کرتے ہیں' وہ ڈبل کراس کر چکے
ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں' مخالفین مجھ سے اتنا ڈرتے ہیں کہ وہ مجھے زخمی کرنے کے لیے بھی
میرے گھر پر تب حملہ کرتے ہیں جب انہیں یقین ہو کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ حریف کو
کبھی معاف نہیں کرتے۔ ویسے بھی حریف سیاست دان اگر آپ سے سارے اختلافات ختم
کر کے آپ کے ہاں آئے' تو یقین کر لیں کہ وہ آپ کے جنازے پر آرہا ہے۔ سائنس کہتی



ہے گرمی سے چیزیں پھیلتی ہیں۔ ان کی گورنری کا دور اتنا گرم تھا کہ ان کی تیس ایکڑ زمین
پھیل کر کئی گنا ہو گئی۔ کہتے ہیں مجھ سے اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ اگر یہ خوشبو
زیادہ ہو جائے تو کپڑے بدل لیتے ہیں۔

مگرمچھ کی کھال کے جوتے تین تین سال چلاتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے کہ یہ
کوئی زیادہ عرصہ نہیں' یہ کھال تو مگرمچھ تیس تیس سال چلاتے ہیں۔ کہتے ہیں' میں یاراں کا
یار ہوں۔ واقعی وہ زیادہ سے زیادہ "یاراں" کا یار ہو سکتے ہیں۔ باراں یا تیراں کے نہیں۔
مصیبت میں جو ان کے کام آئے' اسے نہیں بھولتے۔ خاص کر کے اس وقت جب پھر
مصیبت میں ہوں۔ فیصلہ کرنے میں اتنی دیر لگاتے ہیں کہ اب تک ادھیڑ عمر ہونے کا فیصلہ
کرنے کی ادھیڑبن میں ہی ہیں۔ ان کے کاموں کے حساب سے ان کی عمر کا اندازہ لگائیں تو
اپنے بیٹے کے ہم عمر نکلیں گے۔ اداکارہ نینسی آسٹر نے کہا تھا' میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ
تیس سال سے اوپر کی ہرگز نہ ہوں گی۔ سو ایک وقت ایسا آیا' نینسی جو عمر بتاتی' اس حساب
سے اس کا بڑا بیٹا چار ماہ بعد پیدا ہوا۔ جی ہاں! نینسی آسٹر کی پیدائش کے چار ماہ بعد۔

عورتیں انہیں ایک شوہر' پی پی ورکرز ایک جوہر' بھٹو صاحب ایک شوفر اور جماعت
اسلامی ایک لوفر کے طور پر جانتی ہے۔ انہوں نے اپنا سیاسی سفر کوٹ ادو کے ایک رکن اسمبلی
کے طور پر شروع کیا۔ بھٹو کے دست راست بنے۔ پنجاب کے بااختیار گورنر بنے' لیکن پھر
وہیں آگئے جہاں سے انہوں نے یہ سفر شروع کیا تھا۔ یعنی اب وہ پھر صرف کوٹ ادو کے ایک
رکن اسمبلی ہیں۔

# علاّمہ فی الفور

علامہ فی الفوران لوگوں میں سے ہیں جو ہر کام جلدی سے کرتے ہیں۔ وہ تو دیر ر میں بھی جلدی کرتے ہیں۔ انہوں نے معروف ہونے میں تو چند ماہ ہی لگائے' البتہ معروف ہونے میں کئی سال لگائے ہیں۔ مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور بڑی ''جھنگ شخصیت ہیں۔ لاہور آکر لاء کالج کے ہوسٹل میں رہے۔ یہاں لاء ہوسٹل سے مراد سہ نہیں کہ وہاں بھی مدران لاء' فادران لاء' سسٹران لاء بلکہ ہر کوئی ان لاء ہی ہوتا ہے۔ سے نکل کر فیض الحسن صاحب سے ''فیض'' لیا۔ وہ پیدائشی طور پر بڑے سیاست دان ہ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں چھوٹا ادیب' چھوٹا سیاست دان اور چھوٹا اداکار پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ وہ پیدائشی طور پر اس لیے بڑے ہیں کہ اپنے بہن بھائیوں میں سب بڑے ہیں۔

مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور اس وقت سوتے ہیں جب اٹھنا ہو۔ جب کہ ہم تب اٹھتے ہیں جب سونا ہو۔ کسی نے ہم سے پوچھا: ''سو سو کر تھک نہیں جاتے؟'' تو ہم کہا: ''جب تھک جاتے ہیں تو پھر سو جاتے ہیں۔'' یہ پتہ کرنا کہ علامہ صاحب سوئے ہ ہیں یا نہیں' بڑا آسان ہے۔ آپ کو ان کے پاس بیٹھے پانچ منٹ ہو جائیں اور وہ نہ بولیں تو لیں' وہ سوئے ہوئے ہیں۔ لوگ تو جاگتے میں کام کرتے ہیں' یہ سوئے ہوئے بھی فارغ ہوتے۔ خواب ملاحظہ فرمارہے ہوتے ہیں۔ خوابوں کا سلسلہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ گوربا نے ایک بار کسی کو بتایا کہ مجھے بڑی پریشانی ہے۔ رئیسہ گورباچوف روز سوتے میں یہ دیکھتی ہے کہ اس کی کسی امریکی سے شادی ہو رہی ہے' تو سننے والے نے کہا: ''اس وقت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' جب تک وہ یہ خواب جاگتے میں نہیں دیکھنے لگتیں۔''



صاحب جاگتے میں خواب دیکھتے ہی نہیں' دکھاتے بھی ہیں۔ فرماتے ہیں' ان کا نام بھی خواب میں رکھا گیا۔ یہی نہیں انہوں نے تو نام پیدا بھی خواب ہی سے کیا۔

اپنے ہر کام کو الہامی سمجھتے ہیں۔ کچھ کام تو واقعی لگتے بھی ہیں یعنی ان کا تعلق انسانی عقل سے نہیں لگتا۔ علامہ صاحب دنیا کے واحد فرد ہیں جنہیں کوئی درازی عمر کی دعا بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ بقول علامہ فی الفور بحوالہ خواب نمبر۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے میری عمر 63 سال مقرر کی جو حضور پاک ﷺ نے بڑھا کر 66 برس کر دی' لیکن میں نے قبول نہ کی اور عرض کیا کہ 63 برس سے زیادہ زندہ رہنا نہیں چاہتا کیونکہ اس طرح عمر کے سلسلے میں سنت نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوں گا۔ اور حضور ﷺ نے مان کر 63 کر دی۔ ویسے علامہ صاحب نے اس عمر کی حفاظت کے لیے اتنے گارڈ رکھے ہیں کہ لگتا ہے وہ انہیں لوگوں سے نہیں بچا رہے' بلکہ لوگوں کو ان سے بچا رہے ہیں۔ ہمارے ایک صحافی دوست بتاتے ہیں کہ علامہ کی دعا بڑی جلدی قبول ہوتی ہے۔ میں ملنے گیا۔ مدعا بیان کیا تو انہوں نے کہا: ''جاؤ۔ کھوئی ہوئی رقم مل جائے گی۔'' اور ان کی آدھی دعا فوراً قبول ہو گئی کہ میں وہاں سے چلا آیا۔

علامہ صاحب تقریر کر رہے ہوں تو وہ جنہیں اردو بھی نہیں آتی' سمجھ ان کو بھی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ نہ بھی بول رہے ہوں تب بھی سننے والوں کو سمجھ آ رہی ہوتی ہے۔ دوران گفتگو ہم نے آج تک کسی کو ان سے اختلاف کرتے نہیں دیکھا' جس کی واحد وجہ یہ ہے کہ دوران گفتگو وہ کسی اور کو بولنے کا موقع نہیں دیتے۔ ویسے علامہ صاحب جس تیزی سے بولتے ہیں' اس تیزی سے تو ہم سن بھی نہیں سکتے۔ بہت لمبی تقریر کرتے ہیں کیونکہ مختصر تقریر سننے کے لیے آج کل لوگوں کے پاس وقت ہی کہاں ہوتا ہے۔ ٹی وی کے بہی پروگراموں کی کاسٹ میں شامل رہے۔ ایسے مقرر کہ جو انہیں ایک بار سن لے' پھر بن مقرر نہیں کہتا۔ مکرر کہتا ہے۔ ایک بار ٹی وی پر ان کی تقریر نشر ہونا تھی۔ دو تین بار کا ٹیلپ چلا۔ اس پروگرام کے پروڈیوسر کو اس تقریر کی تعریف میں اتنے خط ملے کہ وہ پشان ہو گیا۔ ہم نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا: ''سوچتا ہوں عین وقت پر بوجوہ مہ صاحب کی تقریر ٹیلی کاسٹ نہ کی جا سکی تو اتنے خط آئے۔ اگر تقریر ٹیلی کاسٹ ہو جاتی تو پھر کتنے آتے؟''

حضرت علی رضی تعالیٰ اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''انسان زبان کی اوٹ میں چھپ سکتا

ہے۔" مگر علامہ صاحب نے زبان خود کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کی۔ میرے دوست "ف" کے بقول بندہ خواب زادہ طاہر القادری صاحب کا انٹرویو کرنے جائے تو واپس آ کر اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو ڈکٹیشن لے کر آیا ہے۔ وہ اکیلے چار آدمیوں جتنا کام کرتے ہیں۔ آپ ان کو کھانا کھاتے دیکھ لیں تو اس کا یقین بھی آ جائے گا۔ کمزوری محسوس ہو تو گوشت کی کڑاہی منگا لیں گے اور ایک منٹ میں ختم ہو جائے گی۔ آپ سوچتے ہوں گے کمزوری؟ جی نہیں' کڑاہی۔

وہ دوسروں کے ہاتھوں استعمال نہیں ہوتے' خود اپنے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں مجھے اقتدار پسند نہیں۔ ویسے ان کے طریقہ کار سے واقعی یہی لگتا ہے کہ وہ کبھی اقتدار حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ ڈاکٹر اسرار احمد کہیں کہ مجھے اقتدار پسند نہیں تو بندہ سمجھتا ہے اپنے بھائی اقتدار احمد کی بات کر رہے ہیں۔ جب کہ علامہ صاحب تو اسی کی خاطر سیاست میں آئے ہوئے۔ پاکستان عوامی تحریک کی بنیاد رکھی جس میں تحریک تو ہے مگر عوام نہیں۔ 1990ء کے ضمنی انتخابات میں ایک امیدوار عوامی تحریک کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا: "میرے حساب سے مجھے الیکشن جیتنے کے لیے نو دس ووٹ اور چاہئیں۔" علامہ صاحب کہتے ہیں میرے پاس جو ہو' وہ تقسیم کر دیتا ہوں۔ واقعی ان کے پاس جو ووٹ تھے' انہوں نے وہ تقسیم کر دیے۔ ان کی تحریک کا نعرہ ہے: "جوانیاں لٹائیں گے' انقلاب لائیں گے۔" مگر کہتے یوں ہیں: "جوانیاں لوٹائیں گے' انقلاب لائیں گے" جو اچھا بھلا کسی حکیم کا اشتہار لگتا ہے۔ علامہ صاحب پارٹی کے لیے یتیموں اور بیواؤں سے چندہ نہیں لیتے۔ اس لیے جو انہیں چندہ نہ دے' اسے بیوہ اور یتیم سمجھتے ہیں۔

سیلف میڈ ہیں' یہاں تک کہ علامہ اور پروفیسر بھی سیلف میڈ ہیں۔ ڈاکٹر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو علاج کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو خود قابل علاج ہوتے ہیں۔ مولانا خواب زادہ علامہ فی الفور صاحب کے والد صاحب انہیں علاج کرنے والا ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں' مگر موصوف کو میڈیکل کالج میں داخلہ نہ مل سکا۔

مولانا وہ مرد ہیں جنہوں نے زنانہ وار لکھا۔ وہ جتنی کتابوں کے خود کو مصنف بتاتے ہیں' صرف ان کی فہرست مرتب کی جائے تو ایک کتاب بن جائے۔ وہ دس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے لکھتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: "آپ اتنا لکھنے کے بعد کیا محسوس کرتے ہیں؟" تو



میرے دوست "ف" نے کہا: "اتنا لکھنے کے بعد تو بندہ محسوس کر ہی نہیں سکتا۔" فرماتے ہیں' مولانا مودودی کی جتنی تحریریں میں نے پڑھی ہیں' اتنی مولانا مودودی نے خود اپنی تحریریں نہ پڑھی ہوں گی۔ علامہ صاحب کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ مقام اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل کیا' جیسے ہمارا دوست "ف" اپنی ذاتی کوششوں سے اس مقام پر ہے کہ وہ اپنے سات بھائیوں میں اکیلا سید ہے۔ علامہ صاحب خود اس فرقے سے ہیں جو فرقہ بندی کے خلاف ہے۔ انہوں نے زندگی میں ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا۔ اگر کیا ہے تو وہ اپنا نہ ہوگا۔ ہر کام ترتیب سے کرتے ہیں۔ وہ تو بے ترتیبی بھی ترتیب سے کرتے ہیں۔

اگر وہ کہیں کہ مجھے خوبصورت چہرہ دیکھے دیر ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں شیشہ دیکھے گھنٹہ ہو گیا ہے۔ ان کی شخصیت میں انفرادیت ہے۔ یہی انفرادیت انہیں اجتماعیت نہیں لانے دیتی۔

# مریض المِلّت مہاجر حسین

ایک زمانہ تھا جب مہاجر حسین امریکہ میں سیاسی پناہ لینا چاہتے تھے مگر انہیں الطاف حسین کے علاوہ کوئی سیاست دان نہ جانتا تھا۔ پھر وہ اتنے مشہور ہوئے کہ کراچی اور حیدر آباد کی ہر گلی میں ان کی تصویر تھی۔ سیاست دان ان کے گھر یوں حاضری دیتے کہ لگتا اب بھی الطاف حسین کے علاوہ انہیں کوئی نہیں جانتا۔ آج کل وہ لندن میں ہیں جہاں کام اور زکام ہی ہوتا ہے' مگر اب لگتا ہے الطاف حسین بھی انہیں نہیں جانتا۔ وہ جتنی دیر ہسپتال میں رہے' اتنی دیر تو اپنے گھر میں نہ رہے ہوں گے۔ صرف اس وقت ہسپتال سے باہر آتے' جب دوسرے ہسپتال جانا ہوتا۔ گھر کو بھی ہسپتال کی طرح اتنا صاف رکھتے کہ لوگ نہ صرف ان کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے پاؤں صاف کرتے بلکہ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے بھی کرتے۔ ان کے حمائیتیوں کی طرح مخالفوں کا بھی زیادہ وقت ہسپتالوں میں ہی کٹتا۔ یوں سیاست میں وہ الطاف بھائی کی بجائے ہسپتال بھائی کے طور پر ابھرے۔ لوگ انہیں دوست نہیں بھائی کہتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دوست تو بندہ مرضی سے بناتا ہے۔

1947ء میں بٹوارہ ہوا تو جو "خانساماں" تھا' اس کا "خان" ادھر آگیا اور "سامان" ادھر رہ گیا۔ برتن یوں بٹے کہ "بر" اُدھر اور "تن" اِدھر۔ سردار جی کے تو "ٹرانسسٹر" کا یوں بٹوارہ ہوا کہ ان کے پاس "ٹرانس" ہی بچی، "سسٹر" پیچھے رہ گئی۔ مہاجر حسین نے کراچی اور حیدر آباد میں جو مہاجر تھے' انہیں ایم کیو ایم کا رکن بنایا' جو نہیں تھے انہیں مہاجر بنایا۔
مہاجر حسین خود آگرے میں پیدا ہوئے اور وہاں سے کراچی میں آگرے۔ ان کے دل میں مہاجروں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے' جو اسلامی جمعیت طلبہ اور پولیس نے کوٹ کوٹ کر بھری۔ ان کی سیاسی عمر اتنی ہی ہے جتنی ان کی اپنی عمر ہے۔ انہوں نے اپنی لائف سٹوری



میں مرکزی کردار ادا کیا۔ ایم کیو ایم کی ہسٹری مہاجر حسین کی لائف ہسٹری ہی ہے۔ انہیں جہاں پناہ ملی' جہاں پناہ بن گئے۔

بچپن میں پسندیدہ کھیل لڑائی تھا۔ ان کی والدہ جب انہیں خوش کرنا چاہتیں تو کوئی لطیفہ نہ سناتیں' بس یہ بتاتیں کہ ساتھ والی گلی میں لڑائی ہو رہی ہے اور وہ خوش ہو جاتے۔ بچپن میں وہ کھلونے پسند تھے جن میں فوجی ہوں۔ پاکستانی فوجی کھلونے اس لیے پسند تھے کہ بادشاہ اور وزیر کے کھیل میں بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ امریکی فوجی کھلونے اس لیے کہ ان کے تو ڈبوں میں بھی ایئر کنڈیشن لگانا پڑتا ہے۔ جب کہ چینی فوجی کھلونے وہ ہیں جنہیں کبھی ڈبوں سے باہر ہی نہیں نکالا جاتا۔ نوجوانی میں بُری طرح فوج میں جانے کا شوق تھا' سو بُری طرح گئے اور آئے۔

جامعہ کراچی میں بی فارمیسی میں تھے تو اس کا ریکارڈ توڑنے کی کئی کوششیں کیں۔ مگر پولیس نے ریکارڈ ٹوٹنے سے بچالیا۔ ان دنوں ان کے پاس سر ڈھانپنے کے لیے ایک ٹوپی اور پہننے کے لیے ایک عینک ہوتی تھی۔ چلنے کے لیے ففٹی موٹر سائیکل جو ففٹی موٹر تھی اور ففٹی سائیکل' یعنی سواریاں اس پر موٹر کی بیٹھتیں اور وہ چلتی سائیکل کی طرح۔ وہ پٹرول سے نہیں' امید سے چلتی اور چلتے ہوئے ایسے ہی لگتی جیسے واقعی امید سے ہو۔ نقل و "حمل" کی وجہ سے اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ لوگ یہ نہ پوچھتے یہ کس کی ہے' یہ پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ وہ ان کی زبان سمجھتی۔ اس لیے وہ بریک کا کام بھی زبان سے لیتے۔ یعنی کوئی سامنے آجاتا تو بریک کی بجائے اپنی زبان کا استعمال کرتے۔ یوں گاڑیوں کے نیچے آتے آتے وہ وقت آیا کہ ان کے نیچے گاڑیاں آنے لگیں۔ ابتدا میں تو مالی حالت ایسی تھی کہ کوئی مصیبت بھی مول نہ لے سکتے' وہ بھی ادھار ہی لینا پڑتی۔ روزانہ شام کو جن سے قرض لینا پڑتا' ان کی میرٹ لسٹ بناتے اور جس کا ادھار سب سے زیادہ ہوتا' اس سے مزید ادھار لینا بند کر دیتے تاوقتیکہ کسی اور کا ادھار اس سے زیادہ نہ ہو جاتا۔ پھر وہ ایسے امیر ہوئے کہ ایسا کسی جماعت کا امیر نہ ہوا۔

وہ پہلے الطاف حسین تھے' پھر مہاجر سٹوڈنٹس آرگنائزیشن بنے اور پھر ایم کیو ایم کہلائے۔ 1986ء میں ایم کیو ایم کے جلسے میں بادل اور بے دل مہاجر حسین برسے اور پاکستانی سیاست میں سیلاب آگیا۔ اس کے لیے وہ جیلوں میں مچھر اوڑھ کر سوئے۔ مہاجر حسین کی اسی کسرت نے ایم کیو ایم کو کثرت دی۔ کہتے ہیں ایم کیو ایم کو چلانا بڑے دل گردے کا کام ہے

اور ڈاکٹروں نے ثابت کیا کہ واقعی ان کا گروہ بڑھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بیس سال کی عمر میں بھی بیبیوں کے تھے۔

رنگ ایسا کہ میلا کپڑا بھی پہن لیں تو کپڑا اجلا لگنے لگے۔ پاجامہ پسند ہے۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ پاجامہ پہنا ہوتا ہے اور شلوار پہنی جاتی ہے۔ یوں وہ پاجامے میں پھولے نہیں سماتے۔ عینک چہرے کا لباس ہے۔ اس لیے عینک کے بغیر محفلوں میں نہیں جاتے۔ شاید اسی لیے بزرگ عینکوں کو پہننے کے لیے پیچھے رسی آزار بند کی طرح باندھے ہوتے ہیں۔

جذبات اور جزیات کے سمندر ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب یہ جاننے کے لیے کہ کراچی کا موسم گرم ہے یا سرد' لوگ محکمہ موسمیات کی بجائے مہاجر حسین کے بیان دیکھتے' یوں تو وہاں سردی اور گرمی کا موسم ایسا ہوتا ہے کہ منٹ میں سردی گرمی ہو جاتی ہے۔ ویسے برے موسم کا اور کوئی فائدہ ہو نہ ہو' یہ ہے کہ جہاں موسم اچھا ہو وہاں لوگوں کو آپس میں لڑنے کے لیے مذہبی تفرقہ بندیوں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ مہاجر حسین چپ ہوں تو دوست پریشان ہو جاتے ہیں اور ڈاکٹر کو بلانے کا سوچنے لگتے ہیں۔ زبان چل رہی ہو تو سمجھ لیں' ان کی سانس چل رہی ہے۔ زبان بند ہے تو ڈاکٹر زبان نہیں' نبض دیکھتے ہیں۔ جہاں بولنے کا موقع نہ ملے' وہاں بھی چپ نہیں ہوتے۔ سارا دن بول بول کر اس قدر تھک جاتے ہیں کہ بمشکل اپنا منہ بند کرتے ہیں۔ ان کا جو آپریشن ڈاکٹر ایک گھنٹے میں کر لیتے' اس کی تفصیل بتانے میں مہاجر حسین ایک ماہ لگا دیتے ہیں۔ ٹیلی فون پر تقریریں کر کر کے یہ حال ہو گیا کہ بھائی کو بھی فون کریں تو ہیلو یوں کہیں گے: "عزیز ساتھیوں' بزرگو' میری تحریکی ماؤں اور بہنو' ہیلو!" عزیز آباد جو اب انہیں عزیز ہے نہ آباد۔ وہاں ان کے گھر 15 ٹیلی فون تھے۔ کسی نے پوچھا: "یہاں 15 فون کیوں ہیں؟" کہا: "اس لیے کہ اس سے زیادہ کی جگہ نہیں تھی۔" پہلی بار آنے والے غیر ملکیوں کو بتانا پڑتا ہے کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ٹیلی فون ٹھیک کر کے روزی کماتے ہیں۔ یہ ٹھیک نہ کر کے بھی کما لیتے ہیں۔

ان کا پسندیدہ دوست الطاف حسین ہے۔ "ایسے" دوست کی صحبت میں رہ کر یہ بھی "ویسے" ہو گئے ہیں۔ شیشہ دیکھتے ہوئے بھی یہ سمجھتے ہیں وہ شیشہ نہیں دیکھ رہے' شیشہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ ان دنوں بندہ کراچی میں کسی سے ان کے پتے کا پوچھتا تو مہاجر "کروٹن" کے پتے کا بتاتے۔



جاگیرداروں نے سیاست کو اتنا مہنگا کر دیا ہے کہ الیکشن ہارنے کے لیے بھی لاکھوں روپے چاہئیں' لیکن انہوں نے سیاست کو سستا کر دیا۔ وہ اس پر یقین رکھتے کہ جو ایک مارے' وہ قاتل۔ جو بہت سوں کو مارے' وہ فاتح اور جو سب کو مار دے' وہ خدا ہوتا ہے۔ انہیں کوئی کام کرنے کا غلط طریقہ بتاتا تو کہتے' مجھے وہ طریقہ بتاؤ جو مجھے پہلے معلوم نہ ہو۔ کہتے ہیں تعلیمی ادارے ان دنوں تعلیم و تربیت کا مرکز بن گئے۔ رشتوں کا یہ عالم ہوا کہ جسے سب برا اور ناقابل اصلاح سمجھتے' اسے دادا کہہ کر بلاتے۔ مہاجر حسین خود کو سیلف میڈ کہتے ہیں جب کہ لوگ انہیں میڈ ان مارشل لاء لکھتے ہیں۔ کچھ غوث علی شاہ کو پیر مہاجر حسین کا غوث اعظم سمجھتے ہیں۔ ویسے وہ سیلف میڈ نہیں لگتے کہ اگر انہوں نے خود کو آپ بنایا ہوتا تو ایسا بنایا ہوتا؟

ڈاکٹر کے لیے تو دنیا میں دو قسم کے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بیمار ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جنہوں نے بیمار ہونا ہوتا ہے۔ یوں بھی بیمار ہونا ڈاکٹروں کی مالی امداد کرنا ہی ہے۔ سو مریض الملت مہاجر حسین کے کسی اور پر احسانات ہوں نہ ہوں' ڈاکٹروں پر ضرور ہیں۔ بچپن میں وہ ڈاکٹر بن کر مریضوں کے کام آنا چاہتے تھے۔ یہ تو نہ کر سکے مگر مریض بن کر ڈاکٹروں کے کام آئے۔ صحت کی انہیں اتنی فکر رہتی ہے کہ کسی کو صحت مند دیکھ لیتے تو انہیں فکر ہونے لگتی۔ بچپن میں وہ محلے کی کلب میں لوہے کے باٹ اٹھایا کرتے اور ایک بار باٹ اٹھاتے پکڑے بھی گئے۔ فروری کے مہینے میں سب سے کم دن بیمار رہتے' جس کی وجہ یہ ہوتی کہ فروری میں سب سے کم دن ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں' ہم نے مہاجر نوجوانوں کے لیے Health Clubs بنائے جو بعد میں Hellth Clubs نکلے۔ جہاں ڈرل کے لیے ڈرل ماسٹر نہیں ڈرل مشینیں تھیں۔ مہاجر حسین کا مخالفوں سے جو برتاؤ ہوتا ہے' اس میں برکم اور تاؤ زیادہ ہوتا ہے۔

وہ ہر کام یقین سے کرتے ہیں۔ وہ تو شک تک یقین سے کرتے ہیں۔ ہمارا اردو زبان پر یہی احسان ہے کہ ہم پنجابی بولتے ہیں' لیکن انہوں نے اردو کو نئے نئے محاورے دیئے۔ ان میں یہ نامعقولہ بھی ہے کہ زن' زر' زمین اور زبان فساد کی جڑ ہے۔ یوں جو پہلے مہاجر حسین کو عمر دراز ہونے کی دعا دیتے' پھر یہی دعا زبان کے لیے دینے لگے۔ انہوں نے کراچی کو ریاست بنایا مگر اسے سمجھا خالدہ ریاست۔ ان دنوں کراچی کی سڑکوں پر مہاجر حسین کی اتنی بڑی بڑی تصویریں ہوتیں کہ وہ جاپانی تو اپنے ملک کے فلمی رسالے کے لیے ان کا انٹرویو کرنے پہنچ

گئے۔ان کی بامثال کامیابی کی وجہ ان کا یہ اصول تھا کہ سیاست میں اصولوں پر سودا بازی نہیں ہونا چاہیے' اس کے بغیر ہونا چاہیے۔اب ان کے پاس خدا اور خلق خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ صفائی اس قدر پسند ہے کہ ان کا حکم ہے' ہر کام صفائی سے کرو۔ پریس کو انہوں نے جتنا پریشان کیا' آج تک کوئی نہ کر سکا۔ کہتے ہیں میری شادی ایم کیو ایم سے ہوئی ہے۔ان کے ایم کیو ایم کے ساتھ سلوک سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔

وہ پاکستان کے پہلے سیاست دان ہیں جنہوں نے باقاعدہ سیاست سے ریٹائرمنٹ کا اعلان بھی کیا۔ہمارے ایک مشہور نقاد نے کہا: "میں فلاں اعلیٰ افسر پر ایسا مضمون لکھ رہا تھا کہ وہ فیض اور ندیم کے پائے کے شاعر بن جاتے مگر......" ہم نے پوچھا: "مگر کیا اس نے شاعری چھوڑ دی؟" کہا: "نہیں۔وہ ریٹائر ہو گئے۔" یہی حال ان کے ریٹائرمنٹ کے اعلان کے بعد ہوا۔اگرچہ سیاست میں ریٹائرمنٹ کا اعلان بھی سیاست کرنا ہی ہے۔سیاست دان تو کہے کہ میں مر چکا ہوں' تب بھی سمجھیں اپنی قیمت بڑھا رہا ہے کہ ہاتھی سفید ہی کیوں نہ ہو' زندہ لاکھ کا اور مردہ سوا لاکھ کا۔کچھ تو سیاست میں زندہ ہی اسی صورت رہ سکتے ہیں کہ وہ مر جائیں۔

تاہم مہاجر حسین یہ بھی کہیں کہ میں مر گیا تو سننے والا یہی پوچھے گا: "کس پر؟" وہ جب ہسپتال میں ہوتے تو صرف ایک آدھ بندے کو پتہ ہوتا کہ وہ کس بیماری کے ساتھ داخل ہیں کیونکہ ڈاکٹر کے آنے سے پہلے "بیماری" کو ساتھ والے کمرے میں بھیج دیا جاتا۔ویسے بھی ہسپتال میں تبدیلی دل کے آپریشن ہوتے رہتے ہیں' لیکن بندہ کسی پارک میں تبدیلی دل کرتا پکڑا جائے تو کوڑے پڑ جائیں۔بہرحال ہم تو مہاجر حسین کے بارے میں جاننے کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ دولت' عزت' صورت اور سیرت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔



# ٹی ہاؤس کا سرحدی گاندھی

ٹی ہاؤس کو شاعروں ادیبوں کا دل کہتے ہیں۔دل میں تو سارے جسم کا گندا خون اکٹھا ہوتا ہے اور صاف ہو کر نکلتا ہے مگر یہاں جو کچھ جیسا اکٹھا ہوتا ہے ویسا ہی نکلتا ہے۔

اسرار زیدی کا یہاں وہی مقام ہے جس مقام پر آ کر وہ روزانہ بیٹھتا ہے۔لگتا ہے وہ پہلے اپنی "جائے مخصوصہ" پر بیٹھا تھا' ٹی۔ہاؤس بعد میں اس کے گرد تعمیر کیا گیا ہے۔ٹی ہاؤس میں آج تک اس نے کسی کو اپنے خلاف بات کرنے کا موقع نہیں دیا یعنی سب سے پہلے آتا ہے اور سب سے آخر میں جاتا ہے۔

شکل و صورت کسی بڑے شاعر سی لگتی ہے جبکہ شاعری اس کی اپنی ہی لگتی ہے۔پندرہ بیس سال پہلے بھی وہ اتنا ہی بوڑھا تھا جتنا آج ہے لیکن چند سالوں بعد ایسا ہو جائے گا جیسا پیدا ہوتے وقت تھا۔یعنی منہ میں دانت نہ سر پر بال۔چلتے وقت خود ایک قدم اٹھاتا ہے تو ہاتھ میں پکڑا بیگ دو قدم۔پاؤں زمین پر یوں رکھتا ہے جیسے ہر قدم پر پاؤں سے سگریٹ بجھاتا ہوا آ رہا ہے۔نیت' جیب' دل اور داڑھی مونچھیں ہمیشہ صاف ہوتی ہیں۔ہونٹوں پر اپنے کالم کی سرخی' آواز میں حکم' الفاظ میں گزارش۔ہنس رہا ہو تو لگتا ہے مچھلی پانی سے منہ نکال کر سانس لے رہی ہے۔رنگ ڈھنگ ٹریفک کی اس بتی جیسے جو روکتی ہے نہ جانے دیتی ہے۔دنیا کی طرح گول سر جس پر بالوں کی بجائے پی کیپ اگی ہوئی ہے۔

سلام لیتے وقت ہاتھ یوں بے دلی سے بڑھاتا ہے جیسے گرفتاری دے رہا ہو۔بلاؤ تو یوں دیکھے گا جیسے آپ نے کچی نیند سے اٹھا دیا۔غصے میں اس کا سر یوں ہلنے لگتا ہے جیسے ابلتے پانی کی کیتلی کا ڈھکنا۔اپنی بات کو آخری بات سمجھتا ہے۔دوسرے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آخری بات کر رہا ہے۔اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ یوں چپ ہوتے ہیں جیسے تعزیت کرنے آئے ہوں۔

پڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ ہر نئے لکھنے والے کو کہتا ہے مجھے اپنی تحریریں پڑھا
لیا کرو۔ اپنے بارے میں لکھی گئی تحریروں کو اچھا سمجھتا ہے اور کہتا ہے اردو ادب میں
بہت کم اچھا لکھا گیا۔

مشاعرے کا سن کر اس کے چہرے پر وہی رونق آجاتی ہے جو دکانوں پر کلیرنس سیل کے
موقع پر۔ وہ بادشاہ تو نہیں بادشاہ گر ضرور ہے مگر شوق بادشاہوں والے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے
کہ وہ فوجیں لڑاتے تھے یہ الیکشن لڑاتا ہے۔ پہلی لڑائی میں جان جاتی تھی اس میں عزت جاتی ہے۔

کہتے ہیں جنس کا قدرتی راستہ بند کر دیا جائے تو یہ پورے بدن کو راستہ بنا لیتی ہے۔ یہی نہیں وہ
باتوں اور تحریروں میں بھی آجاتی ہے لیکن اس نے ناکام زندگی بڑی کامیابی سے گزاری ہے۔ آج
بھی عورت کے ذکر پر وہی کچھ کرتا ہے جو عورتیں اس کے ذکر پر کرتی ہیں یعنی چپ ہو جاتا ہے۔

بہت جلد ناراض ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو ناراض پہلے ہو جاتا وجہ ناراضگی بعد میں
ڈھونڈتا ہے۔ اس قدر حسن ظن سے کام لیتا ہے کہ تعاقب کرنے والے کو بھی سمجھتا ہے
تقلید کر رہا ہے۔ اسے تو دشمن کا اس وقت پتا چلتا ہے جب وہ اس کا دوست بن چکا ہوتا ہے۔

ہمیشہ وہ بات کرتا ہے جسے صحیح سمجھتا ہے' اس لیے غلط بات کر رہا ہو تو سمجھ لیں صحیح
سمجھ کر کر رہا ہے۔ جتنے سالوں کے بعد اس کی کتاب آئی ہے اس سے لگتا ہے کہ لکھنے میں فی
غزل نو مہینے لگے ہوں گے۔

اس نے نظریہ کو "نذریہ" نہیں بنایا اپنے اصولوں کے مطابق زندگی گزاری۔ ان
اصولوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ریشم کا ریشہ اپنے خالق کے ساتھ کرتا ہے۔ کٹر
ترقی پسند ہے۔ برابری کا اس قدر قائل کہ اس نے اپنے کالم سے کالم نگار اور رپورٹر کے فرق
کو ختم کر دیا۔ کہتے ہیں کسی کو بے وقوف بنانے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے عقلمند
کہنے لگو اور وہ اپنے کالم میں سب کو عقلمند ہی کہتا ہے۔ اپنی گفتگو میں "لکھ دیا" اتنا استعمال کرتا
ہے کہ کوئی نیا آدمی اسے کاتب سمجھنے لگتا ہے۔ ویسے بھی یہ لکھنے کا دور ہے ادب کا ریڈر تو صرف
ایک ہی رہ گیا ہے وہ ہے پروف ریڈر۔

مستقل مزاج ایسا کہ آج بھی وہیں ہے جہاں برسوں پہلے تھا بقول شخصے وہ اوکاڑہ کا لینن رہ چکا
ہے بلکہ ایک لحاظ سے تو لینن بھی اس سے رہ گیا کہ وہ مر چکا اور یہ ابھی زندہ ہے لیکن اس کی بدقسمتی
یہ ہے کہ یہ ہارے ہوئے لشکر کا بہادر سپاہی ہے ظاہر ہے اس کی عزت افزائی تو نہیں ہو سکتی ناں۔



# چن جی

یاور حیات جب پرسوں کی پوٹلیاں لٹکائے ٹی وی سٹیشن داخل ہوتا ہے تو لگتا ہے جیسے
ی بنجارہ نہ ختم ہونے والے سفر پر ہو۔ دور سے دیکھنے پر اس سے ہمدردی ہوتی ہے اور اس کا
جھ بٹانے کو دل چاہتا ہے مگر اس کے قریب ہوتے ہی اپنے بوجھ اترتے محسوس ہوتے ہیں۔

اس کا قد ایسا کہ بندہ اس سے باتیں کر رہا ہو تو لگتا ہے آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔ چال
اری قومی چال کی طرح یعنی اتنا چلتا نہیں جتنا جگہ جگہ رکا رہتا ہے۔ کہتے ہیں جو سگریٹ پیتا
ہے وہ جھوٹ بھی بولتا ہے اور یاور سگریٹ پیتا ہے۔ دوران گفتگو سگریٹ کو انگوٹھے اور
نگشت شہادت میں پکڑ کر اسے یوں دیکھتا رہتا ہے جیسے آپ سے نہیں سگریٹ سے ہم کلام
ہو۔ گفتگو کرتا ہوا لگتا ہے ٹی وی مذاکرے میں حصہ لے رہا ہے یعنی کسی کی نہیں سنتا بس اپنی
ہی سناتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ انگریزی بولتا ہے جنہیں انگریزی لکھنا پڑھنا تو
در کنار انگریزی سننا بھی نہیں آتی لیکن اس سے عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس کی بات سمجھ رہے
ہوتے ہیں۔

وہ کم سے کم کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا ہے۔ وہ بات شروع تو دوسروں کے
لیے کرتا ہے مگر باتیں کرتا کرتا خود کلامی پر اُتر آتا ہے اور اپنے ساتھ گفتگو کرنے لگتا ہے اس
گانے والی کی طرح جو ایک مقام پر پہنچ کر گانے میں اس قدر کھو جاتی ہے کہ پھر سامعین سے
بالاتر ہو کر اپنے لیے گاتی ہے۔ ڈرامے کے حوالے سے یاور کا میڈیم ڈائیلاگ ہے لیکن اس کا
ذاتی میڈیم مونولاگ ہے۔ وہ اپنے سننے کے لیے باتیں کرتا ہے۔

اس میں اس قدر خود اعتمادی ہے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے ہر قسم کی برائی

کی ہوگی مگر کسی کی برائی کبھی نہیں کی۔ ٹی وی میں ہوتے ہوئے بھی یاور حیات بڑا پیا'
آدمی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وقت اپنے آپ سے جو لڑتا رہتا ہے۔ ٹی وی کے لیے اگر
کوئی چیز اگر قابل اعتراض ہے تو وہ اس کی ذہانت ہے۔

عورتوں کی اس قدر عزت کرتا ہے کہ مشکوک لگتا ہے۔ اسے ہر وہ چیز پسند
جس سے پہلے مس آئے۔ چاہے وہ مس کاسٹ ہی ہو۔ اس کا چہرہ اداکار کا' کان موسیقار
کے' نظر شاعر کی' زبان صوفی کی' دماغ فلسفی کا اور دل طوائف کا ہے۔ مسلمان ہے
کافر جسم پسند کرتا ہے۔

اس کی تلاشی لی جائے تو اس کے پرسوں' جیبوں اور کمرے سے دوسروں کے
وزیٹنگ کارڈ ہی نکلیں گے مگر اس کا اپنا وزیٹنگ کارڈ نہیں۔ وزیٹنگ کارڈ کو یاور حیات کی
ضرورت ہو تو یاور کو اس کی ضرورت نہیں اس کی جیبوں میں اتنے قلم ہوتے ہیں کہ لگتا
ہے قلم بیچتا ٹی وی آ نکلا ہے۔ حالانکہ وہ صحافی کبھی بھی نہیں رہا۔ اسے سونف کھانے کا
بہت شوق ہے جس کی اس قدر افادیت بتائے گا کہ آپ پریشان ہو جائیں گے کہ اتنی دیر
سے سونف کے بغیر زندہ کیسے ہیں؟

یاور حیات ڈرامہ نگار بھی ہے۔ اس نے منو بھائی سے لے کر محمد یونس بٹ تک کئی
ناموں سے ڈرامے لکھے۔ کسی قسم کی پابندی پسند نہیں کرتا چاہے وہ پابندی وقت ہی کی کیوں
نہ ہو بلکہ جس دن وقت پر پہنچ جائے لوگوں کو پریشانی ہونے لگتی ہے کہ اللہ کرے خیر ہو۔
جب یاور اپنے کمرے میں ہو تو ٹی وی کے تمام راستے اس کے کمرے کی طرف جانے لگتے
ہیں۔ وہاں اس قدر ٹیلیفون آتے ہیں کہ نیا آدمی سمجھتا ہے وہ غلطی سے ٹیلیفون ایکسچینج میں
آ بیٹھا ہے۔

یاور حیات نے اپنے فن سے ناظرین اور ناراضگین کی پوری نسل پروان چڑھائی ہے۔
کہتا ہے پروڈیوسر گھڑی باندھ لے تو وہ کلرک بن جاتا ہے وقت پر آنے جانے والا۔ شاید اسی
لیے وہ پروڈیوسر جو گھڑی دیکھ کر ریکارڈنگ کرتے ہیں ان کے پروگرام دیکھنے والے بھی بار بار
گھڑی ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

یاور کا بڑا نام اس لیے نہیں کہ خدا نے اسے بڑی صلاحیتیں دیں' بلکہ اس لیے کہ اس
نے یہ صلاحیتیں خود کو منوانے کے لیے صرف نہیں کیں اس کا مقصد متاثر کرنا نہیں شاید اسی



لیے متاثر کرتا ہے۔

وہ کھٹڑ قبیلے کا فرد ہے جس کے لوگ بڑے جاگیردار' جنگجو اور دشمن کو معاف نہ
رنے والے ہوتے ہیں مگر اس نے ان سے جاگیردارانہ ذہن لیا نہ جنگجوانہ مزاج اسے تو بس
حاف نہ کرنا ہی وراثت میں ملا ہے۔ وہ وار کرنے والے کو معاف نہیں کرتا حالانکہ معاف
ردینے سے سخت انتقام اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ایک دم مدمقابل کو گھٹیا اور خود کو عالی
رف ثابت کر دیتے ہیں مگر وہ سزا دیتا ہے نہ معاف کرتا ہے یہ تو اس کا قد ہے جو اسے
سروں کے واروں سے بچاتا رہتا ہے۔

خطرناک آدمی ہے پتا نہیں چلنے دیتا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ وہ مزید خطرناک ہے کیونکہ
سے پتا ہوتا ہے کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہے۔ مجھے اگر کوئی اپنی پسند کا دشمن چننے کے لیے کہے تو
یاور حیات کا نام لوں گا کیونکہ اچھے دوست تو مل جاتے ہیں مگر اچھا دشمن کہاں ملتا ہے۔
ہ بڑا مخلص دشمن ہے دشمنی ختم نہیں کرتا شاید اسی لیے دشمن کو ختم نہیں کرتا۔

# تھانیدار صحافی

دور سے تھانیدار قریب سے صحافی اور گھڑی پاس بیٹھ جائے تو کچھ بھی نہیں لگتا۔ ا
اسے الٹا ہو کر دیکھیں تو بڑا سیدھا سادہ آدمی ہے۔ اسے بچپن ہی سے صحافی بننے کا اس قد
شوق تھا کہ امتحان میں سب سے پہلے وہ سوال حل کرتا جس میں ہوتا کہ فلاں کی تعریف
کرو۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق (یاد رہے مصدقہ اس کی مونث نہیں) ہر وقت ہوٹل
میں رہتا ہے صرف اس وقت باہر آتا ہے جب کھانا کھانا ہو۔ قمیض کی جیبیں اتنی بڑی
بھرا ہوا ہو تو پھر بھی کھانے کی تقریبات میں شرکت کر سکتا ہے۔ دکھاوے کا بالکل قائل
نہیں۔ اپنے آپ کو اس قدر چھپا کر رکھتا ہے کہ کیا مجال گفتگو اور حرکات سے پتہ چلنے دے کہ
وہ پڑھا لکھا ہے۔ ہمارے ہاں صحافیوں کو اگر کچھ آتا ہے تو وہ صرف غصہ ہے اسے یہ بھی
نہیں آتا۔ ہنستا ہوا لگتا ہے پنجابی فلم کی ڈبنگ کرا رہا ہے یا کسی نے بے خیالی میں سکوٹر کو کک
دے ماری ہے۔ آواز ایسی کہ ٹیلیفون کر رہا ہو تو دوسرا کہتا ہے یار ٹیلیفون بند کرو تمہاری آواز
پہنچ رہی ہے۔

اس نے لطیفوں کی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے یہ اس کا بڑا حوصلہ
ہے کیونکہ اپنے بارے میں سچ لکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ لکھتے وقت وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتا
یہاں تک کہ اپنا لحاظ بھی نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے کیا لکھا ہے؟ خود اعتمادی اس قدر ہے
ہر موضوع پر غلط رائے دے سکتا ہے۔ "آرٹس نامہ" لکھتا ہے جو اکثر مارشل آرٹس نامہ ہوتا
ہے۔ ٹی وی پروگراموں پر تبصرے بھی لکھتا ہے بلکہ تبصرے ہی لکھتا ہے۔ ٹی وی والے اس
کے اس قدر خلاف ہیں کہ ان کا بس چلے تو اسے دوبارہ وہی پروگرام دکھائیں۔

سارا دن دوسروں کا حال یوں پوچھتا پھرتا ہے جیسے عیادت کر رہا ہو۔ دن میں اگر



اس سے ملو تو وہ ہر بار یوں ملے گا جیسے برسوں بعد مل رہا ہے اور برسوں بعد یوں ملے گا
جیسے روز ملتا آ رہا ہو۔ ہر کسی کو برابری کی سطح پر ملتا ہے یہاں تک کہ مانگنے والوں کو بھی
برابری کی سطح پر ملتا ہے۔ اندر بیٹھا کسی سے گفتگو کر رہا ہو تو باہر والے سمجھتے ہیں اندر جلسہ
ہے۔ سنجیدہ بات کرے تو لگتا ہے جھوٹ بول رہا ہے۔ کوئی بات اچھی لگے تو قہقہہ
ہے' اگر کوئی بات بری لگے تو پھر بھی قہقہہ لگاتا ہے اسی لیے کبھی پتہ نہیں چلا کون سی
اسے اچھی لگی' کون سی بری۔

وہ ایک کثیر القلت پرچہ بھی نکالتا ہے جس کا مدیر' رائٹر' پروف ریڈر' ہاکر یہاں تک کہ
اس کا دفتر بھی وہ خود ہی ہے۔ اس پرچے پر زیادہ سے زیادہ پرچہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ کہتا ہے
میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں صحیح کہتا ہے پرچوں سے بھرا بریف کیس اٹھا اٹھا کر اس کے ہاتھ
لمبے ہو گئے ہیں۔

خوش مذاق ہے یعنی خود ہی مذاق کرتا ہے اور خود ہی خوش ہوتا ہے۔ باتیں کرتے
وقت ہاتھ ملتا رہتا ہے اور ہاتھ ملنے کی رفتار سے پتا چلتا ہے کہ وہ لڑکی سے باتیں کر رہا ہے
یا کسی کے سے۔

لڑکیوں کو یوں دیکھتا ہے جیسے آنکھوں سے ان کا ایکسرے کر رہا ہو۔ لڑکی دیکھتے ہی اس
بے عزت ہونے کو چاہنے لگتا ہے۔ اگر وہ کسی لڑکی کو آواز دے اور وہ نہ آئے تو سمجھ لیں
نے اس کی آواز سن لی ہے۔ آج تک میں نے ایسی عورت نہیں دیکھی جسے وہ ناپسند
سکے۔ جیسے ڈاکٹروں کو تندرست آدمی اچھے نہیں لگتے۔ صحافیوں کو نارمل حالات اچھے
لگتے لیکن اسے دوسروں کو نارمل دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ چلو دوسرے تو نارمل ہیں۔

اس کا سکوٹر اس کا ہم راز و ہم آواز ہے۔ سکوٹر ساتھ نہیں ہوتا تو لگتا ہے گھر سے ننگا ہی
آیا اور اگر وہ راستے میں خراب نہ ہو تو گھبرا کر دیکھنے لگتا ہے کہ کہیں یہ کسی اور کا تو نہیں۔
پر یوں بیٹھتا ہے جیسے گھوڑے پر بیٹھا ہو۔ اسے بریکوں کی بجائے پاؤں سے روکتا ہے اسی
اگر کہے کہ وہ بریکیں ٹھیک کرانے جا رہا ہے تو سمجھ لیں جوتوں کو تلے لگوانے جا رہا ہے۔

اپنے سارے کام خود کرتا ہے یہاں تک کہ اپنی تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔ البتہ
دوستوں کو سستی شہرت دیتا ہے جو انہیں مہنگی پڑتی ہے۔ زندگی یوں بتا رہا ہے جیسے کسی اور کی
اپنے گھر اتنی مدت کے بعد جاتا ہے کہ گھر والے دروازہ کھول کر پوچھتے ہیں جی! کس سے

ملنا ہے؟ خوشحال ہے یعنی اپنے حال پر خوش ہے۔ کسی کا بُرا نہیں سوچتا اگر کسی کا برا کر
یقین کرلیں سوچنے والا پیچھے کوئی اور ہے۔

کھیلوں میں اسے ہارنا سب سے اچھا لگتا ہے۔ میرے نزدیک ہارنے والا جیتنے والے
کہیں زیادہ قابل احترام ہے کہ جیتنے والا دوسرے کو دُکھ دیتا ہے جبکہ ہارنے والا دوسر
خوشیاں یہ اس کی شخصیت کا وہ روشن پہلو ہے جس کی روشنی میں مجھے دور دور تک کوئی
نہیں آتا۔ وہ کیرم کھیلتا ہے۔ شطرنج اس لیے نہیں کھیلتا کہ اس میں سوچنا پڑتا ہے اور کیر
میں اس کی ساری کوشش مخالف کو جتانے کی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کو خوش دیکھنا پا
ہے۔ اپنی جیت پر خوش ہوتے تو میں نے ہر کسی کو دیکھا ہے اپنی ہار پر خوش ہوتے صرف اس
کو دیکھا ہے جو دوسروں کی خاطر ہار سکتا ہے۔ اس سے اچھا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑے
مقدر والے ہیں جن کا ایسا دشمن ہے۔



# سی می

کہتے ہیں بچوں میں بس ایک ہی برائی ہے کہ وہ بچے نہیں رہتے۔ لڑکی بڑی ہو جائے تو
ین کو یہ ڈر لگ جاتا ہے کہ اب وہ اس گھر سے رخصت ہو جائے گی اور لڑکا بڑا ہو تو یہ ڈر
ب وہ اس گھر سے رخصت کر دے گا۔ لیکن سیمی وہ بچی تھی جو ہمیشہ بچی رہی اس کے اصل
تو مجھے علم نہیں مگر وہ ہر کسی کو یوں دیکھتی جیسے کہہ رہی ہو سی می!

اگر لفظ محبت کی تصویر بنائی جائے تو ہو بہو سیمی جیسی ہو گی وہ چار برس میرے کمرے
ہی اور مسکراتی رہی۔ مسکراہٹ محبت کا پہلا لفظ اور بچے کی مسکراہٹ اس دنیا کا پہلا سچ
تگو کا سہارا تو انسان نے جھوٹ بولنے کے لیے لیا اسی لیے بچہ مسکرانا تو پیدا ہوتے ہی
جاتا ہے مگر اسے بولنا سکھانا پڑتا ہے۔ یوں بھی یہ دنیا قائم ہی بچوں کے استقبال کے لیے
۔ جس دن کسی نئے آنے والے بچے کا دنیا کو انتظار نہ رہا اس دن یہ دنیا نہ رہے گی۔ سیمی
ے کمرے میں آنے والے ہر شخص کا مسکرا کر یوں استقبال کرتی جیسے اسی کا انتظار کر رہی
آپ کمرے میں جہاں بھی بیٹھتے یہی لگتا کہ آپ ہی کو دیکھ رہی ہے۔ بلکہ ہر کوئی یہی سمجھتا
رف اسے دیکھ رہی ہے۔

اس سے پہلے اس کمرے میں جو سٹوڈنٹ رہتا تھا اس نے کمرے میں اتنی تصویریں لگا
تھیں کہ کوئی تصویر بھی دوسری تصویر کو دیکھنے نہ دیتی۔ ایسے ہی جیسے قوالی میں بہت سے
والے مل کر یوں گاتے ہیں کہ ایک دوسرے کو گانے نہیں دیتے۔ تصویریں ایسی تھیں
ھنے والے کا دایاں پاؤں وہاں پڑتا جہاں اس کا بایاں پڑنا چاہیے۔ وہ کہتا میں نے کمرے میں
یریں اس لیے لگائی ہیں کہ سنا ہے جہاں ایسی تصویریں ہوں وہاں فرشتہ نہیں آتا اور
م از کم یہ تو نہیں بتاتا کہ ہم یہاں کیا کرتے ہیں۔ ان میں اکثر لڑکیوں کی تصویریں زندہ

لگتیں یعنی وہ ایسے ہی دیکھ رہی تھیں جیسے زندہ لڑکیاں اسے دیکھتی ہیں یعنی بادل نخواستہ۔ ا
میں ایک انڈین ایکٹریس کی تصویر تھی۔ جس کا صرف سرپانی سے باہر تھا یوں لگ رہا تھا ج
اس نے تالاب پہن رکھا ہو اور وہ ڈبونے والی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

ایک خاتون تصویر میں انگریزی گانا یوں گا رہی تھی کہ دیکھنے والے کے ہاتھ فوراً کانو
تک پہنچ جاتے۔ اس نے ایک مرد کو پہن رکھا تھا صرف وہی حصے نظر آرہے تھے جہاں م
نے حصہ نہیں لیا تھا۔ گانا گاتے وقت اس خاتون کے چہرے پر وہی کرب تھا جو ہمارے ا
سننے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے۔ میرے دوست ''ف'' کو انگریزی نہیں آتی مگر ا
انگریزی گانے بہت پسند ہیں۔ کہتا ہے اس کا یہ فائدہ ہے کہ بندہ تمام انگریزی گانوں سے ا
جیسا لطف اندوز ہوتا ہے۔ یوں بھی انگریزی گانوں میں یہ خوبی ہے کہ گانا سمجھ میں آ
آئے گانے والی سمجھ میں آجاتی ہے۔ انگلش میوزک اور مشرقی پکے راگوں میں یہ فرق ہ
انگلش میوزک بجانے والے خود اچھلتے کودتے ہیں۔ ان کا خون کھول رہا ہوتا ہے۔ جبکہ
راگ سنانے والے خود تو آرام سے بیٹھے ہوتے ہیں باقی کام سننے والے کر رہے ہوتے ہیں

ایک تصویر میں مرد، عورت کو بڑی شیرخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھ
سے لگتا تھا اس نے آنکھوں میں سرمے کی بجائے لپ اسٹک لگا رکھی ہے۔ دونوں میاں
لگتے مگر ''ف'' کہتا میاں بیوی ہیں مگر میاں کسی کا ہے اور بیوی کسی اور کی کیونکہ ہمارے
عورت اپنے مرد کو اس وقت تک اتنے غور سے نہیں دیکھتی جب تک اس پر شک نہ ہو۔

اس کمرے میں ایک خاتون کی بہت بڑی تصویر بھی تھی جسے ''ف'' ایک خواتین ک
ہم خواہ تین کی تصویر کہتے۔ وہ برتھ ڈے سوٹ میں تھی یعنی اس کے جسم پر دیکھنے والو
آنکھوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لڑکے ان انگریزی تصویروں کو ہیجے کر کر کے دیکھتے۔ پھر ایک
ہوسٹل وارڈن نے اس کمرے پر چھاپا مارا اور لڑکے کو ہوسٹل سے نکال دیا البتہ تصویریں
رہیں پھر جب میری اس کمرے میں الاٹ منٹ ہوئی میں نے یہ تصویریں کمرے سے ا
اتار لیں۔ انہی دنوں میں نے سیمی کو انارکلی میں دیکھا تو مجھے لگا میں نے اسے پہلی بار د
بھی دیکھا ہے اور یہ تصویر لا کر کمرے میں لگا دی ''ف'' کہتا ''اس تصویر کی موجودگی میری
کی وجہ سے ہے کہ بڑھاپے میں بچے ہی اچھے لگتے ہیں۔ اس عمر میں تو دل بھی اس عور
آتا ہے جو بچوں والی ہو۔'' ٹھیک کہتا ہے بڑھاپا دو عمروں کے فرق کا نام ہے۔ ہم عمر جس



کے بھی ہوں جب ملیں گے ان میں کوئی بوڑھا نہ ہوگا۔ سیمی کی موجودگی میں واقعی میرے اندر ایک باپ پیدا ہو گیا تھا۔ سیمی کے ہاتھوں کا رنگ ایسا تھا جیسے دودھ میں شہد ملا ہو اور چہرے کا رنگ ایسا جیسے شہد میں دودھ ملا ہو۔ یوں شرارتی انداز سے مسکراتی جیسے ابھی کھلکھلا کر ہنس دے گی اور آدمی بے اختیار اس کی ہنسی کا انتظار کرنے لگتا۔

میں اس کی تصویر دیکھتا تو مجھے اپنا چہرہ نظر آتا۔ آئینہ دیکھتا تو اس کی تصویر نظر آتی سارا کمرہ اس کے چہرے سے بھرا رہتا یوں بھی بچے تو پاؤں سے لے کر سر تک چہرہ ہی چہرہ ہوتے ہیں۔ میں اس کو مسکراتا ہوا دیکھ کر مسکراتا تو یوں لگتا جیسے اس سے گفتگو ہو گئی ہو۔

ایک روز سیمی مجھ سے دور ہو گئی۔ وہ دوست جس کی غلطی کی وجہ سے یہ تصویر پھٹی تھی اسے میری حالت کا پتا چلا تو اگلے دن کاغذ میں لپٹی ایک تصویر لے کر میرے پاس آیا کہنے لگا ''یہ سب میری وجہ سے ہوا سو میں اسی انگریز ایکٹریس کی تصویر تمہارے لیے خرید کر لایا ہوں بچپن کی تو یہ مل نہ سکی تاہم تمہاری فیورٹ کی تازہ تصویر حاضر ہے۔ یہ رہی تمہاری سیمی!'' میں نے تصویر دیکھی اس میں ایک عورت سیمی ہی کے کپڑے پہنے کھڑی تھی صاف لگ رہا تھا اس نے کسی بچی کے کپڑے پہن رکھے ہیں وہ یوں دیکھ رہی تھی جیسے کچھ دیکھ نہیں رہی دکھا رہی ہے۔ میں نے دوست کو یہ کہہ کر تصویر واپس کر دی کہ میری سیمی تو بچی تھی۔

# سفری شہزادہ

لمبے روٹ پر چلنے والی بسوں پر سفری شہزادہ لکھا ہوتا ہے اور اگر وہ نہ "چلتی" ہوں تو غیور ڈرائیور اس پر شہزادی لکھتے ہیں۔ شفیق سلیمی بھی سفری شہزادہ ہے۔ اس وقت رکتا ہے' جب غزل سنانا ہو۔ بیرون ملک مقیم شادی شدہ شاعر جب واپس گھر آتے ہیں تو آتے ہی ان کا دوسرا کام یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو شعر سناتے ہیں۔ اسی لیے شفیق سلیمی سے پوچھو کہ کب آؤ گے؟ تو کہے گا انشاءاللہ اگلی غزل پر۔

کہتا ہے۔ "میں "روزی" کی تلاش میں ابوظہبی گیا۔" مگر اس انداز سے کہتا ہے کہ اچھے خاصے شخص کو بھی "روزی" کے کردار پر شک ہونے لگتا ہے۔ بال بچوں اور بچے بالوں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے "میں پاکستان آتا ہی بچوں سے ملنے کے لیے ہوں۔" شاید اسی لیے جب بھی آتا ہے قائم نقوی اور علی اصغر کو ضرور ملتا ہے۔ ہر خاتون کو یوں دیکھتا ہے جیسے اس کی کچھ لگتی ہو جب کہ اجمل نیازی ہر خاتون کو یوں دیکھتا ہے جیسے اس سے کچھ لگتی ہو۔ ابوظہبی میں جب سے بچوں کو پڑھانے لگا ہے' یہ فرق پڑا ہے کہ اب بچوں کو ان کی مائیں سکول چھوڑنے خود آنے لگی ہیں۔

وہ اداکار بھی ہے اس لیے لباس پہننے میں احتیاط برتتا ہے۔ اگر اداکارہ ہوتا تو لباس پہننے سے احتیاط برتتا۔ ایسی ہی ایک اداکارہ نے ڈاکٹر کو کہا کہ انجکشن ایسی جگہ لگائیں کہ کسی کو اس کا نشان نظر نہ آئے تو ڈاکٹر نے کافی دیر سوچ و بچار کے بعد انجکشن چمچ میں ڈال کر اسے دے دیا۔ شفیق سلیمی اچھا اداکار ہے۔ اس نے بغیر کسی ریہرسل کے خاوند کا رول کیا اور ابھی تک کر رہا ہے۔ جب کہ ہم جیسے تو ابھی تک ریہرسلیں کر رہے ہیں۔ دن میں ایک بار ضرور نہاتا ہے' جس دن کسی شاعر ادیب سے نہ ملے اس دن بھی نہا لیتا ہے۔ اسے تو صفائی اس قدر پسند



ہے کہ کالج کے زمانے میں اس نے ایک ڈرامے میں شاعر کا رول کیا مگر ہر سین میں وکیل صفائی ساتھ رکھا۔

خوش لباس ہے۔ صحافی سوٹ بھی پہنتا ہے' یاد رہے صحافی سوٹ وہ ہوتا ہے جس میں جیبیں اتنی بڑی ہوں کہ پیٹ بھرا ہو تو پھر بھی بندہ کھانے کی تقریبات میں شرکت کر سکے۔

شفیق سلیمی سرگوشیوں میں بات کرتا ہے۔ اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ دوسرا آپ کی بات پر فوراً یقین کر لے تو وہی بات سرگوشی میں کریں' دوسرا فوراً یقین کر لے گا۔ اسی لیے جب کوئی جوڑا بیٹھا سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے تو وہ دراصل ملک سے بے یقینی کا خاتمہ کر رہا ہوتا ہے۔

اسے نوکریاں چھوڑنے کا بہت شوق ہے۔ وہ تو اس جگہ نوکری کرتا ہی نہیں' جہاں سے چھوڑ نہ سکے۔ شادی پتہ نہیں اس نے کیسے کر لی۔ خالد احمد کے ساتھ مل کر فنانس کمپنی میں بھی کام کیا' اس قدر محنت کی کہ فنانس نہ رہا اور کمپنی رہ گئی۔

شفیق سلیمی دل کا مریض ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں نے اسے ورزش کرنے اور عبدالعزیز خالد کی شاعری پڑھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ابوظہبی میں دوستوں کی یوں خاطر کرتا ہے کہ لگتا ہے شفیق سلیمی کے ہاں سے تیل نکلتا ہے۔ یہ ہے بھی ٹھیک دوستوں کی وجہ سے اکثر اس کا تیل نکلتا رہتا ہے۔ اسے خوبصورتی سے پیار ہے جب کسی خوبصورت چہرے کو دیکھنا چاہے تو آئینہ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ ہم نے آج تک لوگ اللہ کو پیارے ہوتے ہی دیکھے ہیں خود کو پیارا ہوتے صرف شفیق سلیمی ہی کو دیکھا ہے۔

# ہیوی ویٹ ہیروئین

ہیوی ویٹ ہیروئن بلاشبہ بڑی سکرین کی سب سے بڑی ہیروئن ہے اتنی بڑی کہ سکرین بعد میں نظر آتی وہ پہلے نظر آجاتی ہے۔ڈیل ڈول ایسا کہ بندہ ڈول جائے ایک بار ایک بچہ اسے کافی دیر سے دیکھ رہا تھا تو اس کا باپ تنگ آکر کہنے لگا بیٹا جتنی آج دیکھ سکتے ہو دیکھ لو باقی کل آکر دیکھ لینا۔

اردو اور پنجابی فلموں کا فرق ان کی ہیروئینوں سے ظاہر ہے ہمارے ہاں اردو کی سب سے بڑی ہیروئن بھی اتنی بڑی ہے کہ جب تک اسے کلوز میں نہ دکھایا جائے نظر نہیں آتی جبکہ پنجابی اور پشتو کی ہیروئن کا کلوز لیا جائے تو اس کا کچھ ہی حصہ نظر آتا ہے۔یہ کون سا حصہ ہے یہ اس پر منحصر ہے کہ فلم پنجابی ہے یا پشتو۔ان ہیروئنوں کی سنگل تصویر بنوائی جائے تو بنانے والا گروپ فوٹو کے پیسے مانگتا ہے تاہم ایسی ہیروئنوں کی وجہ سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ کمزور نظر اور نیت والے آدمی بھی فلمیں دیکھنے لگے ہیں۔

ہماری ہیروئینیں مغرب سے کسی طور پر کم نہیں وہ دیکھنے میں پھول ہیں' تو یہ پورا گملا' وہ کھانسی رہی ہوں تو لگتا ہے ہنس رہی ہیں یہ ہنس رہی ہوں تو لگتا ہے کھانس رہی ہیں۔لیکن ہیوی ویٹ ہیروئن ہنس رہی ہو تو لگتا ہے ڈانٹ رہی ہے ایسے ہی جیسے شوکت علی گا رہا ہو تو لگتا ہے دھمکیاں دے رہا ہے۔لیکن ہیوی ویٹ ہیروئن جب مسکرا رہی ہو تو دوسرا یہی سمجھتا ہے بلا رہی ہے۔

پنجابی فلم کا ہیرو بول رہا ہو تو اس کی آواز صاف سننے کے لیے لوگوں کو دور دور ہونا پڑتا ہے لیکن ہیروئن بولے تو قریب آنا پڑتا ہے تاکہ پتا چل سکے کہ بول رہا ہے یا بول رہی ہے۔

اداکارہ شبنم کی آواز سوز ہے تو ہیوی ویٹ ہیروئن کی ساز۔ شبنم ڈائیلاگ بولتے لگتی



ہے حالت نزع میں بیان دے رہی ہے۔ سسکیاں لیتی ہوئی بولتی ہے اگر غمی کا سین ہو تو سسکی کے بعد لفظ ادا کرتی ہے اور اگر خوشی کا سین ہو تو لفظ کے بعد سسکی ادا کرتی ہے جبکہ ہیوی ویٹ ہیروئن ہر وقت ہنستی رہتی ہے۔وہ بھی یوں کہ ہنسنے سے ایک منٹ پہلے اس کا جسم ہلنا شروع ہو جاتا ہے۔اور ہنسنے کے ایک دو منٹ بعد تک ہلتا رہتا ہے البتہ رو رہی ہو تو لگتا ہے پورا محلہ رو رہا ہے۔

انجمن کا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جہاں پیدا ہوتے ہی بچوں کو سب سے پہلے روح افزا ملتی ہے۔دولت اتنی تھی کہ گنتی بھی نوٹوں پر یاد کی۔اس کے خاندان نے جو شہرت ہیرا منڈی جا کر حاصل کی تھی وہ اس نے بن بیاہے دلوا دی۔اس کے اداکارہ بننے کی تین وجوہات ہیں ایک یہ کہ فن کی خدمت کرنا چاہتی تھی' دوسری یہ کہ اپنی خدمت کرانا چاہتی تھی اور تیسری یہ کہ اس کے خاندان میں لڑکیاں بڑی ہو کر یہی کچھ کرتی ہیں۔

کوئی عمر پوچھے تو اپنی فلموں کی تعداد بتا کر باتوں میں لگا لیتی ہے۔خوش مذاق ہے یعنی اپنے مذاق پر بہت خوش ہوتی ہے۔ بزرگوں کی عزت کرتی ہے اس لیے جس کے ساتھ عزت سے پیش آئے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اسے اپنا بزرگ سمجھ رہی ہے۔

آنکھوں کو شامل کر کے چار زبانیں بولتی ہے۔اور دنیا کی ہر زبان میں "ہاں" کہہ لیتی ہے۔گھر میں مادری زبان بولتی ہے فادری اس لیے نہیں کہ ماں کے ہوتے ہوئے باپ کو بولتے ہوئے کب کسی نے سنا ہے۔مادری زبان صرف اپنوں سے بولتی ہے یہاں تک کہ غیروں کو تو اس زبان میں گالی بھی نہیں دیتی۔ہماری ہیروئنیں خوشی غمی ہر دو موقعوں پر گالیاں ہی دیتی ہیں وہ بھی ایسے جیسے ان کی ڈرامائی تشکیل کر رہی ہوں۔لیکن جیسے فقیر اور انگریزی کی گالی ہمارے ہاں گالی ہی نہیں سمجھی جاتی۔اردو کی گالی گالی کم اور تکیہ کلام زیادہ لگتی ہے۔ملتانی میں گالی دینے والا تو لگتا ہے گزارش کر رہا ہے۔ہاں پنجابی میں گالی اتنی ہیوی ہوتی ہے کہ تین چار قتل کروا سکتی ہے۔اسی لیے وہ غیروں کو پنجابی میں گالی دیتی ہے البتہ کسی کی عزت کرنا ہو تو اردو میں کر لیتی ہے۔

جہاں تک سراپے کا تعلق ہے چھوٹا سامنہ جسے دیکھ کر بندہ اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے' ٹھینگا دکھاتی ناک' تھوڑی بہت تھوڑی' بولتی آنکھیں' سن گن لیتے کان' جو قیمتی زیورات لٹکانے کے خوبصورت ہینگر ہیں میک اپ میں ظالم' میک اپ کے بغیر مظلوم' رنگ ایسا کہ پاس بیٹھنے والی کو

لوگ "گوری" کہنے لگتے ہیں۔ چال ایسی کہ پتہ چل جاتا ہے کہ کہاں سے آئی اور کہاں جا رہی ہے۔ آ رہی ہو تو لگتا ہے دو سمارٹ عورتیں جا رہی ہیں۔ اوقات ملاقاتی کی اوقات کے مطابق جسے سزا دینا چاہیے اسے ہنس کر دیکھ لیتی ہے اور وہ کئی دن تک سو نہیں سکتا۔

اس کی صحت کا راز کھانے میں نہیں گھرانے میں ہے اس کے گھر جا کر موٹے سے موٹا شخص بھی خود کو پتلا سمجھنے لگتا ہے۔ وہ پینٹ پہن لے تو لگتا ہے دریا کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ لاہور کی آب و ہوا اسے ایسی راس آئی کہ ہر سال اسے وزن کم کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جب تک چپ رہے معزز لگتی ہے بولنے لگے تو سننے والے خود کو معزز سمجھنے لگتے ہیں۔

فلمی زندگی کا آغاز "خوفناک" فلم میں دو سین کر کے کیا پھر اردو فلمیں کیں اور ناکامیاب رہی تاہم شباب کیرانوی مرحوم نے ایسا نام ضرور دے دیا جو اس کے پورے رقبے کا احاطہ کر سکے۔ مذہب سے اس قدر لگاؤ ہے کہ جب بھی باہر گئی عرب ممالک میں ہی گئی ہر وہ نام پسند ہے جو سلطان سے شروع ہو۔

فلموں میں پنجاب کا ایئرکنڈیشن لباس پہنتی ہے۔ رقص کر رہی ہو تو لگتا ہے ورزش کر رہی ہے۔ اداکاری ایسی کہ اس کی ہر ادا' کاری ثابت ہوتی ہے۔ اس وقت سٹوڈیو میں اس کے اتنے فین ہیں کہ فلم انڈسٹری فینز انڈسٹری لگتی ہے۔ جس سے پوچھو ہیوی ویٹ ہیروئن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کہے گا اسی کا خیال ہے۔ وقت کی قدر کرتی ہے' وقت نے بھی اس کی قدر کی ہے خدا اسے مزید بڑھاپے' موٹاپے اور اکلاپے سے بچائے۔

# ڈاکٹر موت

اگرچہ ڈاکٹر موت اور موت میں یہ فرق بھی ہے کہ موت آتی ہے اور ڈاکٹر موت آتا ہے لیکن اسے ڈاکٹر موت اس لیے کہتے ہیں کہ جس طرح کسی کو یہ پتا نہیں موت کب آنی ہے؟ ایسے ہی کوئی نہیں جانتا۔ اس نے کب ڈاکٹر بننا ہے۔ وہ ریاست پٹیالہ کے نواب خاندان سے ہے۔ ریاست ہندوستان میں رہ گئی اب اس کے پاس لے دے کے پٹیالہ ہی بچا اسی لیے وہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پٹیالہ بلاک میں پھرتا رہتا ہے۔ گرتے پڑتے قدموں اور یہی کچھ کرتی پینٹ کو تھامے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہوتا ہے جیسے ابھی کسی دیوار کی اوٹ میں ہو جائے گا۔

وہ ڈاکٹر انور سجاد کا کلاس فیلو تھا بس انور سجاد ذرا مشہور ہو گیا ورنہ دونوں میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ انور سجاد کے افسانے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے اور ڈاکٹر موت خود کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کا معاشرے میں وہی کردار ہے جو سرحدی گاندھی کا سیاست میں تھا۔ سرحدی گاندھی باتیں زبان کی ورزش کرنے کے لیے کرتا' اسی لیے اس کی باتیں سن سن کر لوگوں کو اکثر پسینے آتے رہتے مگر پنجاب کا یہ عبدالغفار زبان کو صرف چپ رہنے کے لیے استعمال کرتا ہے لیکن جمہوریت کے اس قدر حق میں ہے کہ جس کلاس میں زیادہ لڑکے جا رہے ہوں اسی کلاس میں چلا جاتا ہے' کہتا ہے سیاست شریفوں کا کھیل نہیں' اپنے سوا کسی کو سیاست دان نہیں مانتا۔

علم حاصل کرنا عبادت ہے شاید اسی لیے آج کل اس کا اجر اس دنیا میں نہیں ملتا۔ ڈاکٹر موت نے پالنے سے پالنے پوسنے کی عمر تک صرف یہی عبادت کی ہے اگرچہ اب وہ عمر کے اس حصے میں ہے جہاں بندہ اپنی عمر بھی بھول جاتا ہے مگر اسے اب بھی پڑھائی کا شوق ہے۔ اس وقت تک کلاس میں بیٹھا رہتا ہے' جب تک کوئی بتلا نہ دے کہ لیکچر ختم ہو گیا۔ پچیس سال

فائنل ایئر میں رہنے کا ریکارڈ بنا کر وہ پھر فورتھ ایئر میں آگیا ہے کیونکہ پہلے پتھالوجی کا امتحان
فائنل ایئر میں ہوتا تھا اب فورتھ ایئر میں ہونے لگا ہے اسی لیے آج کل دونوں میں سے ہر
کلاس ملتی ہے "سن" لیتا ہے اور وہ بھی اس انہماک سے جیسے شرفا گانا سنتے ہیں بلکہ کہتے ہیں
جس پروفیسر سے ناراض ہوتا ہے اس کی باقاعدگی سے سننے لگتا ہے۔

ڈاکٹر موت تاریخ کا معمر ترین لڑکا ہے کیونکہ لڑکیاں تو کالج میں آتے ہی خواتین بن
جاتی ہیں شاید اسی لیے لکھا ہوتا ہے "کالج برائے خواتین" جبکہ لڑکے کالجوں میں آکر بھی
لڑکے ہی رہتے ہیں اسی لیے ان کالجوں کو "بوائز کالج" ہی کہا جاتا ہے اور جب VIVA کے
وقت اس کی باری پر چوکیدار کہتا ہے اگلا "لڑکا" اندر جائے تو عبدالغفار کے پیسے پورے
ہو جاتے ہیں۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے وہ اسی فقرے کو سننے کے لیے تو امتحان دیتا ہے۔
ایک بار ممتحن نے اس سے پوچھا اگر تمہارے پاس ایسا مریض آئے جس کی حادثے میں بازو
اور ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں تو تم کیا کرو گے؟ ڈاکٹر موت نے وقت ضائع کیے بغیر کہا
"میں اسے کسی اور ڈاکٹر کو ریفر کردوں گا۔" اسے پڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ کمرہ امتحان
میں لڑکے لکھ رہے ہوتے ہیں اور یہ پرچہ پڑھ رہا ہوتا ہے۔

اس کا رنگ ایسا کہ ذرا کالے کپڑے پہن لے تو لگتا ہے آج ننگا ہی کالج آگیا ہے۔ چہرے
پر ہمیشہ میل اور عینک اوڑھے رکھتا ہے عینک کے شیشے اتنے موٹے ہوتے ہیں جیسے سردی
سے بچنے کے لیے لگا رکھی ہے/ شخصیت ایسی کہ جس کے پاس آکر رک جائے وہ جیب سے
ٹوٹے پیسے ڈھونڈنے لگتا ہے کچھ کہہ دے تو آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ تو بولتا بھی ہے۔ اس
کی چال کچھوے کی اور چال چلن خرگوش کا ہے یعنی آہستہ آہستہ چلتا ہے مگر سو سو کر بلکہ جب
تک آپ رک نہ جائیں پتا نہیں چلتا کہ وہ چل رہا ہے۔

"سیلف میڈ" آدمی ہے یعنی اس نے اپنے آپ کو بگاڑنے میں کسی سے مدد نہیں لی ہر
فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے یہاں تک کہ جہاں سے سڑک دو میں تقسیم ہو وہاں کھڑا ہو کر
پہلے فیصلہ کرتا ہے کہ کس طرف کو جانا ہے پھر قدم اٹھاتا ہے۔ اپنی گردن آہستہ آہستہ اس
احتیاط سے موڑتا ہے جس احتیاط سے لوگ پرائی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔

اس کے لباس کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس جتنے کپڑے ہوتے ہیں
اس نے پہن رکھے ہوتے ہیں اور چلتے وقت یوں لگتا ہے جیسے کوئی قد آور ہینگر پرانے کپڑے



ائے پھر رہا ہو۔ ان کپڑوں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مزید میلے نہیں ہو سکتے۔
عبدالغفار اپنے ہم عمروں کو بہت پسند کرتا ہے شاید اسی لیے اس کے کپڑے اور
ئیکل بھی اس کے ہم عمروں میں سے ہیں۔ اس کی سائیکل "چور پروف" ہے وہ سائیکل پر
ملوب کالج آتا ہے۔ قانون کا اس قدر احترام کرتا ہے کہ سرخ بتی پر فوراً سائیکل کو لٹا کر
دکپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بتی سبز ہوتی ہے تو سائیکل پر دوبارہ سوار ہونے لگتا ہے
ب تک وہ دوبارہ سوار ہوتا ہے بتی پھر سرخ ہو چکی ہوتی ہے یوں بھی اسے سرخ رنگ سے
ت پیار ہے۔ سرخ رنگ سب کو اچھا لگتا ہے بشرطیکہ نوٹ کا ہو۔

کالج میں ہمیشہ ایک تھیلا کاندھے پر لٹکائے رکھتا ہے جس کی وجہ میرا دوست "ف" یہ
تا ہے کہ اس کے گھر تھیلا لٹکانے کی اور جگہ نہیں۔ تھیلے میں ایک کنگھی اور اس کی اپنی لکھی
ئی کتابیں ہیں یعنی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی جو اس قدر سیاہ ہیں کہ کتابیں کم اور کرتوتیں
دہ لگتی ہیں۔ کنگھی اس قدر ضعیف ہے کہ شاید ہی اس کے منہ میں کوئی دانت ہو۔ پان کھا
کر دانتوں کی یہ حالت ہے کہ آپ انہیں دانتوں کے علاوہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اونچا سنتا
ہے نہ بولتا ہے بس اونچا سمجھتا ہے۔ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے یعنی جس بات پر مرضی
س دے جس پر مرضی بُرا منا لے۔ بعض اوقات اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ جاتا ہے کہ
آپ اس کی بات پر ہنسے نہیں اور کبھی اس پر کہ آپ اس کی بات پر ہنسے کیوں؟

لڑکیوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جس سے وہ اسے دیکھتی ہیں یعنی بادل نخواستہ عورت کا
ذکر کرو تو چپ ہو جاتا ہے اس چپ کے پیچھے کتنی عورتوں کی باتیں ہیں کسی کو نہیں بتاتا مگر
میرا دوست "ف" کہتا ہے شرط لگا سکتا ہوں وہ کسی عورت کے تعاون کے بغیر اس حالت کو
نہیں پہنچ سکتا۔ وہ نشہ بھی کرتا ہے بلکہ نشہ ہی کرتا ہے مگر ایسا وضع دار کہ چاہے دو دن سے
نشہ نہ کیا ہو پر کیا مجال کسی کو پتا چلنے دے کہ اس نے نشہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر موت ترقی پسند ہے
ظاہر ہے ترقی کو پسند ہی کر سکتا ہے۔ ایک زمانے میں ریگل چوک میں ترقی پسندوں کے پوسٹر
بھی بانٹا کرتا تھا مگر دکھاوے کا قائل نہ تھا۔ ساری ساری رات پوسٹر لیے کھڑا رہتا جونہی کوئی
آدمی نظر آتا وہ فوراً چھپ جاتا کہ کہیں کوئی اسے پوسٹر بانٹتا نہ دیکھ لے۔ وہ کسی کو آرڈر نہیں
دے سکتا اسی لیے کینٹین پر بیٹھا ہوا پاس والے کو کہے گا ذرا چائے کا آرڈر تو دینا۔ سگریٹ خود
خرید کر نہیں پیتا کہتا ہے خود خرید کر پینے سے یہ زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

جس طرح اہلِ امریکہ نے آزادی کے مجسمے کو ایک جزیرے میں قید کر رکھا ہے ایسے ہی عبدالغفار علم کا وہ مجسمہ ہے جس کو چھو کر ہزاروں اہلِ علم تو گزرے ہیں مگر علم چھو کر نہیں گزرا۔ وہ وہیں ہے جہاں پچیس سال پہلے تھا یہی اس کا اعزاز ہے۔ کہتے ہیں ڈاکٹر بننا اس کی ضد ہے لیکن مجھے تو لگتا ہے ڈاکٹر نہ بننا اس کی ضد ہے۔



# عباس-تا-بش

عباس تابش کو عباس-تا-بش کہنا ایسا ہی ہے جیسے عباس تا "آسمان" کہنا۔ پھر بش کے ساتھ امریکہ ہی نہیں ذاتی بار برا بھی ہے اور عباس کے پاس تو ذاتی باربر بھی نہیں بلکہ یہ تو باربر سے ایک شیو کرا لے تو وہ تین کے پیسے مانگتا ہے۔

دور سے ہر کوئی خوبصورت لگتا ہے یہاں تک کہ اپنی بیوی بھی اچھی لگتی ہے اور جب وہ قریب ہوتی ہے تو بندے کو لگتا ہے کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن عباس کو دور سے دیکھیں تو لگتا ہے جیسے سیدھا قبل مسیح سے آپ ہی کو ملنے آ رہا ہے۔ ادھر ادھر یوں دیکھتا ہے جیسے آپ کو بھاگنے کا موقع دے رہا ہو مگر جوں جوں قریب آتا ہے 'پھر آتا ہی ہے' جاتا نہیں۔ اس کی عمر کیا ہے؟ اسے خود پتہ نہیں۔ جوں جوں اس کے مسائل بڑھتے رہے وہ سمجھتا رہا 'بڑا ہو رہا ہے' حالانکہ وہ تو عین بچپن میں بوڑھا ہو گیا تھا۔ دیکھنے میں اس عمر کا لگتا ہے جس میں سب سے آسان کام شعر کہنا ہے مگر عباس نے نوجوانوں کے لیے شعر کہنا اتنا ہی مشکل کر دیا ہے جتنی اس نے مشکلیں سہی ہیں۔ اب تو مشکلیں سہہ سہہ کر یہ حالت ہو گئی ہے کہ دوست اسے خوش کرنے کے لیے لطیفہ نہیں سناتے 'اپنی مشکل سناتے ہیں۔

بیٹھا ہوا ہو تو لگتا ہے جیسے اس نے کبھی کوئی حرکت ہی نہیں کی۔ البتہ چلنے لگے تو یقین نہیں آتا کہ رکاوٹ کے بغیر رک بھی سکے گا۔ یوں چلتا ہے جیسے ظفر اقبال صاحب کا دماغ چلتا ہے۔

•

عباس خواتین کے پردے کے اس قدر حق میں ہے کہ عورتوں سے باتیں بھی پردے میں ہی کرنا چاہتا ہے۔ عورتوں کے پاس یوں بیٹھا ہوتا ہے جیسے اعتکاف بیٹھا ہو۔ اتنا ٹھنڈا ہے کہ سخت گرمیوں میں میں بھی لڑکیوں کو کمبل لے کر اس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے۔ ویسے وہ بڑا

کامیاب خاوند ثابت ہوگا کیونکہ جو خالد احمد کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے' وہ ہر قسم کی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

یادداشت ایسی کہ غسل خانے کا دروازہ کھول کر بھول جاتا ہے کہ وہ آ رہا ہے یا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی تو غسل خانے میں جا کر بھول جاتا ہے کہ وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے؟ اور غزل کہہ کر لوٹ آتا ہے۔ آپ کی باتیں سن کر یوں سر ہلاتا ہے جیسے جو بات آپ نے اس کے کان میں ڈالی' اس سر میں مکس کر رہا ہے۔ جب کسی پسند کے بندے سے کلام کرنا چاہے تو خود کلامی کرنے لگتا ہے۔

جسے دشمن نہ بنانا چاہے' اسے گہرا دوست نہیں بناتا۔ البتہ دوستوں دشمنوں' سب سے ساتھ پیار سے ملتا ہے' اس لیے پتہ نہیں چلتا کہ کس ملنے والے کو دوست سمجھ رہا ہے اور کسے دشمن۔ دوستوں کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ اگر کبھی بیمار ہو جائے تو گھر گھر جا کر ان سے عیادت کرواتا ہے۔ ہر چیز کا حساب غزلوں سے کرتا ہے۔ ایک دن کسی نے کہا "آج مہینے کی پچیس تاریخ ہے؟" اپنی غزلیں گن کر کہنے لگا "نہیں چوبیس ہے!"

اسے ملنے کے بعد بھی بندے کی اس سے آدھی ملاقات ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ آدھا آپ کے پاس بیٹھا ہوتا ہے اور اس کا نصف کہیں اور ہوتا ہے۔ ابھی تک تو اس کی نصف بہتر بھی کہیں اور ہی ہے۔ انگریزی سے اس قدر لگاؤ ہے کہ اس نے جتنی بار بی-اے کا امتحان دیا انگریزی کا پرچہ ضرور دیا۔ کالج میں کلاس فیلوز کے ساتھ یوں پھرتا ہے کہ لگتا ہے بچوں کی فیس معاف کروانے آیا ہے۔ خوش خوراک ہے یعنی خوراک دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ لمبا فاصلہ پیدل طے کرتا ہے۔ اگر زیادہ قریب جانا ہو تو رکشہ لے لیتا ہے۔

وہ بڑا احساس ہے۔ دوسروں سے اکثر اسے ہمدردی ہو جاتی ہے اور اس کے لیے دوسرے کا مصیبت میں مبتلا ہونا ضروری نہیں۔ بس خوبصورت ہونا ضروری ہے۔ اسے دنیا کا ہر خوبصورت انسان مظلوم نظر آتا ہے اور وہ عباس کے پاس بیٹھا ہوا ہو تو واقعی لگنے بھی لگتا ہے۔

عباس اپنی نسل کے شاعروں میں سب سے آگے ہے مگر وہ وقت دور نہیں جب اس کا پیٹ اس سے بھی آگے نکل جائے گا۔ کہتا ہے اس میں غزلیں ہیں! غزلیں! اگر یہ سچ ہے تو یہ پہلی تخلیق ہے جو مہینوں کی بجائے منٹوں میں یہاں سے نکلتی ہے۔ عباس گا بھی لیتا ہے مگر اس کے گانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوسرے کو سنائی نہیں دیتا۔ اتنے درد سے گاتا



ہے کہ سننے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اسے درد ہو رہا ہے۔

عباس کی دوسری کتاب کا نام "آسمان" ہے جو مجھے اس لیے پسند ہے کہ آسمان کا رنگ بو ہوتا ہے اور سنا ہے فلم اور قلم بلیو ہی زیادہ چلتی ہے۔ جہاں تک عباس-تا-بش کی بات ہے میں نے دونوں کے نام اس لیے اکٹھے نہیں کئے کہ لوگوں کی عباس کے بارے میں بھی وہی رائے ہے جو بش کے بارے میں ہے بلکہ اس لیے کہ صدر بش "نیو ورلڈ آرڈر" دے رہا ہے عباس کی اردو شاعری "نیو ورڈ آرڈر"۔

## لا---ہور

نام مردانہ' چال زنانہ اور چال چلن زنانہ' لاہور مجھے ہمیشہ ایک طوائف ہی لگا ہے۔
کچھ مرضی دے دو پھر بھی کہتی ہے لا-ہور۔ جو ہندوؤں کے گھر میں پیدا ہوئی تو انہوں نے
سمجھا پیدا ہوا ہے اور اس کا نام لاہور رکھا' حالانکہ نام میں کیا رکھا ہے' کام دیکھنے چاہئیں'
میانوالی ہی کو دیکھ لیں پورے شہر میں نام کے علاوہ شاید ہی کوئی زنانہ چیز ملے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے لاہور بہت معمر ہے۔ جس کی وجہ اس کا ہندو ہونا بتاتا ہے۔ کیونکہ
اس کے بقول ہندو مہذب سب سے پرانا ہے یہ تو اس وقت بھی تھا جب انسان نے کپڑے پہننے بھی
شروع نہیں کیے تھے۔ ٹھیک کہتا ہے ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کو دیکھ لو تو یقین ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے اسے باندی بنا کر رکھا' شہنشاہ اکبر نے اسے اپنے حرم میں لیا تو اسے چار
دیواری کی چادر اوڑھا دی جو انگریزوں نے آکر اتاری اور اسے ایسے ہی کر دیا جیسے اپنی بیویوں
کو کیے رکھتے ہیں۔ چادر اتری تو وہی ہوا جو ہوتا ہے اس کا پیٹ پھولنے لگا اور پھول پھول کر
بس پھیلاؤ ہی رہ گیا۔

سکھوں نے اسے باندی سے بیسوا بنا دینا۔ سکھ شاہی میں یہ بھی سکھ ہو گئی۔ اور ان
دنوں یہ بات کوئی نووارد آنکھیں بند کر کے صرف سونگھ کر بتا دیتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر
کوئی صاف ستھرا نظر آتا تو دور سے پتا چل جاتا کہ یہ اجنبی ہے۔ سکھ حکمرانوں نے اسے ایک
آنکھ سے دیکھا اور نیت وہی رکھی جو کسی کو ایک آنکھ بند کر کے دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔
سکھوں کے دور میں یہاں طوائف کا راج تھا اور مسلمانوں کے دور میں طوائف الملوکی کا۔

حملہ آوروں نے اس طوائف کو بیوی کی بجائے بیوہ ہی بنایا۔ وہ اس سے وقتی حسن تو
چھین لیتے مگر حسن ادا نہ چھین سکے۔ اکثر شہر دیکھ کر لگتا ہے اصل شہر کوئی اور تھا یہ تو اس



س کا شہرہ ہے۔ جیسے دھلی کے مرنے کے بعد اب اس کی پوتی اسی نام سے وہاں بستی ہے۔
گر یہ کبھی نہ مری بس زخمی ہوئی یہ اصلی ہے۔

لاہور منجمد موسیقی ہے۔ دیکھنے میں تماشبین دکھنے میں تماشا۔ اس کا غصہ مردانہ ہے
جبھی اس کا اظہار ہاتھ اور زبان سے کرتی ہے۔ مگر خوشی زنانہ کہ اس کا اظہار پورے بدن سے
رتی ہے۔ وہ جنت ہے نہ جہنم کیونکہ جنت اور جہنم تو دراصل دو قید خانے ہیں ایک میں آدمی
سرتوں کی قید میں ہے اور دوسرے میں مصیبتوں کی مگر لاہور تو بس لاہور ہے' لاہور کے
شرق' مغرب' شمال اور جنوب میں بھی لاہور ہی واقع ہے جو لاہور میں نہیں رہا اس نے
دھی زندگی ضائع کر دی اور جس نے لاہور نہیں دیکھا اس نے پوری۔

لاہور زندہ دلی کا نام ہے مگر اس کا دل اتنا چھوٹا ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ
یہاں سے نکل نہیں سکتا اور اتنا بڑا کہ ہر آدمی اس میں بآسانی داخل ہو سکتا ہے۔ یہ لباس بدلتی
ہے تو موسم بدل جاتا ہے۔ اگر کوئی ململ کا کرتہ پہن کر آئس کریم کھا رہا ہو تو سمجھ لیں موسم
رما آگیا: ویسے یہاں کے لوگ گرما اور سرما سے مراد اکثر پھل ہی لیتے ہیں۔ بارش میں یوں
ہاتی ہے کہ دیکھنے والے بھیگ جاتے ہیں کیونکہ جب تک اس کے بدن پر بوند نہ پڑے
بارش کا یقین نہیں کرتی اور جب تک بارش کسی بدن پر نہ پڑے اسے یقین ہی نہیں آتا کہ
لاہور پہنچی ہے۔ شادی شدوں کے لیے اس کا ہر مہینہ دسمبر کا مہینہ ہوتا ہے اور کنواروں
کے لیے ہر ماہ اپریل سے شروع ہوتا ہے۔

اس طوائف کی گلی میں جو آیا اس کا گلہ ہی آیا' جو بیٹھ گیا اسے پھر اللہ نے ہی اٹھایا تو اٹھا۔
وہ داشتہ ہے جو یادداشت بھی چھین لیتی ہے۔

لاہور میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں لیکن یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔
سرے شہروں سے اس کا فاصلہ کم اور یہاں سے ان کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ یہ دور سے نظر
تی ہے مگر یہاں سے دور دور تک نظر نہیں آتا۔ لوگوں کو اتنی خوشی خود خوش ہو کر نہیں
تی جتنی اسے خوش دیکھ کر ہوتی ہے۔ اسی لیے لوگ دور دور سے اسے خوش دیکھنے کے لیے
ئے ہیں۔ جب ناخوش ہو تو خود ہی دور دور تک دکھائی دیتی ہے۔

کبھی بڈھے دریا میں وضو کیا کرتی تھی۔ اب استنجا کرتی ہے۔ علماء کی صحبت میں رہی تو
علماء نے بھی اس سے صحبت کی۔ داتا صاحب جیسے اولیاء کی بدولت اللہ نے اسے آنکھ کا آنسو

اور دل کا درد دیا۔ اس کے جسم کے کچھ حصوں کو یہ بھی پتا ہوتا ہے کہ آئندہ چوبیس گھنٹوں
میں کیا ہوگا اور بعض کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں کیا ہو گیا۔

بچوں کو حال، جوانوں کو مستقبل اور بوڑھوں کو ماضی نظر آتی ہے۔ کھانے کے معاملے
میں پکی مسلمان ہے۔ یعنی ہر کھانا یوں کھاتی ہے جیسے آخری کھانا کھا رہی ہو۔

جب سہاگن تھی اس کے بازوؤں میں دروازوں کی صورت درجن بھر چوڑیاں تھیں
اب تو بس ان چوڑیوں کے 'بازو' پر نشان ہی باقی ہیں۔ اب تو اس کے جسم کی اپنی خوشبو بھی
نہیں رہی وہ بھی ان مردوں کی ہے جو اسے وقفے وقفے سے مردانگی دکھاتے رہے۔

میرا دوست "ف" کہتا ہے مغلوں کے دور میں لوگ لاہور میں آکر رہنے لگے۔ میں
نے کہا یہاں تو اس سے پہلے بھی لوگ موجود تھے۔ تو کہا "ٹھیک ہے مگر انہیں یہ نہیں پتا تھا
کہ لاہور میں رہتے ہیں۔" ویسے تو آج بھی کچھ لوگ لاہور میں نہیں رہتے اپنے بنگلوں اور
کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ جو ایسے ہی ہے' بندہ ماں کا دودھ فیڈر میں ڈال کر پیئے۔

نئے دور نے اسے اس قدر خوف زدہ کر دیا ہے کہ کئی دہائیوں سے وہ مسلسل جاگ رہا
ہے۔ زندہ دل ہے اسی لیے زندہ ہے۔ ہر چیز میں خوشی کا پہلو ڈھونڈ لیتی ہے۔ وہ تو اخبار میں
قتل اور ڈاکے کی خبریں پڑھ کر بھی خوش ہوتی ہے۔ وجہ پوچھو تو کہے گی "دیکھیں آج
کے مقابلے میں کم ڈاکے پڑے' قتل بھی کم ہوئے' ہے ناں خوشی کی بات!" پھر اس خوشی
جشن منائے گی۔ اب اس قدر موٹی ہو گئی ہے کہ لگتا ہے اس کے جسم کا ہر حصہ الگ جسم
مگر جب خوشی سے ناچتی سڑکوں پر آتی ہے تو پھر سے ایک جسم بن جاتی ہے۔ ہجوم اس کا
ہے۔ جس نے دیکھنا ہو خوشی دیکھنے میں کیسی ہوتی ہے' وہ لاہور دیکھ لے۔

اس کی وہ انڈسٹریز جن کے مال کی بنا پر یہ ملک میں اور بیرون ملک مشہور ہے۔ اس میں
فلم انڈسٹری نمایاں ہے۔

لاہور درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں تاریخ کی کتابوں میں دفن ہیں۔ کچھ
بادشاہی مسجد' شالامار باغ' شاہی قلعہ اور مینار پاکستان کی صورت زمین پر نکلی ہوئی ہیں مگر اس
کے باسی ان پرندوں کی طرح نہیں ہیں جو آئے اور اپنی اپنی بولی سنا کر اڑ گئے۔ اس کے باسی
اس پر پھولوں' پھلوں اور کانٹوں کی طرح اگے ہوئے ہیں۔ شہر وہ جگہ ہوتے ہیں' جہاں بہت
سے لوگ مل کر اکٹھے رہتے ہیں۔ لیکن لاہور وہ شہر ہے جہاں بہت سے اکیلے مل کر رہتے ہیں



# آدھا مرد

کئی برس پہلے کی بات ہے ایک لڑکی غم سے نڈھال سوجی آنکھوں کے ساتھ مال روڈ پر
لا چلا کر کہہ رہی تھی: "عزت لوٹنے والے درندوں کو موت کی سزا دی جائے۔" کسی نے پوچھا
یہ وہ لڑکی ہے جس کی عزت لوٹی گئی؟" دوسرے نے کہا: "نہیں' یہ تو پروین عاطف ہے۔"

پروین عاطف پوری پروین ہے نہ پورا عاطف' جب لڑکی تھی تو دو لڑکیوں کے برابر
نی اور اب آدھا مرد ہے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں ایک عورت آدھے مرد کے برابر ہوتی
ہے۔ مردوں کے ساتھ مردوں کی طرح ملتی ہے۔

وہ دیکھنے میں پروین عاطف کی ملازمہ لگتی ہے۔ سفر نامہ نگار' افسانہ نگار' مقرر' سوشل
رکر' خواتین ہاکی ٹیم کی روح رواں یہی نہیں اس کا ایک قدم ترقی پسند خواتین کی تحریک میں
ی ہے۔ یوں وہ بڑی کشش پایہ شخصیت ہے۔ محقق بھی ہے' ہر کام کے لیے باقاعدہ تحقیق
تی ہے۔ اسے تو یہ جاننے کے لیے کہ اس کے کس ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں ہیں' باقاعدہ
حقیق کرنا پڑتی ہے۔

عمر کے مقابلے میں پہلے مجھ سے پچیس سال بڑی تھی' اب صرف بارہ سال بڑی ہے۔
انی میں اپنے کالج کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ ان دنوں
لیوں کو پڑھانے کا کس قدر کم رواج تھا۔ جوانی میں اتنی پرکشش تھی کہ جو بھی ان کے
رشتے کے لیے لڑکا دیکھنے آتا' اسے فوراً پسند کر لیتا۔ ساری زندگی دوسروں کے بارے میں
چتی رہی' اپنے بارے میں سوچنے کا موقع نہ ملا۔ سو اپنے بارے میں جو کیا بغیر سوچے سمجھے
۔ اسے مٹر گوشت اور مٹر گشت بہت پسند ہے۔ دیکھنے میں سپورٹ وومین لگتی ہے یعنی دیکھ
اس کی سپورٹ کرنے کو دل چاہتا ہے۔ عورت اتنا دنیا کو نہیں دیکھتی' جتنا دنیا اسے دیکھتی

ہے مگر اس نے بڑی دنیا دیکھی۔ ظلم کو روکنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ اگر کوئی طیارہ بغداد پر حملہ کرنے نکلتا ہے تو یہ اس کا راستہ روکنے کے لیے مال روڈ کی ناکہ بندی کر دیتی ہے۔

محبت میں محبوبہ نہیں' ملازمہ بن جاتی ہے۔ کہو پیاس لگی ہے تو پورا سمندر کٹورے میں بھر لائے گی' یہی نہیں پورا سمندر پلا کے بھی چھوڑے گی۔ اس نے حمید اختر' مسرت نذیر اور کئی لوگوں کی شادیاں کروائیں' لیکن مشورے ہمیشہ لڑکوں کو دیتی لڑکیوں کو اس لیے نہ دیا' کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ لڑکیوں کی شادیاں ہو جائیں۔

حافظہ اپنے بھائی احمد بشیر کی طرح۔ ایک بار مسز احمد بشیر نے گھر بدلنا تھا۔ اس نے نئے گھر کا ایڈریس لکھ کر احمد بشیر کی جیب میں ڈال دیا اور کہا کہ شام تک شیفٹنگ ہو چکی ہو گی۔ احمد بشیر نے دفتر آ کر جیب میں یہ ایڈریس دیکھا تو ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ میری جیب میں کس کا پتہ ہے؟ شام کو واپس پرانے گھر آیا تو پتہ چلا کہ سامان تو نئے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے۔ پوچھتے پچھاتے ایک گلی میں گیا وہاں بچیاں کھیل رہی تھیں ان سے پوچھا "تمہیں پتہ ہے کہ نئے کرائے دار احمد بشیر کس گھر میں آئے ہیں" تو بچیوں نے کہا "اس گلی میں چوتھا مکان ہے ابو......!"

پروین کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتی' اس لیے بہت کم آئینہ دیکھتی ہے۔ جب لکھتی ہے تو دوسروں کو دکھا دکھا کر کہتی ہے: "میری پہلی پہلی کوشش ہے' دیکھیں بات بنی بھی ہے یا نہیں؟" پہلے بچے کی پیدائش پر بھی یہی کیا۔ سوچتے بھول جاتی ہے کہ کیا سوچ رہی تھی۔

گھر میں اس قدر خوشحالی ہے کہ ہر کسی کے لیے علیحدہ علیحدہ کمرہ' ہر چیز الگ بلکہ اس کے تو ہر پاؤں کے جوتے الگ الگ ہوتے ہیں۔ چلتی ہوئی لگتی ہے نیند میں چل رہی ہے بلکہ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ نیند بھی ساتھ چل رہی ہے۔ مردوں کی توجہ سے نروس نہیں ہوتی بے توجہگی سے ہوتی ہے۔ تنقید برداشت نہیں کر سکتی نقاد برداشت کر لیتی ہے۔ اس کی تحریر کے بارے میں سب سے بڑی رائے اگر کسی کی ہے تو وہ اس کی اپنی ہی ہو گی۔ پوچھو "آپ دائیں بازو کی لکھنے والی ہیں یا بائیں بازو کی" تو کہے گی، "میں تو دائیں بازو سے ہی لکھتی ہوں۔" اللہ نے اسے معمولی کام کرنے کے لیے غیر معمولی صلاحیتیں دی ہیں۔

کوئی نقصان ہو جائے تو غلطی ہمیشہ اپنی نکالے گی وہ پیدل چلتی ہوئی کسی کار سے ٹکرا جائے تو گھر آ کر افسوس کرے گی کہ میں نے کار کو سائیڈ کیوں ماری؟ سمجھتی ہے دو بے وقوف مل کر ایک عقلمند بن سکتا ہے۔ حالانکہ دو بے وقوف ایک بے وقوف سے زیادہ بے



وقوف ہوتے ہیں۔ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتی ہے۔ گھر میں اگر کسی کا پرس نہ ملے تو وہ نوکرانی سے کہے گی "دیکھنا پروین عاطف کے کاندھے پر نہ لٹکا ہو۔"

اپنی تحریروں کو سنبھال کر نہیں رکھتی' چاہتی ہے تحریریں اسے سنبھال کر رکھیں۔ کام اس قدر انہماک سے کرتی ہے کہ اردگرد کو بھول جاتی ہے کبھی کبھی تو اس قدر مصروف ہوتی ہے کہ یہ بھی بھول جاتی ہے کہ کیا کر رہی ہے؟

گھر میں کوئی اور بیمار ہو تو پھر بھی باہر سے آنے والے اکثر اسی کی عیادت کرنے لگتے ہیں۔ چار بچے پیدا کیے۔ شاید اسے پتہ چل گیا ہو گا کہ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر پانچواں بچہ چینی ہوتا ہے اور چینی بچے خوبصورت نہیں ہوتے۔ جوانی میں اکثر اسے سر درد رہتا۔ ڈاکٹر اس کے سر کا معائنہ کرتے مگر انہیں وہاں کچھ نہ ملتا جس بات کا پتہ ہو وہ تو سب عورتوں کو بتا ہی دیتی ہے اسے جس بات کا نہ بھی پتہ ہو وہ بھی سب کو بتا دیتی ہے۔

بچوں کو اپنا دوست اور دوستوں کو اپنا بچہ سمجھتی ہے۔ ایک دن کہنے لگی، "عورتوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا "جو عورتوں کی مردوں کے بارے میں ہے۔" تو کہنے لگی "مجھے پہلے ہی پتہ تھا تم عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔"

پچھلے دنوں مال روڈ پر ایک عورت جو بولنے سے پہلے کانپتی اور بولتی تو سننے والے کانپ اٹھتے' چولہا پھٹنے سے مرنے والی نوبیاہتا لڑکی کے سسرال کے خلاف احتجاج کر رہی تھی۔ کسی نے پوچھا "یہ عورت اس لڑکی کی ماں ہے؟" دوسرے نے کہا "نہیں! یہ پروین عاطف ہے۔"

# بابائے عشق

مشہور زنانہ اظہر جاوید کو دور سے دیکھا جائے تو اس کی جو چیز سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ اس کی ناک ہے۔ وہ بھی ایسی کہ تصویر بناتے وقت ناک فوکس کی جائے تو چہرہ آوٹ آف فوکس ہو جائے۔

اظہر جاوید کا قد بدلتا رہتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کو اپنی سطح پر لانے کی بجائے خود ان کی سطح پر آجاتا ہے' اسی لیے اچھوں میں بیٹھا ہو تو اچھا اور بُروں میں بہت بُرا لگتا ہے۔

اگرچہ اس کے بال سیاہ برقعے اتار کر سفید کفن پہن رہے ہیں پر اسے اب بھی سیاہ برقعے ہی پسند ہیں۔ اس کے سفید بال کم ہی لوگوں نے دیکھے ہیں کیونکہ یہ بال اسی وقت نظر آتے ہیں جب اس کا کوئی دوست تکلیف میں ہو ورنہ وہ ہر وقت ان پر بے فکری کا رنگ چڑھائے رہتا ہے۔ یوں بھی بال سفید ہیں تو کیا ہوا دل کو دیکھنا چاہیے۔

جب اظہر جاوید اکیلا ہو یعنی اس کے ساتھ کوئی مرد ہو تو یوں تپاک سے ملے گا جیسے آخری بار مل رہا ہے۔ ملنے والا ہم عمر ہو گا تو اس احترام سے ملے گا کہ دوسرے کو یقین ہو جائے گا کہ اس نے مجھے کوئی اور سمجھا ہے۔ اگر کم عمر ہو گا تو اس سے یوں محبت سے ملے گا کہ وہ سمجھنے لگے گا کہ اس نے مجھے کچھ اور سمجھا ہے لیکن اگر ساتھ کوئی خاتون ہو گی تو السلام علیکم یوں کہے گا جیسے خدا حافظ کہہ رہا ہو۔

اسے سیڑھیاں چڑھنے کا اس قدر شوق ہے کہ ہمیشہ ایسی جگہ دفتر بنایا جہاں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانا پڑے۔ لاہور میں اس کا دفتر اکثر لاہور کی نسبت "سرگودھے" کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

آج کل ہر کوئی دوسرے کو سناتا ہے کسی کی کون سنتا ہے؟ مگر اظہر جاوید کو دوسروں کی



سننے کا اس قدر شوق ہے کہ شام ہوتے ہی کہنے لگتا ہے "آج کس کو سنا جائے؟"

عاشق مجاز آدمی ہے۔ گفتار میں ترنم اور کردار میں ملکہ ترنم ہے۔ اس نے "تخلیق" کے زور پر کئی شاعرات پیدا کیں جن میں اکثر بڑی ہو چکی ہیں مگر صرف عمر میں۔ اردو ادب کے لیے اس نے جتنا علمی کام کیا کئی آدمی مل کر نہیں کر سکتے یعنی جتنے عشق اس نے کیے اکیلے بندے کا کام نہیں۔ جتنے لمبے وہ عشق کرتا ہے اتنی لمبی تو لوگ دشمنیاں نہیں کرتے۔ عورتوں کے کام آنا اعزاز سمجھتا ہے' اسی لیے کسی نہ کسی خاتون کا اعزازی مدیر ہوتا ہے۔

پاکستان کے بوڑھے بڑے باکردار ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں قول و فعل کا تضاد نہیں ہوتا یعنی جتنے بوڑھے باہر سے نظر آتے ہیں اتنے ہی اندر سے ہوتے ہیں اور گھڑی پاس بیٹھ جاؤ تو آدمی خود کو بھی بوڑھا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اظہر جاوید دیکھنے میں تو ادھیڑ عمر ہے مگر پاس بیٹھ جاؤ تو وہی حالت ہوتی ہے جو پہلی بار منٹو کے افسانے پڑھنے کے بعد ہوتی ہے۔ خود بھی اپنے آپ کو جوان سمجھتا ہے' اسی لیے آج بھی وہی کپڑے پہنے ہوتا ہے جو جوانی میں پہنا کرتا تھا۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "میں پورے ادب سے کہتا ہوں ایسا جوان بوڑھا ادب میں تو کیا پورے پاکستان میں بغیر ادب کے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔" وہ ٹھیک کہتا ہے "کم از کم میں نے آج تک کوئی بوڑھا پیدا ہوتے تو نہیں دیکھا۔"

اکثر دوسروں کے کام کرتا ہے۔ مثلاً تصویر میں بڑا گھبرایا گھبرایا لگتا ہے حالانکہ یہ کام تو دیکھنے والے کا ہے۔ صحت کا اس قدر خیال رکھتا ہے کہ ہر وقت حکیم ولی الرحمٰن ناصر کو ساتھ رکھتا ہے جس سے حکیم صاحب کی ادبی اور غیر ادبی صحت بہتر ہو گئی ہے۔ اسے لڑنا بہت پسند ہے' اسی لیے کوئی ادبی مسئلہ چھیڑ کر دوسروں کو لڑا دیتا ہے تاکہ انہیں پسند کر سکے۔

سیاست میں بھی پاؤں رکھتا ہے جو اکثر پھسل جاتا ہے۔ "امروز" کی سیڑھیوں سے ایسا پھسلا کہ ابھی تک نہیں سنبھل سکا لیکن نگاہ آج بھی اس قدر بلند کہ ہمیشہ عینک کے اوپر سے دیکھتا ہے۔ وہ انصاف کے در کی طرح ہر کسی پر نہیں کھلتا اگر کوئی اس کا اصل دیکھنا چاہے تو قہقہوں کی بکل مار لیتا ہے۔ بات شروع کرتا ہے تو لگتا ہے دوسرے کی پسند کی کر رہا ہے مگر جب ختم کرتا ہے تو پتا چلتا ہے اپنی پسند کی کر گیا۔ اس کی صحت ایسی کہ عبدالعزیز خالد کے ایک شعر سے سانس پھولنے لگے۔ صحبت ایسی کہ مزید خراب ہونے کا اندیشہ نہیں۔ مصیبت کے وقت دوسروں کے کام آتا ہے' اسی لیے اسے وہی دوست

رکھتے ہیں جنہیں کوئی نہ کوئی کام ہو۔

بحیثیت شاعر اس کا قد دوسروں کا قد بڑھانے میں صرف ہوا۔ ہجر و وصال اس کی شاعری کے دو رخ ہیں۔ اس نے اپنی شاعری میں جن خواہشات کا اظہار کیا ان میں سے ایک بھی پوری ہو جائے تو اسے حدود آرڈیننس کے تحت دھر لیا جائے۔

لگتا ہے اس نے دنیا عورت کی نظر سے دیکھی ہے شاید اسی لیے اس میں وفا اور محبت کم سے زیادہ ہے۔ بقول میرے دوست "ف" میں بقائم ہوش و حواس کہتا ہوں اب عشق کا موسم نہیں رہا بس موسمی عاشق رہ گئے ہیں اور اظہر جاوید اس "پت جھڑ کا آخری پتا" ہے۔

مجھے اظہر جاوید پر رشک آتا ہے کہ کوئی اس کا احترام نہیں کرتا۔ میں بھی اس کا احترام نہیں کرتا۔ وہ ایسا ہے بھی نہیں کہ احترام کی چھڑی سے اسے فاصلے پر رکھا جائے۔ اس کے تو قریب ہونے کو دل چاہتا ہے۔ اس سے محبت کرنے کو دل چاہتا ہے۔



# ادیبوں کا ہیڈ ماسٹر

ہیڈ ماسٹر وہ ہوتا ہے جو ماسٹروں کے ہیڈ پر سوار رہے اور مبارک احمد ادیبوں کا ہیڈ ماسٹر ہے۔ اپنے پاس ہمیشہ ایک رجسٹر رکھتا ہے جس میں شاعروں، ادیبوں کی سالانہ پیداوار کا حساب بمعہ کتاب اور ایڈریس درج ہوتا ہے چونکہ حافظہ کمزور ہے۔ تین چار سے زیادہ شاعروں کو یاد نہیں رکھ سکتا اس لیے صرف شاعرات کو ہی یاد رکھتا ہے۔

رنگ ایسا صاف کہ اس پر پڑی گرد دور سے نظر آ جاتی ہے۔ ناک ایسی کہ اس پر ہاتھ پھیرنے میں اتنا ہی وقت لگتا ہے جتنا سارے منہ پر یہی کچھ کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں جہاں کنگھی پھیرا کرتا تھا آج کل رومال پھیرتا ہے۔ سر اور منہ نے حد بندی ختم کر رکھی ہے اس لیے پتہ نہیں چلتا منہ کہاں ختم ہوا اور سر کہاں سے شروع ہو گیا۔ لیکن وہ دوسروں کی آسانی کے لیے سر پر ہمیشہ ٹوپی اور چہرے پر عینک رکھتا ہے۔ ٹوپی سر سے یوں چمٹی ہوتی ہے کہ دور سے لگتا ہے سر پر پینٹ کی ہوئی ہے عینک وہ اکثر دوسروں کی بات سنتے وقت لگاتا ہے کیونکہ اس نے بس ایک بار یہ ہی دیکھنا ہوتا ہے کہ بولنے والا کون ہے؟

بھول جانا اس کی ضرورت ہی نہیں عادت بھی ہے۔ کسی موضوع پر گفتگو کرتے وقت مخاطب کا نام بھول جائے گا پھر اس کا نام پوچھے گا جب تک وہ نام بتائے گا۔ موصوف یہ بھول جائے گا کہ کس موضوع پر گفتگو کر رہا تھا اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس نے ڈاکٹر سے بھی اپنے مرض نسیان کا علاج کرایا۔ تین مہینے کے علاج کے بعد ڈاکٹر صاحب ایک دن آئے اور انہوں نے پوچھا جی سر! اب تو آپ نہیں بھولتے؟ موصوف نے فرمایا "بالکل نہیں مگر آپ کون ہیں اور یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" البتہ جس کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہو اسے ہرگز نہیں بھولتا اس لیے اگر کسی کو فوراً پہچان لے تو وہ گھبرا کر پوچھتا ہے میں نے کیا کیا ہے؟

اپنی سائیکل پر سوار سڑکوں پر یوں پھرتا ہے جیسے کسی کی تلاش میں ہو حالانکہ اسے دیکھ کر لگتا ہے اس کی اپنی تلاش ہو رہی ہو گی۔ ایک صحافی نے تو اس کی حالت دیکھ کر یہاں تک چھاپ دیا تھا کہ وہ سائیکل پر ساری دنیا کا چکر لگا کر آیا ہے۔ سائیکل اس کی شریک حیات ہے۔ ایک بار کسی دفتر میں گیا اور سائیکل گیٹ پر کھڑی کر کے اندر جانے لگا تو چوکیدار نے کہا "اسے جا کر سٹینڈ پر کھڑی کریں۔" موصوف نے کہا یہ جو گیٹ پر ایک سائیکل کھڑی ہے! چوکیدار نے کہا یہ تو کوئی پاگل کھڑی کر گیا ہے۔ اس دن سے وہ بھی وہیں سائیکل کھڑی کر رہا ہے وجہ پوچھی تو کہنے لگا "پاگل ہوں کوئی بے وقوف نہیں ہوں۔"

اس قدر سخی ہے کہ اس نے پورے ملک میں حلقہ ارباب ذوق بلکہ ہلکا ارباب ذوق کی شاخیں تقسیم کیں، یہی نہیں اس نے تو حلقہ ارباب ذوق بھی تقسیم کر دیا۔ سارا دن سائیکل پر گھومتا رہتا ہے جہاں کوئی ادیب نظر آیا اتر کر اسے ارباب ذوق کا پروگرام دیا اور کسی دوسرے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اسے جتنی فکر حلقے کی ہے اتنی اپنی نہیں اسی لیے دوسروں کو بھی زیادہ فکر حلقے کی ہی ہے۔ اجلاس میں حاضرین کی تعداد کم ہو تو پریشانی سے نہیں بیٹھتا۔ اگر زیادہ ہو تو خوشی سے نہیں بیٹھتا۔ حلقے کے اجلاس کے دوران اس انداز سے سگریٹ پی رہا ہوتا ہے جیسے حلقہ نہیں اڑا چلا رہا ہے۔ حلقہ ارباب ذوق کو اپنی اولاد سمجھتا ہے اور اس کی اولاد اسے حلقہ ارباب ذوق سمجھتی ہے۔

ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے کچھ نہ بھی کر رہا ہو تو پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں کچھ کر رہا ہوں۔ اس کے قول و فعل میں تضاد نہیں یعنی حرکتیں بھی ویسی ہی کرتا ہے جیسی باتیں۔ کسی جگہ پر چند منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھتا وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ پر چلا جائے گا۔ اگر وہ نہ اٹھے تو دوسرے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اس قدر محنتی ورکر ہے کہ اس کے پاس سوچنے کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا۔ کہتا ہے میں دنیا کا مصروف ترین آدمی ہوں۔ میں تو باتھ روم کے لیے بمشکل دو منٹ نکالتا ہوں اس کی حالت سے لگتا ہے کہ وہ صحیح کہتا ہے۔ کبھی کبھی دوڑنے کے لیے چند منٹ نکال لیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ چلتا ہوا پاس سے گزر جائے تو لوگ گھبرا کر اپنا سامان چیک کرنے لگتے ہیں۔ اس قدر جلدی میں ہوتا ہے کہ معافی پہلے مانگ جائے گا غلطی بعد میں آ کر کرے گا۔ اپنے پاس رومال ضرور رکھتا ہے حالانکہ اس کی اس سے زیادہ ضرورت اس کے ملنے والوں کی ہوتی ہے۔



فلٹر کے بغیر سگریٹ نہیں پیتا یعنی سگریٹ پیئے تو ساتھ فلٹر ضرور پیئے گا۔ کشمیری خاندان سے تعلق رکھتا ہے اسی لیے جو کام زبان سے ہو سکے اسے بھی ہاتھ سے کرتا ہے۔ صرف اچھی بات سنتا ہے یعنی وہی بات جو اس کے لیے اچھی ہو۔ انگریزوں سے اس قدر نفرت کہ کیا مجال ساری زندگی کبھی صحیح انگریزی بولی یا لکھی ہو۔ حب الوطنی اس قدر کہ مرتسر کو بھی اپنا علاقہ سمجھتا ہے۔ سمجھتا ہی نہیں گفتگو سے ثابت بھی کرتا ہے۔ بڑا بت شکن ہے یعنی اسے دیکھتے ہی بتوں کے ماتھے پر شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے ادیب اس کے سامنے نہیں ٹھہرتے بلکہ تیزی کے ساتھ پاس سے گزر جاتے ہیں۔

نثری نظم کے لیے اس نے جتنی محنت کی ہے اتنی اپنے لیے نہ کی ہو گی اگرچہ نثری نظم کا مستقبل وہی ہو سکتا ہے جو بیک وقت زنانہ مردانہ صلاحیتیں رکھنے والے فرد کا۔ لیکن کہتے ہیں نثری نظم کی یہ خوبی ہے کہ اسے مشاعرے میں نہیں پڑھا جا سکتا اور شاعر اس محنت سے بچ جاتا ہے جو اسے مشاعرہ حاصل کرنے کے لیے کرنا پڑتا ہے۔

لوگ تو خواتین کے اس قدر خلاف ہیں کہتے ہیں چور کو نہیں چور کی ماں کو مارو۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ عورت ہے لیکن وہ عورتوں کو ہمیشہ مرد سے بالاتر سمجھتا ہے۔ وہ مرد ادیبوں کو خواتین رائٹرز سے بہت کم تر اور گھٹیا خیال کرتا ہے اور خواتین اس سے ایک ہی ملاقات میں اس بات پر متفق ہو جاتی ہیں۔

بہترین سرجن وہ ہوتا ہے جو جتنا ہو سکے مریض کو سرجری سے بچائے اور بہترین ادیب وہ جس سے ادب زیادہ سے زیادہ بچا رہے، اسی لیے میرا دوست "ف" کہتا ہے کہ اردو میرا احسان عمر بھر نہیں بھول سکتی۔ وہ احسان یہ ہے کہ اس نے کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ہمارے ادیبوں کے ہیڈ ماسٹر نے پوری زندگی ادب کے لیے وقف کر دی ہے۔ اس لیے وہ سگریٹ بھی پی رہا ہو تو پتا نہیں اپنے لیے پی رہا ہے یا اردو ادب کے لیے۔ ویسے وہ ادب برائے ادب کا قائل ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ادب کرتا ہے جو اس کا ادب کرتے ہیں یعنی کسی کا ادب نہیں کرتا۔ دن کے چوبیس گھنٹوں سے بارہ گھنٹے پسینہ پونچھنے میں صرف کرتا ہے لیکن آخر الذکر کام کا وقت اسے کم ہی ملتا ہے۔ یہ کام اس کی گفتگو سننے والے کر رہے ہوتے ہیں۔ کہتا ہے میں نے خود سے اچھی گفتگو کرتے کسی کو نہیں سنا ٹھیک کہتا ہے اس نے کبھی کسی دوسرے کو گفتگو کرتے سنا ہی نہیں۔ بغیر تعارف کے کسی سے بات نہیں کرتا

اور تعارف کے بعد کسی کی سنتا نہیں۔

آنسو آنکھ کا لباس ہے جس آنکھ میں آنسو نہ ہوں وہ ننگی ہو جاتی ہے۔ کمر ننگی ہو جا۔۔
تو مرزا زندہ نہیں بچتا آنکھ ننگی ہو جائے تو صاحباں مر جاتی ہے مگر اس نے اپنے اندر صا ہبان
مرنے نہیں دی۔ معمولی معمولی بات پر غیر معمولی روتا ہے پھر روتے روتے اچانک یوں
چپ ہو جاتا ہے جیسے بھول گیا ہو کہ کیا کر رہا تھا۔



# مسٹر ”میں اور آپ“

محمد سلیم طاہر کا اردو ٹی وی پروگرام ”میں اور آپ“ جسے آپ پنجابی میں ”تو تو میں
“کہہ لیں اپنی مثال آپ ہے یہی نہیں محمد سلیم طاہر کا یہ بھی ریکارڈ ہے کہ وہ پی ٹی وی کا
ے معمر بچہ ہے شاید اسی لیے بڑی عمر کی عورتوں کے پاس زیادہ خوش رہتا ہے۔
حلیہ ایسا کہ دو تین سال اور ناکی سے اس کے تعلقات ایسے رہے تو اجمل نیازی لگنے
لگا۔ وہ آج بھی کلاس روم سے بھاگا سٹوڈنٹ لگتا ہے حالانکہ اسے ایکس سٹوڈنٹ ہوئے
دیر ہو گئی ہے کہ اب تو آپ اسے ڈبل ایکس سٹوڈنٹ کہہ سکتے ہیں۔ چال ایسی کہ لگتا ہے
عورت مردانہ چال چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔
ٹی وی سٹیشن کے باہر اس قدر خلوص اور محبت سے ملتا ہے کہ دوسرے کو یقین ہو جاتا
کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ ٹی وی سٹیشن پر اپنے کمرے میں کم اور اپنے آپ
زیادہ رہتا ہے حالانکہ اکثر پروڈیوسر کمرے میں زیادہ اور اپنے آپ میں کم رہتے ہیں۔
اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا ہے یعنی آپ ایک شعر سنائیں تو وہ پوری نظم سنائے گا لیکن
ے اچھے طریقے سے سناتا ہے کہ اتنے اچھے طریقے سے وہ چپ بھی نہیں رہ سکتا جس موقع
وسرے ملازمین کو کھری کھری سناتے ہیں یہ اس موقع پر بھی انہیں شاعری ہی سناتا ہے۔
عورتوں سے ملتا ہے شعر ہی سناتا ہے' اسی لیے وہ اسے مرد کم اور شاعر زیادہ سمجھتی ہیں۔
بے تکلف دوستوں سے گفتگو کرتے وقت گالیوں کا استعمال کرتا ہے اور گالی کی گہرائی
پتہ چلتا ہے دوسرا اس کا کتنا گہرا دوست ہے۔ اگر کسی دوست کے ساتھ عزت سے پیش
ے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مجھ سے ناراض ہے۔
اچھا مقرر ہے اسی لیے گفتگو کم اور تقریر زیادہ کرتا ہے۔ میں نے کسی لڑکی کو اس سے

باتیں کرتے نہیں دیکھا۔ ہمیشہ اس کی باتیں سنتے ہی دیکھا ہے۔ کوئی اس سے زیادہ کر جا۔
خاموش ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لیے اپنی شاعری کی تعریف بڑی خاموشی سے سنتا ہے۔

وہ اس قدر حساس ہے کہ اس بات پر بھی پریشان ہو جاتا ہے جسے دوسرے بات
نہیں سمجھتے۔ دوستوں کے معاملے میں بڑا محتاط ہے یعنی کوشش کرتا ہے وہ اس سے بہتر
ہوں' اسی لیے مجھے بھی اپنا دوست کہتا ہے۔

وہ نیک آدمی نہیں کیونکہ وہ سرعام نیکی نہیں کرتا۔ جانتا ہے انسان خطا کا پتلا ہے اس
لیے سارا دن اپنے آپ کو انسان ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے۔ بڑے سوچ سمجھ کر غلط فیصلے
کرتا ہے۔ دوسروں کے فائدے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کرتا ہے کہ انہیں شک ہونے لگتا
ہے کہ یہ اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟

دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرتا ہے جن سے وہ ناراض ہو جاتے
ہیں۔ اکثر کاموں میں اس وجہ سے تاخیر کر دیتا ہے کہ کہیں تاخیر نہ ہو جائے۔

کسی کو بددعا نہیں دیتا کیونکہ جسے بددعا دیتا ہے وہ ترقی کر جاتا ہے۔ کسی پر احسان بھی
یوں کرتا ہے جیسے اپنے آپ پر کر رہا ہو۔ اس کی نظمیں منی سکرٹ کی طرح ہیں۔ اتنی تفصیلی
کہ موضوع کو Cover کر سکیں اور اتنی مختصر کہ لوگوں کو ملنے نہ دیں۔

اس قدر چالاک ہے کہ اسے پتا ہے وہ چالاک نہیں حالانکہ ہمارے ہاں لوگ اس قدر
احمق ہیں کہ خود کو چالاک سمجھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر خوش ہو ہو کر اس کی یہ حالت
ہو گئی ہے کہ بڑی خوشی مل جائے تو پریشان ہو جاتا ہے۔

محمد سلیم طاہر اس قدر بزدل ہے کہ کوئی اس پر وار نہیں کر سکتا۔ اکثر اپنی بزدلی چھپانے
کی کوشش میں بہادری کر جاتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے کہ یہ میں نے کیا کر دیا۔ اسے اپنے
آپ سے ڈر لگتا ہے اسی لیے وہ اکیلا اپنے پاس نہیں بیٹھتا' دوسروں کے درمیان رہتا ہے مگر
پھر بھی اکیلا ہوتا ہے۔



# شہیدِ اُردو

اس سے میری ہمیشہ ایسے ہی ملاقات ہوتی ہے جیسے میری گاڑی کسی کی گاڑی سے گلے
ن ہے۔ وہ جس سے خوش ہو اسے دن میں ایک بار ضرور ملنے آتا ہے۔ جس سے ناراض ہو
ے ایک بار سے زیادہ ملنے لگتا ہے۔ اگر کوئی اچھے طریقے سے پیش آئے تو اس وقت تک اس
پیچھا کرتا ہے جب تک وہ طریقے سے پیش نہ آئے۔

دیکھنے میں ایسا ہی ہے جس طرح کے ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ چہرے پر نظر کی عینک لگی
تو لگتا ہے عینک نہیں نظر لگی ہوئی ہے۔ دور کی نظر ایسی کہ عینک کے بغیر دور تک سوچ بھی
یں سکتا۔ لیکن بقول خود "اللہ کی کرم فرمائی کے ساتھ مجھ کو بھی کافی حسن مردانہ دیا گیا ہے
ی سرخ و سفید رنگت' اکہرا بدن' سنہرے بال' غلافی آنکھیں' لانبے ہاتھ پاؤں اور ہاتھ کی
لیاں پتلی' کتابی چہرہ' ستواں ناک' پتلے سرخ ہونٹ' میٹھے لہجے والی زبان وغیرہ وغیرہ۔ پھر
ی طبیعت نہایت سادہ' مخلص' ہمدرد' ملنسار اور سچے دل سے ہر چرند پرند' انسان اور فرشتے
یرہ سے محبت کرنے والی عطا کی۔ بچپن سے لے کر جوانی تک مجھے عوام کی اکثریت انگریز یا
ان کا بچہ سمجھتی تھی۔" شاید اسی لیے وہ اپنی برتھ ڈے پر انگریزوں اور پٹھانوں کو مبارک
دیتا ہے۔

پورے ایشیا کو اپنا گھر سمجھتا ہے اور گھر کو پورا ایشیا۔ بہت مشہور ہے' آپ اس کی گلی میں
سے پوچھ لیں سب جانتے ہیں افتخار ایشیا کون ہے؟ بقول عطاء الحق قاسمی: "ڈاکٹر فضل
حمٰن لاہوری' افتخار ایشیا مجاہد اردو وغیرہ وغیرہ جیسے دانا بلکہ دانے بہت کم تعداد میں
۔" کہتا ہے "میرے سولہ محبوب ہیں۔" اس کی حالت دیکھ کر تصدیق ہو جاتی ہے۔
وقت کا اس قدر پابند کہ تقریبات میں عین اس وقت پہنچے گا جب کھانا شروع ہونے

لگے دوران کھانا پلیٹ اور پیٹ کے درمیان کوئی آئے تو مجاہدانہ انداز میں اسے پرے کر
گا۔ پلیٹ ہمیشہ ہاتھ میں رکھے گا ایک بار اس نے میز پر رکھ دی تو تقریب کے شرکا
ڈونگا سمجھ کر اس سے بوٹیاں لینے لگے۔ اکثر محبوب کے حسن کو تشبیہ بھی کھانے والی چیز
سے دیتا ہے۔ جیسے اس کا لہجہ رس ملائی جیسا میٹھا ہے۔ یہی نہیں وہ تو محبوب کو دیکھتا بھی
ہے جیسے کھانے والی چیز کو دیکھ رہا ہو۔

خود کو گلوکار بھی کہتا ہے۔ اس کے جاننے والے اس کی غلوکاری سے بہت محظوظ
ہیں۔ خاص کر کے اس وقت جب وہ داد لینے کے لیے رکتا ہے۔ لفظوں کے ساتھ
سلوک کرتا ہے جو لوگ اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ لہجہ ایسا کہ پھول کہے تو لگتا ہے فول
رہا ہے۔ بولتا ہوا لگتا ہے لفظوں کے غرارے کر رہا ہے۔

پیدائشی ڈاکٹر ہے 'یعنی ڈاکٹری کے بارے میں اس کا اتنا ہی علم ہے جتنا پیدائش
وقت تھا۔ بچپن ہی سے اس کو بڑا بننے کی خواہش تھی اب تو ماشاءاللہ بڑا ہو گیا ہے۔
سے اوپر کا ہے۔

ہر جگہ کو مسجد ہی سمجھتا ہے یعنی اپنے جوتے سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ کیونکہ ہمار
ہاں مسجد میں جوتے آگے رکھیں تو نماز نہیں ہوتی پیچھے رکھیں تو جوتے نہیں ہوتے۔

محبت کے بارے میں ہمیشہ اس کا یہ نظریہ رہا کہ جس کے ساتھ عشق و محبت کر
سے شادی کرو۔ اور اس کی کبھی اپنے محبوب سے شادی نہ ہو سکی۔ جس کی وجہ شاید یہ
اس کے محبوبوں کا بھی یہی نظریہ تھا۔ کہتا ہے کوشش کی جائے تو بندہ ہر لڑکی سے
کر سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے بشرطیکہ یہ کوشش لڑکی کی ہو۔ کو ایجوکیشن کو بھی کوہ مری کی طر
تفریحی مقام سمجھتا ہے۔

سائیکل چلاتے ہوئے ملکی مسائل پر سوچ بچار کرتا ہے۔ سائیکل کی رفتار سے
ہے وہ کس تیزی سے سوچ بچار کر رہا ہے۔ ہر کام کا نتیجہ الٹ ہونے لگے اور حکومت
نظر آئے تو اتر کر سائیکل کا ہینڈل سیدھا کر لیتا ہے اور ملکی حالات نارمل ہو جاتے ہیں
وقت ملک اور قوم کی خدمت کے لیے تیار رہتا ہے۔ واسکٹ ساتھ رکھتا ہے۔ کہتا ہے
کے بغیر پاکستان کا سربراہ مملکت ذرا نہیں جچتا۔ کالجوں میں داخلوں کے بارے میں کہتا ہے
وزیر داخلہ بنا دیا جائے میں سارے مسئلے حل کر دوں گا۔



نام فضل الرحمٰن ہے جس کا آسان اردو ترجمہ ہے یا اللہ فضل۔ لوگوں سے اس قدر
پیار کرتا ہے کہ ہر شخص اس کا محبوب ہے یعنی اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو اردو
شاعری میں محبوب عاشق سے کرتا ہے۔ وہ تحت اللفظ 'ترنم' مجاہدانہ اور پتہ نہیں کن کن انداز
میں بولتا ہے اور اندازے سے سنتا ہے۔

جتنی محنت سے اس نے اپنی کتابوں کے دیباچے لکھوائے ہیں اتنی محنت شاید ہی کسی
نے کی ہو۔ دیباچہ نگار گھنٹوں اس سے انتظار کرواتے ہیں اور جتنی دیر میں دیباچہ لکھ کر
لاتے۔ یہ بیٹھے بیٹھے نیا ناولٹ لکھ لیتا۔ بہر حال اس کی کتابوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ
یہ جلد ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کی کتاب "زندگی" پڑھ کر عطاء نے اس کا نام شرمندگی رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔
حالانکہ اس کا نام زندگی ہی ٹھیک ہے کیونکہ یہ زندگی کی ہی طرح ہے یعنی بغیر کسی پلاٹ کے
اور اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ اس نے لکھنے کے بعد اس کا نام زندگی مجموعہ افسانہ ہائے رکھا۔ میرا
دوست "ف" کہتا ہے اگر پڑھنے کے بعد رکھتا تو نام زندگی مجموعہ افسانہ ہائے ہائے ہوتا۔

کہتا ہے میں نے بچپن ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی تحریریں پڑھ کر ایسا ہی
لگتا ہے۔ دنیا کا وہ کام بھی کر لیتا ہے جو پوری دنیا میں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ یعنی اپنا لکھا ہوا
پڑھ لیتا ہے۔ وہ تو کاتب کے انتخاب میں بھی احتیاط کرتا ہے کہ کاتب ایسا ہو کہ اس کا لکھا ہر
ایرا غیرا نہ پڑھ سکے۔

اس نے اردو ادب کو جمود سے نکالنے کے لیے بڑا متحرک ہو کر لکھا۔ سائیکل
چلاتے ہوئے 'گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس میں' ویگن میں' ہر مشکل سے مشکل جگہ پر
اس نے مجاہدانہ انداز سے لکھا۔ اگر وہ یہی مشقت کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب وہ مجاہد
اردو سے شہید اردو ہو جائے گا۔

# پیار کا شہر

احمد ندیم قاسمی' نام پڑھ کر لگتا ہے تین آدمی ہیں' کام دیکھ کر بھی ایسا ہی لگتا ہے۔ عمر وہ جس میں بندہ مولا سے زیادہ مورخ سے ڈرتا ہے کہ مولا تو صرف مستقبل بدل سکتا ہے جبکہ مورخ تو ماضی بھی بدل سکتا ہے۔ شکل و صورت ایسی کہ اگر کوئی مجھے یقین دلائے کہ پچھتر سال کی عمر میں' میں بھی ایسا لگوں گا تو میں ابھی پچھتر سال کا ہونے کے لیے تیار ہوں کیونکہ جوانی کی خوبصورتی آپ کو فطرت کا عطیہ ہے اور بڑھاپے کی خوبصورتی آپ کا فطرت کو۔ چہرے پر بچپن کا ٹریڈ مارک یعنی زخم کا نشان' یہی نہیں چہرے پر بچپن بھی ہے۔ وہ پچیس سال کی عمر میں پچاس برس کے ہوگئے اور پچاس برسوں سے پچیس سال کے ہیں۔

دوسروں کے دکھ سکھ میں اس قدر شریک ہوتے ہیں کہ بیوی کسی کی فوت ہوتی ہے' تسلیاں انہیں دینا پڑتی ہیں۔ جتنی محبت انہیں انسانوں سے ہے اگر اس کا دسواں حصہ خدا سے ہوتی تو اولیاء میں سے ہوتے اور اس کا سواں حصہ افسروں سے ہوتی تو رؤسا میں سے ہوتے۔

جو بھی انہیں پہلی بار ملتا ہے' اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کیوں نہیں ملا۔ ملاقاتی کے ساتھ یوں پیش آتے ہیں جیسے وہ نہیں یہ احمد ندیم قاسمی کو ملنے آئے ہیں۔ طوائف' ویگن اور ان کے رسالے "فنون" کا دروازہ ہر وقت ہر کسی کے لیے کھلا رہتا ہے۔ وہاں آنے والوں کی مسلسل لطیفوں اور باتوں سے یوں مدارت کرتے ہیں جیسے وہ اجازت لے کر نہیں' ٹکٹ لے کر آئے ہوں۔

دنیا میں اللہ والے کام کئے یعنی عورت سے جب بھی رشتہ بنایا' ہمیشہ وہ رشتہ بنایا جو خدا خود بنا کر بھیجتا ہے۔ مذہب سے اس قدر لگاؤ کہ آج تک کسی کافر پر دل نہیں آیا' لیکن ہم ان سے زیادہ مذہبی ہیں کہ جب کسی کافر بدن کو دیکھا فوراً اسے چار کلمے پڑھانے کا سوچنے لگے۔ یہی



میں ہم تو جوتی تک پسند کرنے کے لیے شوز سٹور کی بجائے مسجد جاتے ہیں۔

دوران گفتگو دائیں بازو کا اس قدر استعمال کرتے ہیں جتنا جماعت اسلامی والے درمیان گفتگو۔ غصے کے اس قدر تیز ہیں کہ آپ کی جس بات پر انہیں غصہ آتا ہے وہ بات بھی پوری نہیں ہوتی ان کا غصہ پہلے پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ محبت میں پہل کرتے ہیں مگر نفرت میں آخر نہیں کرتے۔

بحیثیت انسان وہ ان شاعروں' ادیبوں سے بھی بڑے ہیں جنہیں وہ خود سے بڑا کہتے ہیں۔ یوں بھی اگر آپ کو کسی مکمل انسان کی خوبیاں تلاش کرنا ہیں تو نبیوں' ولیوں کے بعد صرف بچے ہی ملیں گے۔ البتہ اگر کسی مکمل انسان کی خامیاں تلاش کرنا ہیں تو کہیں جانے کی ضرورت نہیں' ماشاءاللہ آپ خود مکمل انسان ہیں۔

بچوں کے ساتھ اتنی جلدی دوستی کر لیتے ہیں جتنی جلدی بچے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ بچوں میں بیٹھے ہوں تو بزرگ نہیں ہوتے' بزرگوں میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی بزرگ نہیں ہوتے۔

ہم عصر انہیں بڑا تخلیق کار مانتے ہیں حالانکہ ہمارے عام قاری ادیب کو اس کی بہترین تخلیق کے حوالے سے جانتا ہے اور ہم عصر ادیب کمزور ترین تخلیق کے حوالے سے۔ ہم عصروں میں ان کا کوئی "ہم اثر" نہیں۔ شاعروں میں مائنڈ دوسروں سے ڈبل ہوتا ہے اسی لیے ہمارے اکثر شاعر ڈبل مائنڈیڈ ہوتے ہیں۔ ایسی حرکت کریں گے جس کا نتیجہ اگر برکت ہے تو یقیناً برکت بی بی ہو گا مگر قاسمی صاحب کی حرکات و سکنات ایسی ہیں کہ شاعر نہیں لگتے۔ بد صورتی میں بھی خوبصورتی ڈھونڈ لیتے ہیں۔ یہ بھی اچھے شاعر سے زیادہ اچھے شوہر کی خوبی ہے۔ مگر وہ جو کچھ کہنا چاہیں منہ پر کہتے ہیں۔ یہی سچے شاعر کی نشانی ہے کہ جو بات آپ کہنا چاہیں مکمل طور پر نہ کہہ سکیں تو آپ شاعر نہیں شوہر ہیں۔

شعر کہنا ان کے نزدیک بہت مشکل کام ہے اور اس سے مشکل صرف ایک کام ہے اور وہ ہے شعر نہ کہنا۔ انہوں نے لکھ کر گھر کا چولہا چلایا حالانکہ دوسرے ادیبوں کی تحریروں سے ان کے گھر والوں کو چولہا چلاتے تو نہیں البتہ چولہا جلاتے ضرور دیکھا ہے۔

ہمارے ادیب شاعر ناکامی کا صدمہ برداشت کر لیتے ہیں مگر ان سے کامیابی کا صدمہ برداشت نہیں ہوتا' اگر ہوتا ہے تو پھر بندہ احمد ندیم قاسمی ہوتا ہے۔ انہیں لوگوں نے گالیاں بھی دیں' عزت بھی دی' جو جو کچھ کسی کے پاس تھا' دیا۔ جس شخص کا دشمن کوئی گھٹیا نہیں وہ خود

گھٹیا ہے۔ ویسے وہ جتنا خیال سگریٹ خریدتے وقت اس کی کوالٹی کا کرتے رہے 'اتنا دوست نا
وقت کر لیتے تو آج ان کا کوئی گھٹیا دشمن نہ ہوتا۔ کہتے ہیں ایک زمانے میں بہت سگریٹ پیتے تھے
حالانکہ وہ اتنے کم سگریٹ پیتے تھے کہ میں نے انہیں ہمیشہ ایک ہی سگریٹ پیتے دیکھا۔

صحت ایسی کہ جوانی میں کوئی شاعر ان کے ساتھ سیر کو نکلتا تو شاعر کے لواحقین ا...
امام ضامن باندھ کر رخصت کرتے۔ ایک بار ایک شاعر کے ساتھ سیر کو نکلے 'دو تین میل
کے بعد جب شاعر موصوف گرنے لگے تو کہا "بس تھوڑی دور اور 'کھلی جگہ آجائے تو
شروع کرتے ہیں۔"

ہوسٹل میں رہنا اپنے آپ میں رہنا ہے۔ ایک عرصہ ہوسٹل میں رہنے سے ایسے
گئے ہیں کہ اب جہاں ایک عرصہ رہ جائیں ہوسٹل بن جاتا ہے۔ وہ تو جتنی دیر جیل میں رہے'
جیل ہوسٹل رہا۔ کتابیں ان کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ ویسے بھی ہماری اکثر کتابیں ایسی ہیں کہ ان کا
بچھونا ہی بنایا جاسکتا ہے۔ جس دن کام کا موڈ ہو بستر کے پاس کتابوں کا ڈھیر لگالیں گے اور جس
دن عیاشی کا موڈ ہو اس دن کتابوں کے ڈھیر کے پاس بستر لے جائیں گے۔

مرد کے پیٹ میں اچھی بات ہو تو اس کا دھیان مٹھائی کی طرف جائے گا اور عورت
کے پیٹ میں اچھی بات ہو تو کھٹائی کی طرف۔ دفتر "فنون" میں احمد ندیم قاسمی کی امامت میں
پنجگانہ باجماعت مٹھائی تقسیم ہوتی ہے' پہلے اس خوشی میں کہ آج خالد احمد نہیں آیا اور پھر
اس خوشی میں کہ آج خالد احمد آیا ہے۔

جس شخص نے کبھی دھوکا نہیں کھایا وہ مخلص نہیں ہو سکتا اور آپ تھوڑی سی کوشش
کر کے احمد ندیم قاسمی کو مخلص ثابت کر سکتے ہیں۔ شراب کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں
جو ہمارے ہاں شرابیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انگریزی پر اس قدر عبور ہے کہ ایک فقرہ بھی
ادا کریں تو لگتا ہے عبور کیا ہے۔ سارا دن کام کرتے نہیں تھکتے لیکن اس دن تھک کے چور
ہو جاتے ہیں جس دن انہیں کوئی کام نہ ہو۔ دوستوں کا کام جلد کر دیں گے کہ ان کا وقت بچے
اور دشمنوں کا کام فوراً کر دیں گے کہ اپنا وقت بچے۔

اس قدر سست ہیں کہ صبح سات بجے اٹھیں تو کہیں آٹھ بجے جاکر اس حالت
میں ہوں گے جس میں دفتر جاتے ہیں جبکہ خالد احمد اس قدر تیز ہیں کہ صبح آٹھ بجے اٹھیں تو
سات بجے اس حالت میں ہوں گے کہ جس میں دفتر جاتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی دیکھنے میں



بڑے افسر لگتے ہیں اور اس وقت تک رہتے ہیں جب تک دوسرا خود کو افسر سمجھتا ہے۔ آپ
دس غلطیاں کریں تو ایک بار ڈانٹیں گے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آپ باقی نو غلطیاں بعد
میں کرتے ہیں۔ مخالفوں کے لیے وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں یعنی ساکت! انہیں اپنے اوپر گرانے
کے لیے کافی کوشش کرنا پڑتی ہے۔ جس صحافی کو کوئی ناپسند نہ کرے اور جس شاعر کو کوئی پسند
نہ کرے وہ بڑا بد قسمت ہوتا ہے۔ اور احمد ندیم قاسمی بڑے خوش قسمت ہیں۔

تنقید لکھنے سے بندہ بوڑھا لگنے لگتا ہے اور پڑھنے سے ہو بھی جاتا ہے۔ مگر ان کی تنقید
بڑی جوان ہوتی ہے لیکن انہیں اپنے گھر میں کوئی نقاد نہیں مانتا۔ شاید یہی ان کی خوشگوار
ازدواجی زندگی کا راز ہے۔

ان کی وجہ سے بڑا ادب پیدا ہوا' اور بڑا ادب وہ ہوتا ہے جو کسی شخصیت سے مل کر آپ
کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے ادیبوں کی بھلائی کے لیے بہت کچھ کیا حالانکہ میرے
خیال میں ادیبوں کی بھلائی کے لیے یہی کافی ہے کہ پبلشر کے دفتر کے ساتھ ان کے لیے
ایک ایمرجنسی وارڈ بنوا دیا جائے۔ ویسے آج کل رائٹرز اور پبلشرز میں بڑی ذہنی ہم آہنگی
ہے' دونوں کی سوچیں ملتی ہیں۔ پبلشر سمجھتا ہے وہ رائٹر کو بے وقوف بنا رہا ہے اور رائٹر بھی
یہی سمجھتا ہے کہ پبلشر مجھے بے وقوف بنا رہا ہے۔

وہ ایسے قلم کار ہیں جن کے قلم میں روشنائی کی جگہ انا بھری ہوئی ہے۔ فن پیری کے علاوہ
ہر فن میں مکمل ہیں۔ سانا مکمل بڑھاپا گزارنے کے لیے مکمل جوانی چاہیے۔ ان کے نزدیک ہر چھوٹا
آدمی جب کام کر رہا ہو' بڑا ہوتا ہے اور ہر بڑا آدمی جب کام نہ کر رہا ہو' چھوٹا ہوتا ہے۔

اگر پورا لاہور آپ کو اچھا کہہ رہا ہو اور ایک شخص اس بات پر یقین نہ کرے تو یقین
کر لیں وہ آپ کا قریبی دوست ہوگا اور اگر دوست کسی قریبی دوست کی تعریف کر رہا ہے تو
یقین کر لیں کہ وہ جس شخص کی بات کر رہا ہے وہ احمد ندیم قاسمی ہے۔

یہ وہ چراغ ہے جس تلے اندھیرا نہیں اور روشنی ایسی کہ قریب آکر مکڑے جگنو بن جاتے
ہیں۔ آج کے نقادوں کے لیے انہیں مکمل سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے سورج سے سگریٹ سلگانے کی
کوشش کرنا اور انگارے سے یہ کام کروا کر کہنا کہ سورج میں گرمی انگارے سے کم ہے۔ وہ کسی
بھی دور میں قیمتی ادیب نہیں رہے کہ کسی بھی دور میں ان کی قیمت نہیں لگی۔ انہیں کسی خاص
دور سے منسوب نہیں کیا جاسکتا کہ دور خود کو ایسے لوگوں کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔

# بائیں کاندھے کا فرشتہ

ہمارے ہاں اکثر شاعر ادیب کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلی جماعت ہی میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ان کی تحریریں پڑھ کر ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن ممتاز مفتی کو پڑھ کر لگتا ہے انہوں نے جوانی میں لکھنا شروع کیا اور نصف صدی قبل مفتی صاحب کی عمر جوانی پر آ کے رک گئی۔

ممتاز مفتی کا قد کاٹھ ایسا ہے کہ بندہ اسے ایک آنکھ بند کر کے بھی دیکھ سکتا ہے۔اپنی شکل وصورت میں اس قدر نقص نکالتے ہیں کہ لگتا ہے انہیں اللہ نے نہیں پی۔ڈبلیو۔ڈی نے بنایا ہے۔کانوں سے نہیں آنکھوں سے سنتے ہیں۔ بولتے بھی آنکھوں ہی سے ہیں۔ کہتے ہیں "مجھے زبان پر قدرت نہیں" ٹھیک کہتے ہیں انہیں اپنی زبان پر قدرت نہیں البتہ اردو زبان پر ہے۔

عورتیں اسی مقصد کے لیے شادی کرتی ہیں جس کے حصول کی خاطر مرد شاعری کرتے ہیں لیکن اب دالان سے میدان تک لڑکیاں لڑکوں سے آگے ہیں۔ میں اس کا چشم دید گواہ ہوں کہ میں نے کالج میں لڑکوں کو ہمیشہ لڑکیوں کے پیچھے ہی دیکھا ہے۔ مگر ممتاز مفتی عورت مرد دونوں کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔اگر عورت عیار اور مکار ہو تو مقصد بھی وہی جو ایک آنکھ بند کر کے دیکھنے کا ہوتا ہے۔ وہ بچوں کو اس قدر پسند کرتے ہیں کہ جب بھی عشق کیا بچوں والی عورت سے کیا۔ لڑکیاں تو ان کے لیے سپریم کورٹ ہیں یعنی نو اپیل۔خوبصورت لوگوں سے ملتے ہوئے گھبراتے ہیں حالانکہ ہونا الٹ چاہیے۔یوں بھی بدصورت عورت کے منہ سے ہاں ایسا ہی لگتا ہے جیسے خوبصورت کے منہ سے ناں۔ لیکن وہ محبت بھی اس سے کریں گے جس سے زیادہ سے زیادہ ہمدردی ہی کی جا سکتی ہے اور وہ بھی یوں جیسے مفتی مفت کی مونث ہو۔



ہر وقت عورتوں پر جان اور پان چھڑکنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔انہیں مردوں کے چہرے یاد نہیں رہتے' انہیں تو اپنا چہرہ یاد نہیں رہتا اور یہی ان کے خوش رہنے کا راز ہے۔ قدرت اللہ شہاب کے ساتھ رہنے سے اس قدر مذہبی ہو گئے ہیں کہ دائیں بائیں عورتیں بیٹھی ہوں تو لگتا ہے بار بار سلام پھیر رہے ہیں۔

دنیا میں جو فقرے سب سے کم توجہ سے سنے جاتے ہیں وہ نصیحت کے ہوتے ہیں اور جو سب سے زیادہ انہماک سے سنے جاتے ہیں وہ وصیت کے۔ مفتی صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کبھی نصیحت نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں دیکھ کر بندے کا دل بے اختیار نصیحت کرنے کو چاہنے لگتا ہے۔

ان کے ہاں توازن نہیں۔ کبھی وہ الہی و اہلیہ کے سامنے عبادت گزار لگتے ہیں تو کبھی عدت گزار۔ خدا سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے کسی عورت سے کر رہے ہوں اور عورت سے یوں جیسے خدا سے۔

ممتاز مفتی کے ہاں جس کی لاٹھی' اس کی لاٹھی ہی ہے۔ بھینس تو رانجھا ہی "چارے" گا۔انہیں رانجھا اچھا لگتا ہے کیونکہ پنجاب میں جو کسی عورت کو شادی سے پہلے بھگا کر لے جائے اسے مرزا اور جو شادی کے بعد بھگائے اسے رانجھا کہتے ہیں۔

اس قدر سادہ ہیں کہ اگر کوئی ان سے رائے مانگے تو سچ مچ رائے دے دیتے ہیں۔ تنہائی پسند ہیں یعنی جسے پسند کرنا ہو تنہائی میں کرتے ہیں۔ کبھی کسی کے محتاج نہیں رہے۔انہیں پتہ تھا کہ ایک عمر آتی ہے جب مرد کو حکیم کا محتاج ہونا پڑتا ہے اور انہوں نے وقت آنے سے پہلے ہی حکمت سیکھ لی۔

اس قدر سچے آدمی ہیں کہ جھوٹ بھی بولیں تو لگتا ہے جھوٹ بول رہے ہیں۔ دوران گفتگو وہ نہیں سنتے جو آپ کہہ رہے ہیں' وہ سنتے ہیں جو آپ نہیں کہہ رہے۔اچھی بات نہیں کرنا چاہتے مگر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی بات اچھی لگے۔ان کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ سوچتا ہے سمجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اور کہانیاں ایسی کہ بندہ سمجھتا ہے سوچنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

سننے میں بوڑھے' کہنے میں جوان اور کرنے میں بچے۔انہوں نے اپنی دنیا بنائی' دنیا کو اپنا نہیں بنایا۔اپنی حماقتیں یوں بیان کرتے ہیں جیسے کارنامے بیان کر رہے ہوں اور کارنامے یوں بتاتے ہیں جیسے حماقتیں گنوا رہے ہوں۔ جس لیے ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی مقصد کے

لیے وہ سچ بولتے ہیں۔

وہ مختلف حالات کے لیے پہلے خود کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے خود کو غم کے لیے تیار کیا ہو اور اچانک خوشی مل جائے تو انہیں بڑا غم ہوگا۔

ان کی اور ان کے کمرے کی بے ترتیبی دیکھ کر لگتا ہے کہ جتنی محنت سے یہ بے ترتیبی پھیلائی گئی ہے اس سے کم محنت اور وقت میں ترتیب لگائی جا سکتی ہے۔ سُست اس قدر ہیں کہ پچاسی سال کی عمر میں وہ کام کرتے ہیں جو انہیں پچیس سال کی عمر میں کر لینے چاہئیں تھے۔

ان کی لمبی عمر اور صحت کا راز ڈاکٹروں کے مشوروں میں ہے یعنی ڈاکٹروں نے جو مشورہ دیا' انہوں نے بالکل الٹ کیا اور صحت مند رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی سے یہ سبق سیکھا کہ زندگی سے سبق نہیں سیکھنا چاہیے۔

لکھنے سے پہلے نہیں سوچتے' اسی لیے ان کا لکھا پڑھنے سے پہلے سوچنا پڑتا ہے۔ جتنا انہوں نے لکھا اتنا تو ہمارے ادیب پڑھتے نہیں۔ "مفتیانے" اور "علی پور کا ایلی" تو اس قدر وزنی ہیں کہ لگتا ہے آج نہیں تو کل کوئی نہ کوئی سلمنگ سنٹر انہیں اپنے نصاب میں ضرور شامل کر لے گا۔ کہتے ہیں ممتاز مفتی کی تحریریں پڑھ کر بچہ جوان ہو جاتا ہے۔ مجھے بوڑھے ایسے ہی لگتے ہیں جیسے بڑھاپا۔ لیکن جانتا ہوں جسے ہم پچاسی سالوں میں بوڑھا نہ کر سکیں اسے کبھی بوڑھا نہیں کر سکتے۔ اردو ادب میں لمبی لمبی عمر کے بچے تو ملیں گے' اتنا طویل عمر جوان نہ ملے گا جس کی وجہ سے ہم اردو افسانے کی تاریخ سنہ ق۔م یعنی قبل مفتی میں لکھ سکتے ہیں۔



# سندھی گاندھی

ہم سمجھتے ہیں' بھارت والے مہاتما گاندھی کی اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ ان کے نام گاندھی" میں ہندوؤں کی سب سے مقدس ہستی آتی ہے۔ وہ ہے " گاں" یعنی گائے اور ماتھ "دھی" بھی ہے۔ گائے دودھ کی وہ فیکٹری ہے جس کی چار ٹانگیں اور ایک دم ہوتی ہے' دم نہیں لینے دیتی۔ بچپن میں ماسٹر جی ہم سے پوچھتے: "کن کن چیزوں میں دودھ ہوتا ہے؟" ہم کہتے: "چائے اور گائے۔" سو گاں دھی ہمارے لیے کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ پھر پتہ ہیں جی ایم سید کو سندھی گاندھی کیوں کہا جاتا ہے۔ مہاتما گاندھی کی طرح ان کا لباس بھی ایسا ہیں ہوتا' جیسے ہو تو لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے جسم چھپا رکھا ہے۔ یہی کہیں کہ جسم نے لباس مپا رکھا ہے۔ پھر بھی گاندھی جی کی لنگوٹی اتنے کام کی تھی کہ اب تک ان کے مجاوروں اور مارے محاوروں میں استعمال ہوتی ہے۔ ان سے قبل ہمارے پاس سرحدی گاندھی تھے۔ ان نوں گاندھیوں میں ہمیں تو خرابی صحت کے علاوہ اور کچھ مشترک نظر نہیں آیا۔ مہاتما اندھی اتنے سوم تھے کہ آپ انہیں مہاتما سوموار کہہ سکتے ہیں۔ مہاتما بدھ کو آپ پہلے ہی انتے ہیں۔ سندھی گاندھی سید ہیں۔ یوں آپ انہیں مہاتما جمعرات کہہ سکتے ہیں۔

پہلی بار ایسے سید گھرانے میں آنکھ کھولی' جہاں بچے کو پیٹنے سے پہلے بھی بسم اللہ شریف ھی جاتی ہے۔ البتہ دوسری بار کراچی کے آنکھوں کے ہسپتال میں آنکھ کھولی۔ بچپن میں لام مرتضیٰ تھے' پھر جی ایم ہو گئے۔ نام کے ساتھ بعد میں سید یوں لکھتے جس طرح ہم جیسے یم بی بی ایس لکھتے ہیں۔ گزشتہ تیس چالیس سالوں سے جو اہم کام کر رہے ہیں' وہ بوڑھا ہونا ہے۔ بہر حال اب وہ واحد سیاست دان ہیں جن کو بندہ کہہ سکتا ہے کہ اب آپ بوڑھے نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ان کی مزید پندرہ بیس سال بوڑھا ہونے کی خواہش ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ

بوڑھے بھی انہیں اپنا بزرگ سمجھتے ہیں۔ بڑھاپے میں آدمی دوسری بار بچپن گزار رہا ہوتا ہے، مگر اسے سمجھانے کے لیے گھر میں کوئی بڑا نہیں ہوتا۔ سندھی گاندھی بھی اپنا دوسرا بچپن گزار رہے ہیں، یقین نہ آئے تو ان کی باتیں سن لیں۔ ان کی سالگرہ پر ایک نوجوان سیاست دان نے کہا: "میری خواہش ہے کہ میں آپ کی سویں سالگرہ میں بھی شرکت کروں" تو انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا' بظاہر تو تمہیں دیکھ کر مجھے یہی امید ہے کہ تم میری سویں سالگرہ میں شرکت کے لیے موجود ہو گے۔"

اپنا شجرہ نسب وہاں تک لے جاتے ہیں جہاں نسب ابھی شجر پر ہی ہوتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو خود کو 45 سال سے پاکستانی، چودہ سو سال سے مسلمان اور پانچ ہزار سال سے سندھی کہتے ہیں۔ اپنے سندھ میں پیدا ہونے پر اس قدر فخر کرتے ہیں جیسے یہ سب ان کی ذاتی کوششوں سے ہوا ہو۔ سندھ میں جی ایم سید کا بڑا احترام ہے۔ سندھی تو جس کا احترام کرنا چاہیں، اسے شاہ کہنے لگتے ہیں۔ جیسے دریائے سندھ کو بھی وہ دریائے شاہ کہتے ہیں۔

تحریکِ خلافت سے سیاست کا آغاز کیا۔ تحریک ختم ہو گئی، مگر وہ خلیفہ ہو گئے۔ مسجد منزل گاہ تحریک کے قائد کے طور پر مسجد کو منزل گاہ بنایا۔ 1943ء میں علیحدہ مسلم ملک کے لیے قرارداد پیش کی۔ پاکستان بننے سے پہلے ہی قائداعظم کی رفاقت سے ہاتھ دھو لیے، اسی دن سے ہاتھ دھوئے ہوئے ہیں۔ بڑے ڈرانے والے بیان دیتے ہیں، مگر ان کے بیان سن کر رنگ پیلا نہیں پڑتا ہے کہ ان کا بڑا قابل بیان بھی ناقابل بیان ہوتا ہے۔

کہتے ہیں، میں کئی سال آگے دیکھتا ہوں، حالانکہ ان کی نظر ایسی ہے کہ کئی قدم آگے نہیں دیکھ سکتے۔ نظر کی عینک آنکھ سے لگائے رکھتے ہیں، جس کا یہ فائدہ ہے کہ انہیں عینک نظر آتی رہتی ہے۔ جو بات کرنا ہو، لکھ کر کرتے ہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ جو بات سننا ہو، وہ بھی لکھ کر سنتے ہیں۔ ان کی اتنی کتابیں ہیں کہ اگر ہم ہر سال ایک کتاب لکھیں، تو پھر بھی ان جتنی کتابیں لکھنے کے لیے ہمیں دو تین کتابیں پیدا ہونے سے پہلے لکھنا پڑیں گی۔ ان کی ہر کتاب میں ایک ہی بات ہوتی ہے۔ ایک بار وہ پبلشر کے پاس اپنی نئی کتاب کا مسودہ لے کر گئے۔ پبلشر نے مسودہ ایک نظر دیکھ کر اس میں لگی پن نکال کر رکھ لی اور مسودہ سندھی گاندھی کو واپس دیتے ہوئے کہا: "سید سائیں یہ رکھ لیں۔ اس میں جو نئی چیز تھی، وہ میں نے نکال لی ہے۔" لگتا ہے انہوں نے آخری کتاب پہلے لکھ لی، پہلی کتاب آخر میں لکھ رہے ہیں۔



لوگ ان کی کتاب پڑھ کر یہی کہتے ہیں: "ہم نے آپ کی کتاب پڑھ لی۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

سندھی گاندھی اتنے گھر میں نہیں رہتے، جتنے خبروں میں رہتے ہیں۔ ان کی پکھ اور پگ تلے تاریخ کے قدیم خطے ہیں۔ ان کی ذات ایک خزانہ ہے۔ ویسے سندھ کے جو حالات ہیں، اس میں تو خزانہ بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے زمین میں دبا دیا جائے۔ چہرے پر ایک معصومیت اور مصروفیت۔ ان کے چہرے پر جو چیز سب سے واضح ہے، وہ ان کی عینک ہے جس کے بغیر ان کے لیے کچھ واضح نہیں ہے۔ انہیں تو عینک کے بغیر خواب تک صاف دکھائی نہیں دیتے۔

کتاب چھپوانے سے پہلے ہی اس پر پابندی لگوانے کا انتظام کر لیں گے۔ اگر پابندی نہ لگنے کا پچاس فیصد بھی شک ہو تو نہیں چھپوائیں گے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں پابندی سے وہی کتاب پڑھی جاتی ہے جس پر پابندی لگی ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس قدر مستقل مزاج ہوتے ہیں کہ چاہیں تو اسپرین کو سر درد لگا دیں۔ وہ ان سیاست دانوں میں سے ہیں جن کا اگر کوئی ذہن تبدیل کر سکتا ہے تو وہ نیورو سرجن ہی ہو سکتا ہے۔ تلفظ ایسا کہ بہاری کو بھاری کہتے ہیں۔ ان کے پاس سندھ کے ہر مرض کا علاج ہی نہیں، ہر علاج کے لیے ایک مرض بھی موجود ہے۔ تاریخ سے اس قدر لگاؤ ہے کہ جو بھی ملے، اس سے پوچھتے ہیں: "آج کیا تاریخ ہے؟" اتنی دیر گھر میں نہیں رہے، جتنی دیر جیل میں رہے۔ سو ان کے لواحقین جیل کو بھی اپنی منقولہ جائیداد سمجھتے ہیں۔

یادداشت ایسی کہ ان کے سامنے ایک بات کئی بار کی جائے تو انہیں یاد ہو گا کہ یہ کتنی بار کی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ پتہ نہ ہو گا کہ کیا بات کی گئی۔ قائل کرنے کی ان میں بڑی صلاحیت ہے۔ وہ آپ کو وقت ضائع ہونے پر لیکچر دے رہے ہوں تو آپ فوراً قائل ہو جائیں گے کہ آپ کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جئے سندھ والے ان کی بات اس قدر مانتے ہیں کہ سندھی گاندھی چپ بھی ہوں تو وہ ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہوتے ہیں۔ ساری زندگی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ انہوں نے تو کبھی شرابی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ 1970ء کے بعد الیکشن میں کھڑے نہیں ہوئے۔ کہتے ہیں، میں اتنا بیمار ہوں کہ دو منٹ سے زیادہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کہو جئے سندھ 'سندھ میں ہاری ہے تو کہیں گے' جئے سندھ میں سندھی ہاری

ہے۔ وہ پہلے پاکستان کے علم بردار تھے' اب الم بردار ہیں۔ اپنی "فطرت" کے باعث اب سندھ اور چھڑی کے سہارے کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔

پاکستان کو اپنا "ٹوٹ انگ" کہتے ہیں۔ ان کے ماننے والے بڑے دنوں سے دن رات ایک کر رہے ہیں۔ اب تو وہاں دن رات ایک ہو بھی گئے ہیں کہ وہاں تو نوکری کے لیے ڈاکومنٹ سے مراد ڈاکو کا منٹ ہوتا ہے۔ شروع سے علیحدگی پسند تھے' جس کا مطلب یہ نہیں کہ جسے پسند کرتا ہوتا' اسے علیحدگی میں کرتے۔ وہ سیاست دان ہیں اور ہمارے ہاں سیاست دان ہوتے ہیں' سائنس دان نہیں ہوتے کہ سائنس دان پہلے اپنے سارے تجربے چوہوں اور خرگوشوں پر کرتا ہے اور سیاست دان براہ راست انسانوں پر۔ پھر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بنگلہ دیش بنانے والوں کو بنگلہ ملتا ہے نہ دیش۔



# تو تو مَیں مَیں

یوں تو ادیبوں' شاعروں کو اپنے بارے میں کچھ کہنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی' جب ان کا دل چاہے کہ ان کے بارے میں کچھ کہا جائے وہ محفل سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور وہاں بیٹھے ادیب شاعر ان کی چاہت پوری کر دیتے ہیں۔ سو محمد یونس بٹ کے بارے میں کہہ کر میں آپ ہی کا کام کر رہا ہوں۔

دیکھنے میں ایسا کہ ادیب شاعر اسے محمد یونس بٹ کا بیٹا سمجھ کر شفقت سے پیش آتے ہیں۔ قد اتنا کہ اسے ہر دوسرا شخص خود سے بڑا نظر آتا ہے۔ کھڑا ہوا لگتا ہے بیٹھا ہوا ہے۔ چلتا یوں ہے جیسے کشمیر فتح کرنے جا رہا ہو۔

برتھ سرٹیفکیٹ کے حساب سے اپنی پیدائش کے ایک سال بعد پیدا ہوا اور اس سے کئی سال پہلے اس کا نام رکھا جا چکا تھا۔ بچپن میں صحت ایسی تھی کہ والدہ اسے سکول لے کر جاتی تو محلے والے سمجھتے ہسپتال لے کر جا رہی ہیں۔ گوجرانوالہ کی روایت کے مطابق ورزش کے لیے اکھاڑے گیا تو استاد پہلوان نے دیکھ کر کہا "تمہاری ورزش کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ روزانہ دو کشتیاں دیکھ لیا کرو۔"

بچپن ہی سے اس میں ڈاکٹر بننے کی صلاحیتیں تھیں یعنی ہینڈ رائٹنگ شروع ہی سے خراب تھی۔ اردو پنجابی میں بہت کچھ لکھا جس سے ادب کو کوئی فائدہ ہو نہ ہو اسے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اس کی ہینڈ رائٹنگ بہتر ہو گئی ہے۔

پہلے کارٹون بناتا تھا جب سے ادب میں آیا ہے کارٹون بنانے چھوڑ دیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ ادب میں کارٹونوں کا کوئی سکوپ نہیں کیونکہ یہ کمی شاعروں' ادیبوں کی

تصویروں سے پوری ہو جاتی ہے' تاہم اردو شاعری کے حوالے سے ادب اس کا احسان ہمیشہ یاد رکھے گا کہ اس نے تمام مواقع ملنے کے باوجود شاعری نہ کی۔ شعروں کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے جو لوگ شاعری کے ساتھ کرتے ہیں۔

یوں تو بچے کا آنسو دنیا میں اس کا سب سے پہلا لفظ ہوتا ہے' لیکن بچپن میں وہ مصیبت میں ہوتا یا کسی کو مصیبت میں دیکھتا تو رونے کی بجائے لکھنے لگتا' یوں اس نے رونے کا کام لکھنے سے لیا۔ آج بھی اس کی تحریریں پڑھ کر یہی لگتا ہے گھر والوں نے جب اسے کسی غلطی کی سخت سزا دینا ہوتی تو اسے کچھ نہ کہتے اور وہ ساری رات سو نہ سکتا۔

دوسروں سے تعلقات یوں ختم کرتا ہے کہ انہیں کئی سال بعد پتا چلتا ہے اور جن سے نئے تعلقات بناتا ہے انہیں بھی اتنی ہی دیر بعد پتا چلتا ہے۔ زیادہ لوگوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا تاکہ کم سے کم لوگوں کو اس سے مایوسی ہو۔ وہ ہر قسم کے لوگوں کے پاس بیٹھ سکتا ہے مگر اس کے پاس ہر قسم کا آدمی نہیں بیٹھ سکتا۔ کسی کو قائل کر کے دوستی اور محبت نہیں کرتا۔ کہتا ہے جسے میں قائل کر سکتا ہوں اسے کوئی بھی قائل کر سکتا ہے اور جو ہر کسی سے قائل ہو جائے وہ دوستی اور محبت کے قابل کہاں۔ دو قسم کے لوگوں سے ملتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ایک وہ جن کے ساتھ رہنا مشکل ہو اور دوسرے وہ جن کے بغیر رہنا مشکل ہو۔ دوست صورت دیکھ کر اور دشمن سیرت دیکھ کر بناتا ہے۔ اس قدر بزدل کہ جسے ناپسند کرتا ہے' اسے پتا نہیں چلنے دیتا اور جس سے محبت کرتا ہے اسے بھی پتا نہیں ہوتا۔ حالانکہ خاموشی ناپسندیدگی کے اظہار کا بہترین طریقہ سہی' مگر محبت کے اظہار کا بدترین طریقہ ہے جس کسی کو سزا دینا چاہے اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے نفرت کرے۔ جس کو چاہے کہ اس کا دشمن نہ بنے' اسے دوست نہیں بناتا۔

ہر چیز سے خوف کھاتا ہے۔ دشمن کی بجائے دوستوں سے باتیں کرتے وقت زیادہ ڈرا ہوتا ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ کر دے جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔ اسی لیے جلد از جلد تنہا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ ہر کام کر سکتا ہے مگر انتظار نہیں کر سکتا۔ انتظار کرتے ہوئے اسے بخار ہو جاتا ہے اور بخار کے درجے سے پتا چلتا ہے' انتظار زنانہ ہے یا مردانہ۔

جانتا ہے غلطی کرنا انسان کا کام ہے اور معاف کرنا خدا کا اور وہ وہی کام کرتا ہے جو انسان



کے کرنے والا ہوتا ہے۔ جس دن وہ کوئی کام نہ کرے سمجھ لیں آج اسے بہت سے کام ہیں۔

لوگوں کے موڈ اور انداز سے ان کی بات کہنے سے پہلے سمجھ جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس کی بات اس کے کہنے کے بعد بھی نہیں سمجھتے۔ دوران گفتگو آپ سمجھیں گے وہ آپ کی بات بڑی توجہ سے سن رہا ہے' حالانکہ وہ اپنے بولنے کی باری کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔

اس کا دل دیہاتی' آنکھیں شہری اور دماغ کسباتی ہے۔ ڈاکٹری کو بیوی اور ادب کو محبوب کہتا ہے۔ کھیلوں سے دلچسپی نہیں' کہتا ہے مجھے ایسی جیت نہیں چاہیے جس کے ساتھ کسی کی ہار وابستہ ہو۔

ایک وقت میں ایک سے زیادہ غلط کام نہیں کرتا جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کرتا ہے۔ اردو پنجابی دونوں بولتا ہے مگر کسی زبان میں "ناں" نہیں کہہ سکتا۔

بروں کی نسبت اچھوں سے زیادہ محتاط رہتا ہے کہ برے تو ظاہر ہوتے ہیں خود کو اچھا ظاہر کرنے والوں کا کیا پتا کب برا پیش آئیں۔

کہتا ہے میری کامیابی کا یہ راز ہے کہ سارے کام خود کرو۔ ٹھیک کہتا ہے اس نے یہی بات لوگوں کو کہہ کر کامیابی حاصل کی ہے۔ خوبیوں والے دوستوں کی تلاش کرتا ہے' لیکن س طرح کہ پہلے دوست تلاش کر لیتا ہے پھر ان کی خوبیاں تلاش کرنے لگتا ہے۔ اس کے بارے میں بُری رائے قائم کرنے کے لیے ایک بار ملنا ہی کافی ہے' البتہ اچھی رائے قائم کرنے کے لیے کئی بار ملنا پڑتا ہے۔

جب وہ لاہور میں آیا تھا تو اسے پورے شہر میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب تو بہت لوگ س کی عزت اور اس سے پیار کرتے ہیں۔ جس سے لگتا ہے کہ اب بھی اسے کوئی نہیں جانتا۔

حکم یوں دیتا ہے جیسے گزارش کر رہا ہو اور گزارش یوں کرتا ہے جیسے حکم دے رہا ہو۔ خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت میں شریک نہیں رکھتا۔ اپنی پریشانی کسی کو نہیں بتاتا کہ اس سے پریشانی کم نہیں ہوتی تو زیادہ بھی نہیں ہوتی۔ جس موقع پر لوگ دوسروں سے ناراض ہوتے ہیں یہ اس موقع پر بھی خود سے ہی ہوتا ہے۔ پسندیدہ جگہ' جہاں سے آسمان نظر آئے۔ پسندیدہ سواری' ٹانگیں۔ اسے وہ کھانا پسند ہے جس میں کھانے والے پسند کے ہوں۔

وہ کام نہیں کرتا جو اس سے نہ ہو سکے اور وہ کام بھی نہیں کرتا جو ہر کسی سے ہو سکے۔ جس دن اسے کوئی مسئلہ نہ ہو' پریشان رہتا ہے۔ کہتا ہے' مخلوط تعلیمی اداروں میں شریف لڑکی

وہ ہوتی ہے جو روزانہ ایک ہی لڑکے سے چائے پیتی ہے اور شریف لڑکا وہ ہوتا ہے جس سے روزانہ مختلف لڑکیاں چائے پیتی ہیں۔ اس لحاظ سے وہ نہ خود کالج کے شریف لڑکوں میں شامل ہو سکا اور نہ اس سے کوئی لڑکی شریف ہوئی۔

جس ماحول میں ہو اسی کا حصہ بن جاتا ہے، مگر اس ماحول کو اپنا حصہ نہیں بناتا۔ جن چیزوں کو خریدا جا سکے ان کی اسے خواہش نہیں اور جو بغیر کسی قیمت کے ملیں ان کو لیتا نہیں۔

اس کا پسندیدہ دوست محمد یونس بٹ ہے اور دشمن بھی یہی ہے۔

اس کی ایک عجیب و غریب عادت ہے جس سے ملنے کی نیت بنا کر جائے صرف اسے ہی مل سکتا ہے۔ اگر اس جگہ پر اسے کسی اور سے ملنا ہو تو پھر کمرے میں آ کر اس سے ملنے کی نیت کر کے دوبارہ جائے گا۔

ہر وقت جلدی میں ہوتا ہے جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس کی کامیابی کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے اور جونہی کامیابی کے آثار پیدا ہوتے ہیں اسے چھوڑ کر کوئی اور کام پھر زیرو سے شروع کر دیتا ہے اور اکثر زیرو پر ہی رہتا ہے۔